عشقِ خدا کا سفر

ہر کسی کی زندگی کا ایک خاص مقصد ہوتا ہے، مگر اکثر ہم اُسے تلاش نہیں کرتے اور یونہی موت تک کا سفر کرتے رہتے ہیں۔
میں بھی یہی سوچتی تھی کہ شاید میری زندگی کا بھی کوئی خاص مقصد ہوگا۔
ہزاروں خیالوں اور اپنے اندر کی "میں" کو مٹانے کی مسلسل کوششوں کے بعد، مجھے میری زندگی کا مقصد ملا — اور وہ ہے عشقِ خدا کا سفر۔

یہ سفر آسان نہیں، لیکن ناممکن بھی نہیں۔
بس ہمیں اپنے نفس کو مارنے، اپنی انا کو قربان کرنے، اور اپنے دل کو خالص کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ میری بائیس سالہ زندگی کا پہلا ناول ہے، جو میری پیاری دوست یمنیٰ کی فرمائش پر لکھا گیا۔
ہماری کوشش تھی کہ ایسا ناول تخلیق کیا جائے جو انسان کو پہلے اُس کے اپنے آپ سے، اور پھر اللہ سے ملوائے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اس نیک ارادے کو قلم کی صورت عطا فرمائی۔
اس ناول کا مقصد اُن دلوں کو جگانا ہے جو مایوسی کی دھند میں چھپ چکے ہیں۔

یہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو زندگی سے ہار چکے ہیں، مگر دل
کے کسی کونے میں آج بھی روشنی کی اُمید رکھتے ہیں۔

دعا ہے کہ ہماری یہ چھوٹی سی کوشش کسی دل میں چراغ جلا
دے۔
آمین۔

باب اول: ابتدا

"یہ کہانی درد کی ہے، مگر ایسا درد جو سکون کی گواہی دیتا ہے۔
یہ کہانی اُن دعاؤں کی ہے، جو کبھی خاموش آنکھوں سے مانگی
جاتی ہیں، اور کبھی ٹوٹے دل کی دھڑکنوں میں سمائی ہوتی ہیں۔
یہ کہانی اُن جذبوں کی ہے، جو لفظوں سے نہیں، فقط دل سے
سمجھے جاتے ہیں۔
یہ کہانی عشق کی ہے... عشقِ حقیقی کی۔"

یہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو محبت میں اللہ کو تلاش کرتے ہیں،
اور اُن کے لیے بھی، جنہیں زندگی کے شور میں رب کی پکار
سنائی نہیں دیتی۔

"السلام علیکم، میرا نام پشمینہ ہے، اور میں ایک عام سی لڑکی ہوں۔"
یہ جملہ اُس نے بے دلی سے کاغذ پر لکھا، پھر اُسے دیکھ کر ہنس پڑی۔
"عام سی لڑکی؟" وہ بولی، "کاش واقعی میں عام ہوتی!"
اس کے دل میں ایک ہلچل تھی، جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو، کچھ چیخنا چاہتی ہو، لیکن زبان خاموش تھی، آنکھیں بھیگی تھیں، اور دل بوجھل۔

پشمینہ نے قلم رکھا، آنکھیں بند کیں اور گہری سانس لی۔ ذہن ماضی کی گلیوں میں بھٹکنے لگا۔ ایک ایسا ماضی، جو زخموں سے بھرا تھا، ایک ایسا بچپن، جو محبت کو ترس گیا تھا۔ لیکن وہ اب کمزور نہیں رہی تھی۔
اس نے اپنی زندگی کو بدلنے کا فیصلہ کیا تھا — اور یہ فیصلہ اُس دن ہوا، جب وہ پہلی بار سارہ سے ملی۔
سارہ، جو محبت اور روشنی کی جیتی جاگتی مثال تھی۔ اُس کی مسکراہٹ میں کچھ خاص تھا، جیسے سورج کی پہلی کرن، جیسے رب کی طرف سے ایک پیغام: "تم اکیلی نہیں ہو!"
ساره نہ صرف دوسروں کا درد سمجھتی تھی، بلکہ اُن کے زخموں پر مرہم بھی رکھتی تھی۔ اُس کا لمس دلوں کو سکون دیتا تھا، "جیسے وہ خدا کی خاص بندی ہو۔

پشمینہ کی آنکھوں میں نمی تھی، لیکن دل میں ایک نئی چمک تھی۔

"کیا واقعی رب مجھے کسی مقصد کے لیے چُن رہا ہے؟"
یہ سوال اُسے رات بھر جگائے رکھتا، لیکن اب اُسے جواب ملنے لگا تھا۔

اُس نے کاغذ پر دوبارہ لکھا:
"میرا نام پشمینہ ہے، اور میری کہانی کا آغاز اُس دن سے ہوا، جب مجھے سارہ ملی۔"

کلاس روم کا منظر

سب کلاس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ آج میتھ کی نئی ٹیچر آ رہی ہیں۔
نمرہ جلدی سے کہنے لگی، "پشمینہ، تم نے سنا؟ نئی ٹیچر آ رہی ہے۔ یار، پہلے والی ٹیچر کی تو مجھے سمجھ نہیں آتی تھی۔ اب دیکھتے ہیں یہ کیسے پڑھاتی ہیں۔"
پشمینہ بولی، "نمرہ، مجھے تو لگتا ہے کوئی بڑی عمر کی ہوں گی اور پہلی ٹیچر کی طرح بس باتیں کر کے چلی جائیں گی۔"
دونوں ہنسنے لگیں۔
اسی دوران کلاس کے دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک پیاری سی لڑکی اندر آئی۔
"السلام علیکم کلاس! میں ہوں آپ کی نئی میتھ ٹیچر، سارہ خان۔"
مسکراتے ہوئے بولیں، "آج سے میں آپ کو میتھ پڑھاؤں گی۔ آپ کو بھی میرے ساتھ تعاون کرنا ہوگا۔"

وہ دودھیا رنگت، براؤن آنکھوں، دبلی پتلی جسامت والی لڑکی تھی۔
بلیک شرٹ، سفید ٹراوزر اور سفید حجاب میں بے حد دلکش لگ رہی تھی۔
پوری کلاس، پشمینہ اور نمرہ سمیت، حیران ہو کر اُسے دیکھ رہی تھی۔
سلام دعا کے بعد سب نے اپنا تعارف کروایا۔
"چلیں، ہم یونٹ نمبر دو سے اسٹارٹ کرتے ہیں۔"
سب نے دلچسپی سے سوالات کیے۔
"امید ہے آپ سب کو سوال اچھی طرح سمجھ آ گئے ہوں گے۔ باقی سوال ان شاء اللہ کل کریں گے۔ اگر کسی کو سمجھ نہیں آئی تو ابھی پوچھ سکتا ہے۔"
"Is that clear?" سارہ نے پوچھا۔
"Yes Ma'am" سب نے ہنستے ہوئے کہا۔
پیریڈ ختم ہوا تو سارہ نے اللہ حافظ کہا اور چلی گئیں۔

کلاس میں سب اُن کی تعریف کرنے لگے۔
"واہ یار! یہ ٹیچر تو بہت اچھے سے سمجھاتی ہیں۔ شکر ہے ورنہ ہمارا تو بیڑا غرق ہونا تھا!"
نمرہ کی بات پر پشمینہ بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکی۔
"اب چلو یار کینٹین چلتے ہیں، بھوک لگ رہی ہے۔"
دونوں کینٹین میں جا کر چائے اور سموسے کھانے لگیں۔
پشمینہ نے کہا، "اچھا میں چلتی ہوں، ڈرائیور انتظار کر رہا ہوگا۔ کل ملتے ہیں۔"

بائے" کہہ کر یونیورسٹی سے باہر نکلی، جہاں ڈرائیور پہلے ہی"
گاڑی کا دروازہ کھول چکا تھا۔
گاڑی دو منزلہ عمارت کے گیٹ پر پہنچ کر رکی ہارن بجایا تو
فوراً گیٹ کھل گیا۔۔
گاڑی اندر کھڑی کرتی ہوئی وہ لان میں سے گزری--- جہاں
دونوں طرف سبزہ اور مختلف قسم کے پھول لگے تھے اس سے
گزر کر سامنے اندرونی دروازہ کھول کر لاونچ میں پڑے صوفے
پر بیٹھ گئی گھر بالکل صاف ستھرا اور سادگی سے سجایا ہوا تھا----
ایک نوکرانی جلدی سے پانی کا گلاس لے آئی"امی کہاں ہے" سارہ
"پانی پیتے ہوئے پوچھنے لگی۔۔
وہ بی بی صاحبہ تو کچن میں کھانا بنا رہی ہے اچھا ٹھیک ہے
سارہ نے مسکراتے ہوئے کہہ کر سیڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے
میں۔۔
آئی جہاں فریش ہو کر کپڑے چینج کیئے اور نماز پڑھنے لگی دعا
کرتے ہوئے شکر کرنے لگی یا اللہ تیرا شکر ہے ہر دن کے لیے
ہر نعمت کے لیے۔
:(سارہ (آہستہ، محبت بھرے انداز میں
"یا اللہ...
میرا سب کچھ، میرا سب سے قریبی دوست...
آج بھی تیری رحمت نے مجھے سنبھالے رکھا۔
ایک پل کو بھی تو نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا۔
میری سانسیں، میری ہنسی، میری آنکھوں کی نمی...
سب تیری دی ہوئی ہیں۔
شکریہ میرے اللہ ۔۔

کہ جب میں ٹوٹنے لگی، تو تُو نے سنبھالا۔
جب میں بکھرنے لگی، تو تُو نے اپنے قرب سے جوڑ دیا۔
جب دل نے ہار ماننی چاہی، تو تُو نے امید کی ایک کرن بھیجی۔
...شکریہ ہر لمحے کے لیے
...شکریہ ہر چھوٹے بڑے امتحان کے لیے
،کیونکہ میں جانتی ہوں
،تو میری بہتری چاہتا ہے
تو مجھے اپنے قریب لانا چاہتا ہے۔
...یا اللہ
،تو نے مجھے جو دکھ دیے، ان میں بھی راحت چھپا رکھی تھی
تو نے جو خوشیاں عطا کیں، ان میں بھی سبق چھپا تھا۔
!تو کتنا مہربان ہے، کتنا قریب ہے
،مجھے بس تیری دوستی چاہیے
،تیری رضا چاہیے
تیرا قرب چاہیے۔
،میں جانتی ہوں
جب سب ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، تو تُو ساتھ دیتا ہے۔
،جب دل خالی ہو جاتا ہے
تو تیرا عشق دل کو آباد کرتا ہے۔
...شکریہ میرے اللہ
...ہر سانس، ہر لمحہ، ہر دعا کے لیے
،میں تجھ سے محبت کرتی ہوں
"!میرے سب سے سچے دوست

ہم بہت گناہگار ہیں ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا
فرما، مولا ہم پر اپنا کرم فرما آمین اب اس کی روح تک سکون
پہنچا تھا----
دعا کرنے بعد وہ اٹھی اور نیچے کچن میں آئی جہاں امی مزےدار
کھانا بنانے میں مصروف تھی سلام کرکے امی سے پوچھنے
پوچھنے لگی---
:(سارہ (ہنستے ہوئے
"امی جان! آج تو کچن سے بڑی مزیدار خوشبو آ رہی ہے...
"کیا بنا رہی ہیں؟ کوئی خاص دعوت ہے کیا؟
:(امی (مسکرا کر
"بس بیٹا، تمہیں خوش کرنے کے لیے تمہاری پسند کا پلاؤ اور
"-شامی کباب بنا رہی ہوں
:(سارہ (آنکھیں چمکاتے ہوئے
"واہ امی! پلاؤ تو میری کمزوری ہے... اور شامی کباب کے بغیر تو
جیسے مزہ ہی نہیں آتا۔
بس ساتھ دہی کا رائتہ اور ہلکی سی چٹنی ہو جائے تو کمال ہو
"!جائے
:(امی (ہنستے ہوئے
"سب ہو رہا ہے، رائتہ بھی تیار ہو رہا ہے اور ہری چٹنی بھی۔
بس دعا کرو نمک ٹھیک ہو جائے، تم تو جانتی ہو میں کبھی کبھی
"زیادہ ڈال دیتی ہوں۔
:(سارہ (شرارت سے
"امی نمک زیادہ ہو تو بھی آپ کے ہاتھ کا ذائقہ سب پر بھاری ہے۔
آپ کا بنایا ہوا ہر کھانا ویسے ہی جنت جیسا لگتا ہے۔

"

:(امی (محبت سے
اللہ تمہیں خوش رکھے، بیٹا۔"
"تم خوش رہو، تو کھانا خود مزیدار ہو جاتا ہے۔
:(سارہ (ہنستی ہوئی
اچھا پھر جلدی سے پکائیں، میرا تو ابھی سے صبر ختم ہو رہا"
ہے۔
آج میں پلیٹ بھر کے کھاؤں گ

..

امی اس کے گال کو تھپتھپا کر بولی میری جان اب چلو کھانے کی ٹیبل پر بیٹھو تمھارے بابا آتے ہوں گے ...سارہ آکر کرسی پر بیٹھی تو سامنے بابا کو آتے دیکھ کر انھیں گلے لگ کر سلام کیا۔۔
سب کھانا کھانے لگے تو بابا پوچھنے لگے یونیورسٹی کا پہلا دن کیسا رہا۔بہت اچھا تھا وہاں کا سٹاف بھی بہت اچھا ہے اور سٹوڈنٹیس نے بالکل بھی تنگ نہیں کیا ۔ماشاء اللہ بہت اچھی بات ہے بیٹی اسی طرح محنت کرتی رہو لیکن ایک بات یاد رکھنا کبھی کسی لڑکے سے بات مت کرنا ورنہ تم اپنے باپ دلاور خان کو جانتی ہو وہ سخت لہجے میں کہہ رہے تھے۔۔
سارہ نے نظر اٹھا کر ماں کو دیکھا جو خاموش بیٹھی کھانا کھا" رہی تھیں بابا آپ فکر نا کریں میں آپ کی بیٹی ہوں آپ کی عزت "پر آنچ تک نہیں آنے دوں گی مسکرا کر بولی ۔۔
پلوشہ بیگم ہم کمرے میں جا رہے ہیں ہماری چائے بھیجوا دیجئے گا کہہ کر کمرے میں چلے گئے۔۔جی ہم ابھی لے کر آتے ہیں پلوشہ

جلدی سے کچن میں چائے بنانے لگی جبکہ سارہ وہاں سے اٹھ کر باہر لان میں کرسی پر بیٹھ کر سوچنے لگی ----
ماضی
رات کی سیاہی میں جھیل کا پانی ستاروں کی طرح چمک رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا پشمینہ کے بالوں سے کھیلتی، اس کی سوچوں کو مزید بھٹکا رہی تھی۔ وہ خیام کے ساتھ اس پرانی کشتی میں بیٹھی تھی، جو اب بھی زندگی کی کچھ سانسیں لے رہی تھی۔ ان کے اردگرد خاموشی تھی، مگر دلوں میں کئی طوفان مچل رہے تھے۔
یہ کشمیر ہے..." خیام نے نرمی سے کہا، "جہاں ہر درد، ہر" "خوشی، اور ہر قربانی کا عکس پانی میں جھلکتا ہے۔

پشمینہ نے سر جھکا لیا۔ کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر لفظ اس کے لبوں پر آ کر رک گئے۔

خیام نے اس کی آنکھوں میں جھانکا، جو کسی گہرے راز کی مانند چمک رہی تھیں۔

تمہاری آنکھوں میں ماں کی تصویر نظر آتی ہے۔ تمہیں یاد آتی ہیں" نا وہ؟" خیام کی آواز میں ہمدردی اور محبت تھی۔

پشمینہ کا دل جیسے ایک بار پھر ٹوٹ گیا۔ آنکھوں سے بے آواز آنسو بہنے لگے۔

"ماں... وہ تو بس دعاؤں میں رہ گئیں۔ ان کی گود کی خوشبو، ان کے ہاتھوں کا لمس... سب کچھ کھو گیا۔"

خیام نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھاما۔ "جو ماں دنیا سے چلی جاتی ہے، وہ دل میں بسی رہتی ہے۔ ماں کبھی مرتی نہیں، وہ بس نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے۔"

پشمینہ نے ایک ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ آنکھیں بند کر لیں، جیسے وہ لمحہ بھر کو اپنی ماں کی آغوش میں لوٹ گئی ہو۔ خیام کی باتوں میں عجیب سا سکون تھا، جیسے روح کو مرہم مل گیا ہو۔ کشتی خاموشی سے پانی پر تیرتی رہی،،،،بی بی صاحبہ گھر آگیا ہے ڈرائیور نے کہا تو پشمینہ کی یادوں کا تسلسل ٹوٹا… گاڑی سے اتر کر بنگلے میں اندر آ کر ملازمہ کو بلانے لگی میں اوپر جا رہی ہوں مجھے ایک گلاس جوس کمرے میں پہنچا دیں اور اگر کوئی میرا پوچھے تو کہہ دینا کہ سو رہی ہوں ٹھیک ہے---
،،ملازمہ جلدی سے کمرے میں جوس دے کر نیچے آ گئی
پشمینہ اپنے کمرے میں بیڈ پر تکیے کو گود میں لیئے سوچنے لگی--- امی یادیں کس قدر تکلیف دہ ہوتی ہیں کسی سائے کی طرح ہمارا پیچھا کرنے لگتی ہے کاش آپ مجھے چھوڑ کر نا جاتی تو میں اس قدر اکیلی نا ہوتی----
بابا اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں اور بھائی تو سال میں دو بار مشکل سے گھر چکر لگاتے ہیں ---

"آپ کہیں سے واپس آ جائیں نا آپ کی پشمینہ بہت یاد کرتی ہے آپ کو"___ کہتے ہوئے ماضی کا ایک منظر اُس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا---
منظر:
ملالہ خان کمرے میں پشمینہ کو اپنی گود میں لٹائے خوبصورت لوری سنا رہی تھی کمرے میں روشنی مدھم ہے،
لوری:
سوجا میری پشمینہ رانی
نیندوں کی پَھلکوں پر چمکے کہانی
رب کی رحمت سر پہ رہے
فرشتوں کی ہو تیری نگرانی

چاند ستارے تیرے سنگ ہیں
دعاؤں کے رنگ تیرے انگ ہیں
ماں کی آغوش جنت بنے
ہر پل تیری راہ آسان بنے

نرگس جیسی آنکھوں میں خواب ہوں پیارے
کبھی نہ آئیں دکھوں کے سائے تمہارے
یتیموں کا درد ہو تیرے دل میں
رحمت برسے تیری پلکوں کے پل میں

سو جا میری راج دلاری
رب سے ہو تیری دوستی پیاری

ماں اگر نہ ہو کل کو پاس
تو رب تجھے رکھے اپنے خاص

ملالہ خان:
پشمینہ... میری جان... کبھی سوچا ہے اُن بچوں کے بارے میں جن کی راتیں بغیر ماں کی لوری کے گزرتی ہیں؟ جنہیں سوتے وقت کوئی ماتھا چومنے والا نہیں ہوتا؟
پشمینہ:
(خاموشی سے سر جھکاتے ہوئے)
ہاں اماں، اکثر دل دکھتا ہے اُن کے لیے۔ مگر میں کیا کر سکتی ہوں؟
ملالہ خان:
تو وہی کر سکتی ہے جو میں برسوں سے کرتی آئی ہوں۔ اُن کا درد بانٹ، اُن کے زخموں پر مرہم رکھ مگر بیٹی... صرف روٹی دینا کافی نہیں ہوتا، اُنہیں عزت بھی دینا، اپنائیت دینا، دعا دینا۔
(پشمینہ نے اپنے ننھے ہاتھوں سے ماں کے ہاتھوں کو تھام کر
(نم آنکھوں سے کہا
اماں، اگر آپ نہ رہیں تو کیسے...؟
ملالہ خان:
(نرمی سے مسکراتے ہوئے)
اگر میں چلی بھی گئی... تو تم اکیلی نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ تمھارے ساتھ ہوگا۔ بس، ایک بات یاد رکھنا...
اگر اللہ کو چھوڑ دیا، تو سب کچھ ہار جائے گی۔

اگر even—مگر اگر اُس سے جُڑی رہی، تو سب کچھ پا لے گی
دنیا خالی ہو جائے۔
پشمینہ:
(آنسو پونچھتے ہوئے)
میں کوشش کروں گی امی جان، آپ کے بعد میں اُن یتیم بچوں کی
سہارا بنوں گی۔ اور اپنے رب کی بندگی کبھی نہ چھوڑوں گی۔
ملالہ خان:
(کچھ سوچ کر آنکھیں بند کرتے ہوئے کہنے لگی)
تبھی تو تم میری پیاری بیٹی پشمینہ ہے... میری دعاؤں کی
جگمگاتی کرن اور میں نا رہی تو اپنے بھائی اور بابا جان کا بہت
خیال رکھنا ---
پشمینہ مسکرا کر بولی:
آپ کو کچھ نہیں ہوگا آپ ہمیشہ اپنی پشمینہ کے ساتھ رہیں گی ---
پشمینہ نے جیسے آنکھیں کھولیں :
اب ماں اور بیٹی کا وہ خوبصورت وقت اب صرف یاد بن کر رہ
گیا تھا
لیکن ایک ماں کی آغوش سا سکون اس کے آس پاس پھیلنے ہوئے
اسے نیند کی وادیوں میں لے گیا---
جب آنکھ کھلی تو گھڑی پر رات کے آٹھ بج چکے تھے جلدی سے
ہاتھ منہ دھو کر کپڑے چینج کر کے نیچے آئی تو شہباز خان اسے
دیکھ کر مسکرا کر بازو پھیلائے کھڑے ہو گئے وہ بھاگ کر گلے
ملی----
"I miss you so much papa"
کہہ کر ان کے پاس بیٹھی

"and i miss you too much my angel "
بول کر اس کے ماتھے کو چومنے لگے آؤ بیٹا اب کھانا کھاتے ہیں۔
ڈائنگ ٹیبل پر بیٹھ کر بولی
"papa this not fear! why are you not eating without me??"
آپ کی طبیعت خراب ہو جاتی تو ---
شہباز اپنی پیاری بیٹی کی فکر اور محبت دیکھ کر ہنسنے لگے
کبھی ایسا ہوا ہے کہ اپنی بیٹی کے بنا کھانا کھایا ہو---

______

یہ بہت تکلیف دہ ہے، کہ کسی کو آپ کی گھٹن محسوس نہیں ہوتی حالانکہ آپ سب کے درد میں شریک ہوتے ہیں. اللہ پاک اُنہیں بھی صبر دے

جو چہرے سے مسکراتے ہیں
مگر دل سے ٹوٹے ہوئے ہیں
"محبتوں کی عمریں بہت زیادہ نہیں ہوتیں مگر وہ دلکش لمحے ٹھہر جاتے ہیں، ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں کیا اسے مجھ سے جدا ہونا تھا اگر ہونا ہی تھا تو کیوں آیا تھا میری زندگی میں-----وہ اپنے ماضی کے دردناک لمحوں کی یاد میں گم تھی -----"
(رفاقتوں میں پشیمانیاں تو ہوتی ہیں
کہ دوستوں سے بھی نادانیاں تو ہوتی ہیں
اداسیوں کا سبب کیا کہیں بجُز اس کے
یہ زندگی ہے پریشانیاں تو ہوتی ہیں)
سارہ میری جان تم یہاں ہو میں تمھیں اندر ڈھونڈ رہی تھی پلوشہ بیگم نےکرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا----

بس اندر گھبراہٹ ہو رہی تھی تو سوچا باہر کھلی فضا میں بیٹھ جاتی ہوں ۔۔وہ اداس سی بولی۔۔۔

تم اپنے بابا کی باتوں کو دل پر نا لیا کرو تم جانتی ہوں کہ وہ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں تمھاری بھلائی کے لیے ہے سارہ کیا تم ماضی کو بھول کر آگے نہیں بڑھ س...
[2:29 pm, 18/05/2025] Home Tele: جب سارہ کلاس میں آئی تو پوری کلاس نے پر جوش ہو کر سلام کیا تو وہ حیران ہو گئی وسلام
" sit down everyone"
کہہ کر وہ آگے یونٹ پڑھانے لگی آج وہ مہرون لونگ فراک اور سفید حجاب میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی -----
سارہ نے کتاب بند کر کے کہنے لگی مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ لوگ سٹڈیز پر پوری توجہ دے رہے ہیں اسی طرح محنت کرتے رہیں اور مجھے مایوس نا ہونے دیجیئے گا۔۔۔

میتھ کے علاؤہ بھی آپ زندگی کے بارے سب پوچھ سکتے ہیں اور میں actually" سٹوڈنٹس آج مجھے آپ کی ضرورت ہے ----
ایک خدمت فاؤنڈیشن کا کام کر رہی ہوں جہاں یتیم بچوں کی تعلیم و ضروریات کا سامان مہیا کیا جاتا ہے ---"
اس بارے میں اگر آپ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں تو پوچھ سکتے ہیں

ایک سٹوڈنٹ نے ہاتھ کھڑا کیا۔۔مس سارہ

" جی بولیں

کیا وہاں ان بچوں کا بھی خیال رکھا جاتا ہے جن کے والدین ان کو گھر سے نکال دیتے ہیں یا بھیک مانگنے پر مجبور کرتے ہیں ؟
جی بالکل اس ارادے میں ہر طرح کے بچوں کا خیال کیا جاتا ہے چاہے وہ یتیم ہو یا گھر والوں نے نکال دیا ہو یا کسی مجبوری کے تحت ان کی دیکھ بھال نہیں کر سکے----

اور سب سے اہم بات یہاں ان بچوں کو بھی لایا جاتا ہے جن کے پیدا ہوتے ہی ان کو کوڑے کرکٹ کی جگہ پر رکھ دیا جاتا ہے------
اگر آپ چاہیں تو ہم ساتھ ان بچوں سے ملنے جا سکتے ہیں

ok...is that clear??
"Yes mam and thank you mam about this important information & we are always here for your help "
"کلاس نے خوش ہو کر کہا
"Thanks to you dear students"
سارہ بول کر کلاس روم سے نکل رہی تھی کہ کسی کے بلانے پر اس کے قدم رک گئے
"Excuse me mam...Give me a few minutes plz! "
جی ضرور سارہ مسکرا کر پشمینہ کے ساتھ باہر لان میں آگئی تھی

مس میرا نام پشمینہ ہے اور مجھے آپ بہت اچھی لگتی ہیں میں"
"اس خدمت فاؤنڈیشن کے لیے آپ کی مدد کرنا چاہتی ہوں
"اچھا ماشاءاللہ یہ تو بہت اچھی بات ہے پشمینہ'
اور مس آپ سے ریکوئسٹ ہے کیا آپ کا نمبر مل سکتا ہے بہت"
"سی باتیں ہیں جو میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں..
بالکل آپ نمبر نوٹ کریں اور پھر شکریہ کہہ کر پرنسپل روم کے دروازے پر دستک دی
May I come in sir..
Yes come in and sit down please miss Sara
شہباز خان مسکراتے ہوئے بولے
کہتے ہوئے وہ کرسی پر بیٹھ گئی.."سر آپ Thank you sir
نے بلایا تھا مجھے ----
جی مس سارہ میں آپ کو سٹوڈنٹس کے حوالے سے کچھ بتانا تھا دراصل آپ جانتی ہے کہ اگلے مہینے پیپرز ہونے والے ہیں اور سٹوڈنٹس نے اپنی سٹڈیز پر فوکس نہیں کیا---
" اسی لیئے آپ کو بلایا ہے کہ اب سٹوڈنٹس اور پوری یونیورسٹی کی عزت آپ کے ہاتھ میں ہے آپ کو کئی گناہ زیادہ محنت کرنی ہوگی اور ایک اہم بات آپ کی کلاس کے کچھ سٹوڈنٹس کی شکایت آئی ہے کہ وہ لڑکیوں کو تنگ کرتے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ آپ
"ان کو اپنے طریقے سے سمجھائیں----
جی سر آپ فکر نا کریں پیپرز کے لیئے سٹوڈنٹس تیار ہیں اور ان لڑکوں کو میں دیکھ لوں گی
"Don't worry about it. ....sir now it's my responsibility "

Ok you can go & best of luck...
وہ کمرے سے باہر آکر سوچنے لگی کہ میری کلاس کے لڑکے ایسی حرکتیں کرتے ہیں اور مجھے خبر ہی نہیں ---سوچتی ہوئی گاڑی کو خدمت فاؤنڈیشن کی طرف دوڑاتی ہوئی دو منزلہ عمارت کے سامنے رکی بڑے گیٹ سے گزری تو گارڈ سلام کر کے پیچھے چلنے لگا۔۔

غلام فرید کیا حال ہے اور باقی سب بچے کیسے ہیں
"اللہ کا شکر ہے بی بی صاحبہ سب ٹھیک ہیں اور بچے آپ کو بہت یاد کر رہے تھے کہتے ہوئے دونوں اندر آئے جہاں پچاس کے قریب دو سال سے بیس سال کے بچے اس کو آتے دیکھ کر خوشی سے باری باری اس کے گلے ملنے لگے --"

"کیسے ہیں میرے پیارے بچے بہت یاد کیا آپ سب کو -ان سے ملتے ہی وہ ایموشنل ہو جاتی تھی -"

ہم سب ٹھیک ہے اور ہم نے بھی آپ کو بہت یاد کیا اور آپ کہاں تھی ہم سے ملنے کیوں نہیں آئی

مجھے معاف کر دو بچوں میں یونیورسٹی کی وجہ سے مصروف رہی اور دیکھیں جیسے ہی وقت ملا تو آپ سے ملنے آ گئی اور آپ سب کے لیئے کھلونے اور چوکلیٹس لائی ہوں ---

سب بچے خوش ہو کر کھلونے کے ساتھ کھیلتے ہوئے چاکلیٹ کھانے لگے پھر دوپہر کا کھانا سارہ خان نے بچوں کے ساتھ مل کر کھایا تھا پھر ان سے مل کر الوداع کہا اور جلد آنے کا وعدہ کیا جب وہ گھر پہنچی تو شام ہونے والی تھی اپنے کمرے میں جا کر وہ فریش ہو کر تھوڑی دیر بیڈ پر لیٹ گئی

اگر آپ کے پاس جینے کے لیے کوئی خاص مقصد ہو تو زندگی "
خوبصورت ہو جاتی ہے اور اگر آپ ہار کر بیٹھ گئے ہیں اور
خوبصورت زندگی گزارنے کے خواب دیکھ رہے ہیں تو سب
فضول باتیں ہیں کیونکہ کہ زندگی کا مقصد ڈھونڈنا پڑتا ہے کئی
بار گرنا پڑتا ہے زخم کھانے پڑتے ہیں خود کو ہر حالات کے پیش
نظر تیار کرنا ہوتا ہے
Life is not easy, it has to be made
---@@@---

"باب دو: "سرگوشیِ روح
روح کی وہ پکار جو انسان کو خُدا کے قریب لاتی ہے۔

ادھر پشمینہ کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی ایک
نمبر ملانے لگی
Hello Miss Sara. I am Pashmina!
Say yes, Pashmina, I am listening
کیا میں روز آپ سے بات کر سکتی ہوں دراصل جب سے آپ آئی
ہیں تو میں بس آپ کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں آپ بہت اچھی
ہے‘‘‘
پشمینہ آپ بھی بہت زیادہ اچھی اور خوبصورت ہیں جی ضرور"
بات ہو سکتی ہے مجھے خوشی ہوگی آپ سے بات کرکے اور
"آپکی امی کیسی ہے اور باقی سب؟

مس سارہ میری امی میری پیدائش کے کچھ سال بعد فوت ہو گئی تھی،پشمینہ اداس سی بولنے لگی۔۔
سارہ کو بھی برا لگا تھا
"oh I'm sorry pashmina"
بہت افسوس ہوا سن کر اور باقی کون کون ہے آپ کی فیملی میں؟
" یہاں میں اور میرے بابا جو سارا دن آفس ہوتے ہیں ایک بھائی ہے ان کا نام خیام ہےجو کہ قطر (Qatar) کے ایک Sheraton hotel کے مینیجر ہیں ۔۔لیکن وہ بھی سال میں دو بار آتے ہیں وہ اداس سی بولی رہی تھی"
آپ اداس نا ہو پشمینہ ;میں آپ کے ساتھ ہو کسی بھی قسم کی ضرورت ہو تو آپ مجھے بلا جھجک کہہ سکتی ہے چلیں اب فون رکھتی ہوں اللہ حافظ ۔۔۔
پشمینہ بھی فون بند کرنے کے بعد خود کو ہلکا محسوس کر رہی تھی مس سارہ سے اُسے اپنائیت محسوس ہونے لگی تھی پھِر پیپرز کی تیاری کرنے لگی ۔۔۔۔
سارہ وضو کر کے قرآن کریم کھول کر سورۃ الضحیٰ پڑھنے لگی
(ترجمہ (قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی
(اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے۔)
(نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا ہے اور نہ وہ بیزار ہو گیا ہے۔)
(
وہ مسلسل رو رہی تھی اور پڑھ رہی تھی ایک بوجھ تھا جو ہلکا ہو رہا تھا ۔۔
(اور یقینا آگے آنے والے حالات تمہارے لیے پہلے حالات سے بہتر ہیں۔)

(اور یقین جانو کہ عنقریب تمھارا پروردگار اتنا دے گا کہ تم خوش
(ہو جاؤ گے ۔
بےشک بیشک ۔۔اب وہ آنکھیں بند کیے اپنے رب کی طرف سے
آنے والی خوشخبری کو محسوس کر رہی تھی
(کیا اس نے تجھے یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟
اللہ اکبر۔۔ بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا
(اور آپ کو بے خبر پایا تو ہدایت نہیں دی؟)
(اور آپ کو مال سے محروم پایا تو مال دار کر دیا ؟)
(پس یتیم پر تو بھی سختی نہ کیا کر۔)
(اور جو سوال کرنے والا ہو،اسے جھڑکنا نہیں ۔)
اب وہ قرآن کریم کو بند کیے اپنے رب کی رحمت و نعمتوں کا"
شکر ادا کرنے لگی یا اللہ بےشک تو نے مجھے میری حیثیت سے
زیادہ نواز رکھا ہے یا رب میرے اندر کبھی غرور اور تکبر پیدا نا
"...ہونے دینا آمین
میں نے محبت کی تھی، لیکن اب جان گئی ہوں، سچی محبت"
صرف خُدا سے ہوتی ہے۔ باقی سب عارضی ہیں، دھواں ہیں، مٹی
ہیں۔" اب اس کے دل کو کافی حد تک سکون مل چکا تھا بیڈ پر
لیٹتے ہی سو گئی ۔۔

صبح یونیورسٹی سے آکر سارہ بچوں کے پاس چلی گئی۔آج کا دن
اس نے بچوں کے ساتھ گزارنے کا سوچا تھا تبھی صباء کی کال
آنے لگی ۔۔
:سارہ کار کو سائیڈ پر پارک کرتے ہوئے کال اٹھائی

اسلام علیکم صباء کیسی ہو؟
صباء مسکراتے ہوئے:
الحمدللہ میں ٹھیک ہوں اور تم بتاؤ کیسی ہو،کہاں ہو؟؟
سارہ مسکرا کر بولی:
الحمدللہ میں بھی ٹھیک ہوں اور ابھی بچوں کے پاس جا رہی ہوں کافی دن ہو گئے ہیں بہت یاد آرہے تھے--
صباء خوش ہوتے ہوئے:
سارہ مجھے بھی ساتھ لیتی چلو،،مجھے بھی بچے بہت یاد آتے --
اوکے میں تمھیں گھر سے پک کر لیتی ہوں جلدی سے تیار ہو جاو---سارہ نے کال بند کی اور صباء کو لینے چلی گئی---
عصر کے وقت سارہ اور صباء بچوں کے ساتھ بیٹھیں تھیں۔ کچھ بچے خاموش تھے، کچھ کھیل رہے تھے، اور کچھ دل میں اُلجھے سوالات لیے خاموشی توڑتے ہیں۔
بچہ (اداس لہجے میں):
"آپا جی، کیا اللہ ہم سے ناراض ہے؟ اس لیے تو ہمارے امی ابو ہمیں چھوڑ گئے؟"

صباء (نرمی سے):
"نہیں بیٹا، اللہ کبھی بھی کسی سے ناراض ہو کر اسے یتیم نہیں بناتا۔ کبھی کبھی کچھ آزمائشیں ہمیں مضبوط بنانے کے لیے آتی ہیں۔"

دوسرا بچہ:

"لیکن صباء باجی، سب کے امی ابو ہوتے ہیں، ہمیں تو کوئی بھی
نہیں چاہتا۔ ہم اکیلے کیوں ہیں؟"

سارہ (آنسو چھپاتے ہوئے):
"بیٹا، تم اکیلے نہیں ہو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہیں ہر رات سلا
رہا ہوتا ہے، ہر دن تمہارے لیئے رزق حلال بھیجتا ہے۔ اور ہمیں
بھیجتا ہے، تاکہ تمہیں احساس ہو کہ تم محبت کے قابل ہو۔"

تیسرا بچہ (غصے میں):
"پھر اللہ نے ہمیں ایسا کیوں بنایا؟ کیا ہم کسی سے کم ہیں؟"

صباء (پیار سے):
"تم کسی سے کم نہیں ہو۔ نبی کریم ﷺ بھی یتیم تھے۔ تم وہ ہو جنہیں
اللہ اپنے خاص بندوں میں شامل کرتا ہے، تاکہ تم دوسروں کے لیے
روشنی بنو۔ تمہارے اندر ایک طاقت ہے، جو شاید ابھی تمہیں نظر
نہیں آ رہی۔"

سارہ (بچوں کے ہاتھ تھامتے ہوئے):
"جب دنیا تمہیں چھوڑ دیتی ہے، تب اللہ تمہیں اپنے قریب کر لیتا
ہے۔ ہم سب تمہارے لیے ہیں۔ تمہاری دعائیں، تمہارے خواب، سب
قیمتی ہیں۔"

ایک چھوٹی بچی:
"کیا ہم بھی کسی دن کسی کے لیے اہم ہوں گے؟"

صباء (مسکرا کر):
"تم پہلے سے ہی اہم ہو، ہماری دعاؤں میں، ہمارے دلوں میں، اور
ان سب کے لیے جنہیں تم کل ہمت دو گے۔"

سارہ اور صباء بچوں کو محبت سے دیکھنے لگی:
بچوں کے دلوں میں محبت اور ایک امید تھی جو کہ آگے مستقبل
میں ایک مقام و مرتبہ حاصل کریں گے سارہ کو امیند کی کرن نظر
آنے لگی۔۔۔سارہ کار ڈرائیو کرتے ہوئے خاموش بیٹھی صباء کو
دیکھا جو باہر بارش کو دیکھ رہی تھی---
سارہ فکر کرتے ہوئے بولی:
صباء تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟
صباء اپنی آواز کو ٹھیک کرتے ہوئے:
ہاں بالکل م۔۔میں ٹھیک ہوں چلو اندر آجاؤ ،امی سے مل لو ---
سارہ مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے:
ہاں بالکل ---
سارہ اور صباء گھر داخل ہوئی تو سامنے اسماء لاونچ میں کھڑی
ان کا انتظار کر رہی تھی--
اسلام علیکم امی صباء نے کہا:
وعلیکم السلام بیٹا کہاں تھی مجھے ٹینشن ہو رہی تھی اور سارہ
بیٹی بتاؤ کیسی ہو!!!
امی ہم بچوں سے ملنے گئے تھے کہتے ہوئے صباء اپنے کمرے
میں چلی گئی --
اسماء پریشان سی بولی:

ساره بیٹا کیا ہوا ہے مجھے صباء کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی ؟؟
ساره زبردستی مسکراتے ہوئے:
آپ پریشان نا ہو اس آنٹی ،،وہ بس تھک گئی ہے میں دیکھتی ہوں۔۔کہتے ہوئے صباء کے کمرے میں آئی تو صباء کھڑکی کے پاس بیٹھی ہے، بارش کے قطروں کو دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھوں میں نمی اتر آتی ہے۔
باہر ہلکی ہلکی بارش ہو رہی ہے۔ کمرے میں زرد روشنی جل رہی ہے۔
[ساره، صباء کی حالت دیکھ کر چونک گئی]
ساره (جلدی سے صباء کے پاس بیٹھتے ہوئے):
صباء؟ سب ٹھیک ہے؟ تم کچھ عجیب سی لگ رہی ہو۔
صباء (آواز میں کپکپاہٹ، نظریں جھکی ہوئیں):
بارش کی یہ آواز... مجھے بچپن میں لے جاتی ہے...
جب امی اور ابو چیختے تھے... دروازے بند ہوتے، چیزیں ٹوٹتی تھیں...
اور میں کسی کونے میں چھپ کر رویا کرتی تھی۔
ساره (اس کے قریب آ کر نرمی سے):
صباء... یہ سب یاد کیوں آ رہا ہے؟
کیا کچھ خاص ہوا آج؟
صباء (سانسیں تیز، آنکھیں نم):
نہیں... بس... ایک خیال آیا۔
امی کے الفاظ... جیسے میرے کانوں میں گونجنے لگے...
"تو بدکردار ہے... نحوست ہے تو..."
ساره، کیا تم جانتی ہو؟ میں نے برسوں خود کو برا سمجھا...

جیسے میری پیدائش ہی ایک سزا تھی۔
ساره (اس کا ہاتھ تھام کر، نرم لہجے میں):
صباء، تمہارا وجود سزا نہیں... تم ایک معجزہ ہو۔
تم نے ان زخموں کے ساتھ جینا سیکھا ہے...
یہ تمہاری طاقت ہے، کمزوری نہیں۔
صباء (چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر):
مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی...
کبھی کبھی لگتا ہے جیسے میں واپس اسی گھر میں ہوں...
جہاں ماں کی نگاہوں میں صرف نفرت تھی...
جہاں محبت صرف کتابوں میں پڑھی تھی...

ساره (اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے):
تم ابھی بھی وہاں ہو، صباء... ذہنی طور پر...
لیکن آؤ، آہستہ آہستہ ہم مل کر وہاں سے نکلیں۔
ہر بار جب تمہیں ماضی کا سایہ گھیرے،
خود سے کہو:
"میں اب اُس لڑکی جیسی نہیں ہوں جو تنہا روتی تھی۔
میں اب صباء ہوں — جو جینے کا ہنر سیکھ رہی ہے۔"

صباء (آہستہ آہستہ سانسوں کو بحال کرتے ہوئے):
پر ساره... کیا جو زخم ماں دے... وہ کبھی بھر سکتے ہیں؟

ساره (آنکھوں میں نمی، دل سے):

شاید مکمل نہیں... لیکن ان زخموں سے پھول ضرور اگ سکتے ہیں۔
تم جیسے حساس، سچے لوگ... وہی دوسروں کا درد سمجھتے ہیں۔
تم خود ایک مرہم بن سکتی ہو...
لیکن پہلے، تمہیں خود کو معاف کرنا ہوگا —
ان گناہوں کے لیے جو تم نے کبھی کیے ہی نہیں تھے۔

صباء (سارہ کی طرف دیکھتے ہوئے، پہلی بار ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ):
شاید... شاید اب میں اندھیرے سے تھوڑا کم ڈرتی ہوں۔
شاید کیونکہ تم ساتھ ہو،میری دوست میرے ساتھ ہے...
سارہ (مضبوطی سے):
ہمیشہ ساتھ ہوں گی۔
کیونکہ تم روشنی ہو، صباء۔
اور روشنی کو صرف پہچاننے والے ہی اندھیرے سے نکال سکتے ہیں--
صباء (مسکراتے ہوئے):
تمھیں پتا ہے سارہ زندگی میں کبھی مجھے تمھارے لیے جان بھی دینی پڑی تو گریز نہیں کروں گی کیونکہ تم اور اسماء امی میرے جینے کی وجہ ہو---
سارہ(صباء کو گلے لگاتے ہوئے)
پاگل ہو صباء ،،اللہ تمھیں لمبی زندگی دے اور ہمیشہ خوش رہو ---
اچھا اب میں جاتی ہو امی اور بابا پریشان ہو رہے ہوں گے--

ساره کے جاتے ہی صباء اپنی بے بسی پر رونے لگی --------":کبھی کبھی اپنی کیفیت اپنے دکھوں کو لفظوں میں بیان کرنے کا دل کرتا ہے لیکن وہ لفظ ہی نہیں ملتے جس سے اپنے اندر کے دکھوں کو لفظوں میں بیان کر سکیں اپنی زندگی کے بارے میں بات کر سکیں "آپ کا بس صرف آنسوؤں پر چلتا ہے--

آنسو بھی اللہ کی ایک نعمت ہیں جو کہ انسان کے اندر برپا درد کو) بہا کر کم کر دیتے ہیں کبھی اکیلے میں،کبھی کبھی انسان پتھر بن جاتا کسی کو نا سمجھ سکتا اور نا کبھی کسی کا دکھ محسوس کر (سکتا---

عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر جائے نماز پر بیٹھ کر خود کو جوڑنے لگتی تھی جب اسے لگتا کہ اب درد کم ہوا ہے تو کھڑکی کے پاس کھڑی چائے پینے لگتی پھر امی کے ساتھ کام وغیرہ کروا کر ہیڈ فون لگا کر سورہ یس سننے لگی یہ سورت اس کو بہت پسند تھی کرسی پر آنکھیں بند کیے وہ الگ دنیا میں پہنچ جاتی----

قطر

وہ 18 منزلہ عمارت کے سامنے دریا کے قریب لان میں بھاپ اڑاتی کافی لیئے کاشان کا ویٹ کر رہا تھا جب وہ سامنے سے فارچونر سے نکل کر مسکراتا ہوا آیا اور کرسی پر بیٹھ گیا

Hello bro, how are you

I'm fine, you tell me

I'm fine and tell me what's going on today besides serving delicious food to the guests??

(میں بالکل ٹھیک ہوں اور بتائیں مہمانوں کو مزےدار کھانے
کھلانے کے علاؤہ کیا ہو رہا ہے)
Nothing special. I have called to inform you that I am going to Pakistan for a few days.
(کچھ خاص نہیں ۔تمھیں یہ بتانے کے لیے بلایا ہے کہ میں کچھ
دنوں کے لیے پاکستان جا رہا ہوں)
What but why? He said in surprise.
(کیا لیکن کیوں ؟وہ حیران سے بولا...)
There has been a problem and my people are not able to handle it, so I have to go myself
(ایک مسئلہ ہو گیا میرے لوگ اسے ہینڈل نہیں کر پا رہے اس لیے
مجھے خود جانا پڑ رہا ہے) وہ بنا کسی تاسر کے بولا
You will take care of the hotel until Orrey comes back and I don't want to complain, you fools
(اور میرے آنے تک ہوٹل کو تم سنبھالو گے اور مجھے کوئی
شکایت نہیں آنی چاہیے سمجھ گئے پاگل)۔اپنی مسکراہٹ دبائے
بولنے لگا
Dude, don't call me crazy
(یار مجھے پاگل نہ بولا کرو)وہ غصے سے بولا
Okay, now let's fix our mood and have something to eat

اچھا چلو اپنا موڈ ٹھیک کرو کچھ کھاتے ہیں کیا خیال ہے ؟
Yes, why not and all the food will be your money. Now, order pizza, burgers and juices
(ہاں کیوں نہیں!!!اور سارا کھانا تمھارے پیسوں کا ہوگا چلو اب پیزا،برگر اور جوس آرڈر کرو)وہ غصہ بھول کر ہنسنے لگا وہ اپنے جگری دوست کی رگ رگ سے واقف تھا کھانا کھاتے ہوئے کاشان نے اسے تنگ کرنے کے لیے کہا
Khayyam. Now you should get married, you are such a handsome prince, no girl will deny you.
(خیام ...اب تمھیں شادی کر لینی چاہیے تم خوبصورت شہزادے ہو کوئی لڑکی تمھیں منع نہیں کرے گی) اس کو دیکھنے لگا جو کہ سیاہ رنگ کی پینٹ شرٹ میں دودھیا رنگت ،نیلی آنکھیں ،ہلکی سی شیو اور سر کے بال سیاہ اتنے سلکی کہ زرا سی ہوا سے اڑنے لگتے وہ واقع شہزادہ تھا
You know, I have no interest in girls who die for me and as far as marriage is concerned, I will do it with whoever I like, whom I fall in love with at first sight.
(تم جانتے ہو مجھے ان لڑکیوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے جو مجھ پر مرتی ہے اور جہاں تک شادی کی بات ہے تو وہ میں اس سے کروں گا جو مجھے پسند ہے اور جس کو دیکھتے ہی مجھے عشق ہوا تھا)

Dude you are kidding so big businessman ،What are you talking about being such a big don? and And being a hotel manager talking about love and laughing out loud--
(یار تم مزاق کر رہے ہو نا اتنے بڑے بزنس مین،اتنے بڑے ڈون ہو کر کیا باتیں کر رہے ہو اور ایک ہوٹل کے مینیجر ہو کر عشق کی باتیں کر رہے ہوں اور زور سے ہنسنے لگا) وہ اسے مزاق سمجھ رہا تھا لیکن خیام شاید سنجیدہ تھا اس لیئے اٹھ کر اندر چلا گیا-- کاشان اس کو جانتا تھا جب بھی وہ کسی کو یاد کرتا تھا تو اکیلا رہنا پسند کرتا اور ایک کمرے کے اندر اندھیرے میں بیٹھ کر ڈرنک کرنے لگتا تھا اس کام سے آج تک کاشان بھی اسے نہیں روک سکا تھا ---
May Allah send a girl in his life soon who will teach him to walk on the straight path and fill all his wounds with her love.....
(یا اللہ اس کی زندگی میں جلد ایک ایسی لڑکی بھیج جو اس کو سیدھے راستے پر چلنا سکھائے اور اس کے زخم اپنی محبت سے بھر دے)ایک سرد آہ لے کر گاڑی چلاتے وہاں سے نکل گیا --

---

یادوں کے زخم، مسکراہٹوں کی مرہم

سارہ اپنے کمرے میں بیٹھی اپنے ماضی کے خوبصورت دن یاد کرنے لگی--ایک کھلا میدان، دو چھوٹے بچے — سارہ اور گلریز

— دوڑ رہے ہیں۔ سارہ کے ہاتھ میں لکڑی کی ایک چھوٹی سی
(تلوار ہے، اور گلریز ہنستے ہوئے پیچھے بھاگ رہا ہے۔
گلریز:
"!اوئے شیرنی! ہار مان جا، میں بڑا سپاہی ہوں"
چھوٹی سارہ (ہنستے ہوئے):
"!نہیں! میں کشمیر کی رانی ہوں، مجھے کوئی نہیں ہرا سکتا"
دونوں گھاس میں گرتے ہیں، قہقہے لگاتے ہیں۔ دور پہاڑوں سے)
(پرندوں کی آواز آ رہی ہے۔ نیچے دریا بہہ رہا ہے۔
گلریز (چپ ہو کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے):
"سارہ، اگر کبھی تمھیں کوئی اور مجھ سے چھیننا چاہے تو؟"
سارہ (سنجیدہ ہو کر):
"تو میں لڑوں گی۔ تم میرے ہو، نا؟"
گلریز (ہلکی مسکراہٹ سے):
"ہمیشہ۔"

ساره کی آنکھوں میں نمی تھی اور آسمان کی طرف دیکھنے لگی
(جیسے کوئی جواب مانگ رہی ہو۔

سارہ (دل میں):
"وہ دن، وہ دوستی... سب کچھ مٹی کی طرح پھسل گیا۔ شاید کچھ
زخم بچپن سے ہی لگا دیے جاتے ہیں، جو بڑے ہو کر ناسور بن
جاتے ہیں۔"
آئیں چلتے ہیں کہانی کی شروع میں جہاں زندگی جنت بھی اور
جہنم بھی-----

ماضی

کشمیر کے خوبصورت نیلم یہ آزاد کشمیر کا سب سے بڑا ضلع ہے جس کی سرحدیں گلگت بلتستان اور انڈیا کی جمو کشمیر سے ملاتی ہے ۔نیلم وادی قدرتی حسن سے مالا مال اور جنت نظیر وادی ہے جو کہ انسان کے اندر تک سکون طاری کر دیتی ہے ۔یہ مظفرآباد کے شمال اور شمال مشرق میں دریائے نیلم کے دونوں اطراف واقع ہے ۔وادی نیلم ضلع نیلم پر مشتمل ہے جس کے صدر مقام آٹھمقام ہے اس کی دو تحصیلیں آٹھمقام اور شاردا ہے۔یہ وادی 144 کلو میٹر طویل ہے جو کہ بلندو بالا پہاڑوں،گھنے جنگلات اور خوبصورت باغات پر مشتمل ہے۔۔۔

نیلم وادی میں دریا کے قریب ایک خوبصورت پھولوں اور پودوں سے سجا ہوا گھر تھا جو کہ اسد اللہ خان کا تھا۔۔ جہاں ان کی بیگم زرناب خان اور ان کے دو بیٹے رہتے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام گل خان جو کہ بہت غصے کرنے والا اور احمق انسان تھا جبکہ دوسرا بیٹا دلاور خان جو نرم مزاج اور بہت ذہین تھا ۔۔

دلاور خان یونیورسٹی آف اسلام آباد سے ایم اے انگلش کرنے کے بعد آرمی میں میجر تائینات ہوئے اسلام آباد میں۔۔۔اسداللہ خان کے بڑے بیٹے کی شادی ان کے خاندان میں ہوئی جو کہ بہت چالاک عورت تھی جس کا نام گل بانو تھا ۔۔

معمولی نین نقش کی عورت تھی جبکہ دلاور خان نے اپنے خاندان سے باہر شادی کی جس کا نام پلوشہ تھا جو کہ بہت ہی اچھی اور نیک دل خاتون تھیں۔۔

اسد اللہ خان نے پہلے تو شادی پر اعتراض کیا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کا دل نرم ہو گیا کوئی بھی ماں باپ اپنی اولاد کی خوشی میں شریک کیوں نا ہوں---
گل خان کا ایک ہی بیٹا تھا گلریز خان جو کہ وجیہہ نوجوان تھا اور بچپن سے ہی اپنے چچا چچی سے محبت کرنے والا۔ اسے اپنی ہر بات چچا سے منوانی آتی تھی --اپنے والدین کی نسبت وہ اچھے اخلاق کا مالک تھا --دلاور خان کے ہاں 5 سال تک کوئی اولاد نا ہوئی --
بھائی اور بھابھی کے طعنے ہر وقت ملتے تھے اولاد نا ہونے کی وجہ سے اور کبھی تو ان کو دوسری شادی کرنے کے مشورے دیئے جاتے لیکن دلاور خان اپنی بیوی سے محبت کرتا تھا اس کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کرنی تھیں---
دلاور خان نے صبر کیا -- پھر اللہ نے ان کے صبر کا میٹھا پھل عطا کیا اور نہایت خوبصورت اور عقل مند بیٹی سارہ خان دی جو کہ ہر دل عزیز تھی اپنے دادا اسد اللہ خان کی تو جیسے جان ہی بسی ہو سارہ میں--

ہر وقت اپنے قریب رکھتے اپنی لخت جگر کو ---اسکے سارے نخرے اٹھاتے جب اسکا سکول میں داخلہ لیا تو اسد اللہ خان خود اس کو سکول چھوڑنے جاتے اور سکول سے واپسی پر اس کو چاکلیٹ آئسکریم وغیرہ لے دیتے---ایسے لگتا تھا وہ بس سارہ کے لیئے پوری دنیا خرید سکتے ہیں لیکن کبھی اُس کی آنکھوں میں ایک آنسو تک نہیں آنے دیا ---شاید وہ تقدیر سے بے خبر تھے----
تُو آشنائے شدتِ غم ہو تو کچھ کہوں

کِتنا بڑا عذاب ہے جینا ترے بغیر

پلوشہ بیگم سکول میں ٹیچر تھی جو کہ نیلم وادی میں خود انہوں نے تعمیر کروایا تھا جہاں پر غریب بچوں کو تعلیم دی جاتی تھی وہ بہت ہی اچھی اخلاق کی مالک تھی۔۔
پلوشہ، بچوں کو مفت میں تعلیم دیا کرتی تھی جبکہ گل بانو ان پڑھ تھی جو کہ گھر کے کام بڑی مشکل سے کیا کرتی تھی۔۔
وہ پلوشہ بیگم سے حسد کرتی تھی اور ان کو نیچے دکھانے کی ہر کوشش کرتی تھی وہ جانتی تھی کہ پلوشہ بیگم ہر دل عزیز ہیں کیونکہ وہ بہت زیادہ خوبصورت،عقل مند اور تعلیم یافتہ خاتون تھی۔۔۔
وہ اسلام اباد کے بہت بڑے بزنس مین خاور کی بیٹی تھی ان کے دو بھائی تھے عدنان اور اجمل جو کہ پلوشہ سے بڑے تھے وہ بھی نہایت فرمابردار تھے۔پلوشہ نے ایم اے انگلش کیا ہوا تھا ۔۔ جو کہ اس کی خواہش تھی اس کی زندگی کا ہمیشہ سے یہی مقصد تھا یتیم اور بے گھر لوگوں کی مدد کر سکے اور انہیں تعلیم کے ذریعے شعور دے سکے۔دلاور اور پلوشہ کی ملاقات اسلام اباد کی یونیورسٹی میں ہوئی تھی جو کہ ایک فلاحی ادارے کے ساتھ ایک گاؤں کے دورے پر گئے تھے جہاں پر حالات ناساز تھے جہاں پینے کا صاف پانی نہ تھا اور بچوں کے کپڑے پھٹتے ہوئے تھے اور خوراک کوڑا کرکٹ سے لے کر کھاتے تھے سارے سٹوڈنٹس ان کی حالت دیکھ کر آب دیدہ ہونے لگے انھیں احساس ہونے لگا تھا کہ وہ رزق کی قدر نہیں کرتے ہر روز کتنا کھانا ضائع کرتے اور ہر چیز میں نخرے دیکھاتے ہیں کبھی شکر ادا نہیں کرتے ۔۔۔

آج انھیں احساس ہوا کہ وہ لوگ جنت میں جی رہے ہیں دنیا کی ہر نعمت ان کے پاس موجود ہے لیکن ان لوگوں کی تو بد تر تھیں آج انھوں نے پورے گاؤں کا دورہ کیا اور ان کے مسئلے سنے اور ان کی مدد کرنے کا عہد کر لیا ---
پلوشہ پہلی نظر میں ہی دلاور کو پسند کرنے لگی تھی پھِر دلاور نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد آرمی میں آپلائی کیا اور جلد ہی میجر کی پوسٹ پر تعینات ہوئے اور اپنے وطن کی حفاظت دل و جان سے بڑھ کر کرنے لگا ---
اس دوران کبھی کبھار پلوشہ سے رابطہ ہوتا رہتا اسداللہ خان اور ان کی بیگم بیٹے کی کامیابی پر بہت زیادہ خوش تھے پھر وقت گزرتا گیا اور دلاور نے پلوشہ کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا پھر پلوشہ کے گھر والوں سے ملاقات کے لیے گیا دلاور کو پلوشہ کے گھر والے بہت اچھے لگے تھے لیکن اصل مسئلہ اسداللہ خان کو اس شادی کے لیے رضامند کرنا تھا ---
کیونکہ وہ اپنے باپ کی رضامندی کے بنا کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا جب شام کو دلاور گھر پہنچا تو اپنے باپ کو باغ میں بیٹھا دیکھا تو مسکرا کر ان کے پاس بیٹھ گیا اور ڈرتے ڈرتے کہنے لگا
"بابا مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے "
تو اسداللہ خان بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے
" ہاں بیٹا بولو کیا بات کرنی ہے"
وہ جھجک کر بولا : بابا میں شادی کرنا چاہتا ہوں ایک لڑکی پسند ہے مجھے--
وہ اپنے بیٹے کی بات سن کر حیران ہوئے لیکن خوش بھی ہوئے لیکن ان کو ڈر تھا کہ لڑکی کوئی غیر مذہبی یا چالاک نا ہو جو

گھر کو تباہی کی طرف لے جائے کافی دیر سوچنے کے بعد وہ بولے---

"ٹھیک ہے بیٹا اگر تمھاری یہی مرضی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن پہلے میں لڑکی کے گھر والوں سے ملنا چاہتا ہوں--"

باپ کی بات سن کر دلاور کی جان میں جان آئی تو خوش ہوکر ان کو گلے لگا لیا --

"بابا آپ فکر نا کریں میں آپ کی مرضی کے بنا کوئی کام نہیں کر سکتا اور انشاء اللہ آپ کو وہ سب بہت اچھے لگیں گے--"

تمھاری چھٹیاں کب تک ہے جب دوبارہ واپس آؤ گے تو ان سے ملنے چلیں گے --

جی کل صبح واپس جانا ہے وہ مسکرا کر باپ کو بتانے لگا اور دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ بابا جان مان گئے ---

ان کی والدہ بھی چائے لے کر آ گئی تو کافی دیر ان سے باتیں کرتا رہا اور صبح دوبارہ ڈیوٹی پر واپس جانے کے لیئے سامان پیک کر کے سو گیا---

صبح نماز پڑھنے کے بعد ماں کے سر کو چوم کر ان سے دعائیں لیں باپ کے گلے لگ کر جلد واپس آنے کی یقین دہانی کروائی اور اپنے سفر کی طرف روانہ ہو گیا --

لذتِ انتظار کی سَاعت بھی عَجب ہوتی ہے
دل سینے میں نہیں آنکھوں میں دھڑکتا ہے

اسداللہ خان نے اپنی بیگم کو بلا کر ساری بات بتائی تو وہ دل و جان سے خوش ہوگئی کیونکہ وہ ماں تھی اسے اپنے بیٹے کی خوشی سے بڑھ کر کچھ عزیز نا تھا ..
پھر کچھ مہینوں بعد دلاور اپنے والدین کے ساتھ پلوشہ کے گھر پہنچ گیا گھر اسلام آباد میں واقع تھا جوکہ ایک بنگلہ نما تھا بڑے گیٹ سے اندر داخل ہوں تو دونوں طرف نوکر باغ میں کام کرتے دکھائی دیے پھر اندر دروازے پر خاور صاحب اپنی بیوی اور دونوں بیٹوں کے ساتھ ان کے استقبال میں کھڑے ہوئے تھے--
ان کو آتا دیکھ کر خوشی سے مل کر اندر ہال میں لے گئے گھر کو بہت پیار سے بنایا ہوا تھا ہر چیز چمک دمک رہی تھی دیواروں پر خطاطی کے تصاویر لگائی اور بہت ساری قرآنی آیات تحریر کی گئی تھی کافی دیر گپ شپ کرتے ہوئے ان کی ملاقات پلوشہ سے ہوئی---
تو دلاور کی ماں نے اسے گلے لگا کر ایک سونے کا کنگن اس کے ہاتھ میں پہنا دیا جو کہ بہت خوبصورت تھا اور کہا ہماری طرف سے تو رشتہ پکا سمجھیئے ہم جلد از جلد اپنی بیٹی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں--
ان کی بات پر خاور اور ان کی بیوی بہت خوش ہوئی اور اگلے مہینے ہی شادی کی ڈیٹ فکس کر دی پھر کھانا وغیرہ کھانے کے بعد گھر واپس آئے ..
دلاور نے اپنے والدین کا شکریہ ادا کیا اور ان کو گلے لگا لیا ماں تو آبدیدہ ہوگئیں ..
کتنے جلدی بڑے ہو گئے پتا ہی نہیں چلا اور ان کی شادی بھی ہو رہی ہے ماشاءاللہ اسداللہ خان نے کہا تو سب ہنسنے لگے ---

گل بانو نے اپنے شوہر کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ دیکھو رشتہ ہو گیا اور ہمیں کانوں کان خبر نہ ہو پائی مجھے تو لگتا ہے آپ ان کے سوتیلے بیٹے ہیں جو آپ کو اپنی خوشی میں شریک نہیں کیا۔۔۔

وہ بھی بیوی کی باتوں میں آکر اپنے باپ کے سامنے بولنے لگا ۔پہلے تو انھوں نے اس کی بات کو برداشت کیا لیکن اب وہ حد پار کر رہا تھا تو وہ غصے میں آگئے۔۔

چپ ،خبردار جو اب تم نے اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نکالا ،ہاں میں نے تمہیں رشتے کے بارے میں جان کر نہیں بتایا کیونکہ میں جانتا تھا ۔۔۔

جس طرح ابھی تم اپنی بیوی کی باتوں میں آکر اپنے باپ سے بد تمیزی کر رہے ہو ۔اسی طرح تم ان لوگوں کے سامنے بھی میری عزت کا جنازہ نکالتے اور میں تمہیں کس حق سے بتاتا آج تک تم نے کبھی اپنے بھائی کے ساتھ دو پل گزارے ہیں کیا۔۔۔

اسے کیا چاہیے وہ کیا کرنا چاہتا ہے کبھی پوچھا ہے نہیں ۔۔کیونکہ تم ایک خود غرض انسان ہوں جو کہ صرف اپنی بیوی کے اشاروں پر ناچتا ہے ۔۔۔

اب یہاں سے دفع ہو جاؤ اگر شادی میں شرکت کرنا چاہو تو آجانا اور مجھے کوئی تماشا نہیں چاہیے کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔۔۔پیچھے گل بانو اپنے شوہر کو لے کر اپنے کمرے میں آئی ڈرامے کرنے لگی دیکھا ہے آپ کے والدین کس قدر مجھ سے نفرت کرتے ہیں میں نے کیا کیا ہے ۔۔

جو وہ مجھے قصور وار سمجھتے ہیں پھر زارو قطار رونے لگی
وہ بھی اپنی بیوی کو معصوم سمجھ کر اپنے گھر والوں سے اور نفرت کرنے لگا اسی طرح وقت گزرتا گیا اور شادی کا دن آ گیا۔۔۔
اسداللہ خان کی فرمائش پر شادی نہایت سادگی سے کی گئی اور وہ پلوشہ کو لے کر آ گئے کافی دیر تک رسم کرنے بعد اپنے کمرے میں چلے گئے ۔۔۔
دلاور خان نے پلوشہ کے ساتھ شکرانے کے نوافل ادا کئے اور اس کو اپنے والدین اور سارے گھر کے بارے بتانے لگا وہ بھی بہت اچھی بیوی اور بہو ثابت ہوئی۔۔
شادی کے کچھ دنوں کے بعد ہی دلاور واپس ڈیوٹی پر چلا گیا تو پیچھے پلوشہ نے سارے گھر کو اچھے سے سنبھال لیا اور اپنی ساس کے ساتھ مل کر ہر کام کرتی ۔۔۔
اسداللہ خان پہلے پلوشہ کو خاص پسند نا کرتے تھے وجہ گل بانو تھی کیونکہ ان کو لگا تھا کہ یہ بھی ان کے بیٹے کو ان سے دور کر دے گی لیکن یہ بات غلط ثابت ہوئی اور ان کے دل میں پلوشہ نے بیٹی کا رتبہ حاصل کر لیا۔۔۔

پلوشہ کام سے فارغ ہو کر ان دونوں کے ساتھ کھانا کھاتی کافی دیر ان سے باتیں کرنے کے بعد وہ کمرے میں جاکر اپنے شوہر سے بات کرتی اور پھر نماز پڑھ کر سو جاتی ۔دوسری طرف گل بانو کا بیٹا پیدا ہوا تو اسداللہ اپنی ساری ناراضگی بھول کر ان کی خوشی

میں شریک ہوئے اور اپنے پوتے کے کان میں اذان دی اور ان کا نام گلریز خان بھی انھوں نے رکھا---
وہ بلکل اپنے دادا کی شکل و صورت کا تھا بھورے بال ،سفید رنگت اور عقل مند تھا گل بانو نے پلوشہ کو کہا دیکھا پلوشہ میں ان کی بڑی بہو ہوں اور اب تو ایک وارث کی ماں بھی بن گئی ہوں ---
پلوشہ بھی بہت صبر والی عورت تھی مسکرا کر کہنے لگی جب میرا اللہ چاہے گا انشاء اللہ ہمیں بھی اولاد عطا کرے گا ۔گل بانو اس کو چاہے جتنے طنز کرتی جتنی باتیں سناتی وہ اپنے شوہر یا کسی کو نا بتاتی لیکن دلاور کو ان کے چہرے سے اندازہ ہو جاتا تھا کیونکہ وہ اپنے بھائی اور بھابھی کو بہت اچھی طرح جانتے تھے--- لیکن اپنے باپ کے ڈر سے کچھ نا کہتے آخرکار ان کی آزمائش ختم ہوئی اور شادی کے پانچ سال بعد ان کے ہاں ایک شہزادی جیسی بیٹی پیدا ہوئی وہ بلکل اپنی ماں پلوشہ کی طرح تھی خوبصورت ،عقل مند،ہوشیار ---
اپنی پوتی کا نام بھی اسداللہ خان نے خود رکھا" سارہ خان" جو کہ ان کی آنکھوں کا نور تھی-- سارہ اپنے والدین سے زیادہ اپنے دادا دادی کے پاس رہتی تھی --دلاور اور پلوشہ بھی بہت خوش تھے اللہ نے ان کو شہزادی دی تھی--
جس میں پورے گھر والوں کی جان بسی تھی اسد اللہ نے سارہ کے دس سال کی ہونے پر اپنے حصے کی جائیداد سارہ کے نام کر دی جوکہ گل بانو کو ہضم نا ہوئی --

تو انھوں نے اپنے شوہر کو کہا کیوں نا ہم سارہ کا رشتہ اپنے بیٹے گلریز کے لیے مانگ لیں اس طرح اس کی ساری جائیداد ہمارے نام ہوگی اور وہ ہماری مٹھی میں رہے گی---

پھر یہی بات انھوں نے اسداللہ خان سے جاکر کی تو وہ پہلے پریشان ہو گئے لیکن وہ اس بات پر خوش تھے کہ سارہ ہمیشہ ان کے سامنے رہے گی اور گلریز بھی ان کو بہت پیار ہے لیکن پلوشہ اور دلاور اس رشتے سے خوش نا تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ کسی مقصد کے تحت ہی رشتہ مانگ رہے ہیں---

لیکن اسداللہ کے فیصلے پر خاموش رہے --

ایک کھلا میدان، دو چھوٹے بچے — سارہ اور گلریز — دوڑ رہے ہیں۔ سارہ کے ہاتھ میں لکڑی کی ایک چھوٹی سی تلوار ہے، اور (گلریز ہنستے ہوئے پیچھے بھاگ رہا ہے۔

گلریز:

"اوئے شیرنی! ہار مان جا، میں بڑا سپاہی ہوں!"

چھوٹی سارہ (ہنستے ہوئے):

"نہیں! میں کشمیر کی رانی ہوں، مجھے کوئی نہیں ہرا سکتا!"

دونوں گھاس میں گرتے ہیں، قہقہے لگاتے ہیں۔ دور پہاڑوں سے) (پرندوں کی آواز آ رہی ہے۔ نیچے دریا بہہ رہا ہے۔

گلریز (چپ ہو کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے):

"سارہ، اگر کبھی تمھیں کوئی اور مجھ سے چھیننا چاہے تو؟"

سارہ (سنجیدہ ہو کر):

"تو میں لڑوں گی۔ تم میرے ہو، نا؟"

گلریز (ہلکی مسکراہٹ سے):

"ہمیشہ۔"

ساره سب سے زیادہ اعتماد کرنے لگی تھی گلریز پر ---
اسی طرح ساره نے میٹرک کی تعلیم مکمل کرنے بعد وہ اسلام آباد میں پڑھنا چاہتی تھی لیکن گل بانو نے منع کر دیا کہ کیا ضرورت ہے اس کو پڑھنے کی کونسے تیر مار لے گی---
لیکن گلریز نے ساره کا ساتھ دیا اور دادا سے بھی اس کی تعلیم کے سلسلے میں بات کرنے گیا۔۔
دادا جان چارپائی پر بیٹھے تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ گلریز خاموشی) (سے اندر آیا، مودبانہ انداز میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا
گلریز:
دادا جان، اگر اجازت ہو تو ایک بات عرض کروں؟
دادا جان (تسبیح روکتے ہوئے):
ہوں، بول خان، کیا بات ہے؟
گلریز (ذرا جھجکتے ہوئے):
وہ... ساره کی بات ہے۔ اُس نے اسلام آباد یونیورسٹی میں داخلہ لینا چاہتی ہے... بس اب اجازت کا معاملہ ہے۔

دادا جان (سخت لہجے میں):
اسلام آباد؟ اتنی دور؟ لڑکی ذات کو شہروں میں پڑھانا آسان نہیں، گلریز خان---
وہاں کا ماحول، وہاں کے لوگ... سب بدل جاتے ہیں۔
گلریز:
جی دادا جان، مگر ساره بچپن سے محنتی رہی ہے۔ اُس کا خواب ہے کچھ بننے کا، کچھ کرنے کا۔

اور ہم کیوں نہ اُس پر بھروسا کریں؟ وہ آپ کی عزت رکھے گی، جیسا آپ نے ہمیں سکھایا ہے۔
دادا جان (خاموشی سے گلریز کو دیکھتے ہیں، پھر گہری سانس لیتے ہیں):
تو تُو اُس کے ساتھ ہے؟
گلریز:
ہمیشہ، دادا جان۔
اگر آپ کی اجازت ہو، تو میں خود اُسے لے کر جاؤں گا، وہاں داخلہ کرواؤں گا۔ ہر قدم پر اُس کا ساتھ دوں گا۔

دادا جان (کچھ لمحے خاموش رہ کر تسبیح پھر سے گھمانے لگے):
ٹھیک ہے۔
جاؤ، اگر سارہ واقعی پڑھنا چاہتی ہے تو اللہ اُس کا حافظ
لیکن یاد رکھنا، خان خاندان کی عزت تم دونوں کے ہاتھ میں ہو گی۔۔
(گلریز (دادا کے ہاتھ چومتے ہوئے
گلریز (سر جھکا کر):
جی دادا جان۔ ہم کبھی شرمندہ نہیں کریں گے۔۔بہت شکریہ دادا جان کہہ کر جلدی سے سارہ کے پاس آیا اور اسے خوشخبری سنائی
۔۔۔ایک ہفتے بعد سارہ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے یونیورسٹی جانے سے ایک دن پہلے دادا کے کمرے میں آئی ۔۔۔
دادا جان چارپائی پر بیٹھے ہیں، آنکھوں پر عینک، ہاتھ میں قرآن) مجید۔ سارہ چپ چاپ اپنے دوپٹے کو سنبھالتی ہوئی اندر آئی اور (ادب سے ان کے قریب بیٹھ گئی۔۔

ساره (نرمی سے):
دادا جان... میں آپ سے اجازت لینے آئی ہوں۔

دادا جان (چشمہ اتار کر ساره کو دیکھتے ہیں):
پتا ہے مجھے... کل کا دن ہے نا؟ تمہاری روانگی کا۔

ساره (مسکراتے ہوئے، مگر آواز میں ہلکی لرزش):
جی... دل تو نہیں چاہ رہا دادا جان، لیکن خواب بڑے ہو جائیں تو
گھر کی دیواریں چھوٹی لگنے لگتی ہیں۔

دادا جان (گہری سانس لیتے ہوئے):
یہی تو ڈر ہے مجھے، شہزادی... کہ شہر کی چمک کہیں تمہارے
اندر کی روشنی کو مدھم نہ کر دے۔

ساره:
دادا جان... آپ ہی تو کہتے تھے، علم روشنی ہے۔
میں کوئی چمک کے پیچھے نہیں جا رہی... میں روشنی تلاش
کرنے جا رہی ہوں، اپنی پہچان کی۔

دادا جان (سر ہلاتے ہوئے، تھوڑا نرم ہو کر):
بس شہزادی... اپنا دامن بچا کے رکھنا۔
وہ دنیا بہت تیز ہے... وہاں نہ تمہارے جیسا دل ملے گا، نہ تمہاری
جیسی معصومیت سمجھی جائے گی۔

سارہ (دادا کا ہاتھ تھام کر):
میرا دل تو آپ کی دعاؤں سے جڑا ہے دادا جان۔
اگر آپ نے دعا دی، تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے نہ بدل سکے گی۔
دادا جان (آنکھوں میں نمی، ہاتھ سارہ کے سر پر رکھتے ہیں):
اللہ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔
عزت، حیاء، اور حوصلہ... تینوں سنبھال کر رکھنا۔
اور کبھی دل تھک جائے نا، تو اپنے دادا کو کال کر دینا۔
سارہ (مسکراتے ہوئے، مگر آنکھیں نم):
وعدہ... میں روز دعا مانگوں گی، اور کبھی آپ کو مایوس نہیں کروں گی---
اگلی صبح سب گھر والوں سے ملنے کے بعد گلریز کے ساتھ یونیورسٹی پہنچی --
(گلریز(اداس سا بولا
سارہ: مجھے مت بھولنا اور اپنے ہر خواب کو حقیقت میں بدلنا--اللہ حافظ
تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں ،گلریز--اللہ حافظ کہہ کر اندر داخل ہوئی..تو وہاں ہر طرف لڑکے لڑکیاں تھے یونیورسٹی بہت بڑی اور صاف کی سارہ جلدی سے لیکچر لے کر فری ہوئی تو باہر لان میں آ بیٹھی--
اسلام آباد یونیورسٹی کا لان، ہریالی سے گھرا ہوا ایک خوبصورت منظر۔ دھوپ ہلکی سی اور درختوں کے سائے میں طلبہ بیٹھے ہوئے تھے۔ سارہ ایک بینچ پر بیٹھی کتاب پڑھ رہی ہے۔ ایک لڑکی پاس سے گزرتی اور واپس پلٹ کر رک گئی--جہاں ایک پیاری سی

لڑکی ،گلابی شلوار قمیض اور سیاہ کڑاہی والی چادر سلیکے سے
سر پر کیئے پڑھنے میں مصروف تھی۔۔
صباء: (مسکراتے ہوئے) کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟
سارہ: (نظر اٹھا کر) جی ہاں، ضرور۔ یہ جگہ سب کی ہے۔

لڑکی: آپ پہلی بار نظر آ رہی ہیں۔ کیا آپ فرسٹ ایئر میں ہیں؟
،سارہ: جی ہاں، میرا پہلا دن ہے یہاں۔ میں سارہ ہوں
صباء: اوہ واہ! خوش آمدید، سارہ۔ میں صباء ہوں، سیکنڈ ایئر میں
ہوں، اسی ڈیپارٹمنٹ سے۔

سارہ: اچھا ہوا آپ سے ملاقات ہو گئی، ورنہ مجھے لگا تھا کہ یہ
جگہ بہت اجنبی لگے گی۔
صباء: کوئی بات نہیں، ہم سب نے یہی محسوس کیا تھا پہلے دن۔
آہستہ آہستہ سب اپنا لگنے لگتا ہے۔

سارہ: آپ کو یونیورسٹی کی کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟
صباء: یہاں کا ماحول! کھلی فضا، اچھے لوگ، اور سب سے بڑھ
کر... یہاں خوابوں کو جینے کا موقع ملتا ہے۔

سارہ: (مسکرا کر) آپ کی باتوں سے لگتا ہے کہ ہم جلدی دوست بن
سکتے ہیں۔
صباء: کیوں نہیں! دوستی تو اسی طرح شروع ہوتی ہے۔ چلیں، آپ
کو کیمپس کا چھوٹا سا ٹور دوں؟

سارہ: ضرور! مجھے خوشی ہوگی۔

(دونوں ہنستے ہوئے اٹھتی ہیں اور ساتھ چلنے لگتی ہیں۔)

اسی طرح سارہ اور صباء کی دوستی کی شروعات ہوئی ۔ایک لازوال دوستی کی داستان ۔۔۔
سارہ کے بابا کے دوست کی بیٹی کی شادی ہوئی تو سارہ مجبوراً کشمیر واپس جانا پڑا۔۔رات کو تیار ہو کر سارہ کچھ لڑکیوں سے باتیں کر رہی تھی کہ اچانک اسے کسی کی نظروں کی تپش خود پر محسوس ہوئی۔ایک خوبصورت لڑکا دودھیا رنگت ،عنابی ہونٹ اور نیلی آنکھیں اور سیاہ ریشمی بال ،بلیک شلوار قمیض میں کوئی شہزادہ لگ رہا تھا ۔۔جو مسکرا کر سارہ کو دیکھ رہا تھا۔سارہ کی گھنی پلکیں،گلابی مسکراتے ہوئے ہونٹ ،ہلکا سا میک اپ اور سفید حجاب وہ آج بھی شہزادی لگ رہی تھی۔جو کسی کے دل کی دھڑکنیں اچانک بے ترتیب کر گئی ۔۔۔جب سارہ نے اسے غصے سے دیکھا تو وہ مسکرا کر واپس پلٹ گیا۔۔سارہ جلدی سے وہاں سے اپنی امی کے پاس چلی گئی۔
امی گھر چلتے کافی تھک گئی ہوں ۔۔سارہ نے کہا تو پلوشہ اور دلاور اپنے دوست خدا حافظ کہہ کر گھر کے لیئے نکل پڑے۔۔۔کچھ دنوں میں سارہ اس رات کا منظر بھول کر اپنی زندگی میں مصروف ہو گئی۔۔۔
ایم اے کرنے بعد سارہ اپنے گھر میں ہی بچوں کو ٹیوشن پڑھانے لگی صباء اور سارہ کی دوستی ویسے ہی تھی مل تو نہیں سکتے

تھے لیکن ہر روز کال پر گھنٹوں باتیں کرتیں ---سارہ نے صباء کو اپنی زندگی کی ہر بتائی اور صباء نے بھی اپنی اپنا بھیانک ماضی اسے بتا دیا جسے سننے کے بعد سارہ کافی افسردہ ہوئی اور ہمت دی کہ وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گی----

سارہ جانتی تھی کہ اس کا رشتہ گلریز سے بچپن میں ہو گیا تھا تو اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا شاید وجہ گلریز تھا--

وہ جانتی تھی کہ وہ اچھا انسان ہے اسے ہمیشہ خوش رکھے گا--

لیکن جب گل بانو کو پتا چلا کہ اس کی بھانجی نے باہر سے تعلیم حاصل کی ہے اور کافی امیر ہے تو اس نے اپنے شوہر اور بیٹے کو وہاں رشتہ کرنے کے لیے مجبور کیا--

گلریز اس کے لیے نہیں مان رہا تھا لیکن گل بانو نے اپنے مرنے کی دھمکی دی تو وہ بھی مان گیا اور دلاور وغیرہ کو بتائے بنا گلریز کا وہاں نکاح کر دیا اور یہ بات کہاں چھپ سکتی تھی --- کچھ عرصہ میں یہ بات دلاور کو پتا لگی تو اس نے سارہ کا رشتہ توڑ دیا اسداللہ بھی اپنے بیٹے سے ناراض تھے -پھر دلاور نے اپنے باپ سے کہا کہ وہ اسلام آباد میں رہنا چاہتا ہے کیونکہ اگر یہاں رہے تو سارہ اور زیادہ ڈپریشن میں مبتلا ہو جائے گی -- کیونکہ وہ گلریز کو پسند کرنے لگی تھی تو اس بات کو قبول کرنا اس کے لیے مشکل تھا وہ بہت بری طرح ٹوٹ گئی تھی سارہ ہر رشتے سے دور ہونے لگی اور اپنے بابا دلاور سے کہہ کر 24 سال کی عمر میں اسلام آباد شفٹ ہو گئی اس کے لیے اس بات کو مان لینا مشکل تھا.....

لیکن اسکی ماں اسے کہتی تھی یہ نا ممکن نہیں تھا "" زبردستی کی نزدیکیوں سے سکون کی دوریاں بہتر ہیں ۔لہذا خود کو عزت دیں لوگ جائیں بھاڑ میں---""

اپنا خیال رکھیں اپنی قدر کریں۔کچھ لوگ نہیں ہماری وفاؤں کے قابل خود کو دوسروں کے لیے ختم نا کریں ۔یہاں لوگ منٹوں میں سالوں کے تعلقات توڑ دیتے ہیں ۔

سارہ نے اپنے والدین کے ساتھ مل کر یتیم بچوں کے لیے گھر بنایا اور اس طرح خود کو پرانی یادوں کی اذیت سے دور کرنے کی کوشش کرنے لگی کیوں کہ اس نے بچپن سے ہی صرف اور صرف گلریز کو اپنا دوست اور ہمسفر مانا تھا اور آج وہی انسان اس کو دھوکا دے کر چلا گیا ہے----

سارہ کس طرح اس پر یقین کرتی تھی وہ اس کو اپنا محسن سمجھ رہی تھی لیکن آج وہی چند پیسوں کی خاطر بک گیا تھا ----

کیا اتنا آسان ہوتا ہے اتنے سالوں کے رشتے کو دفنا دینا شاید نہیں" "وہ کبھی نہیں بھول پائے گی اس میں اتنی ہمت نہیں رہی ---

وہ اپنے دادا سے بھی دور ہو گئی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ دادا کو سب پتا تھا کہ گل بانو اچھی عورت نہیں ہے وہ سارہ کا گھر کبھی بسنے نا دیتی پھر بھی سب جانتے ہوئے اسے اندھیرے کنویں میں پھینک دیا اور جب وہ یہ سب قبول کر چکی تھی تو زندگی نے اس کا تماشا بنا ڈالا --

کیا واقعی زندگی اسی کا نام ہے ؟؟ لوگ آپ کو آپ کی مخلصی سمیت بیچ کر کھا جاتے ہیں۔وہ ہر روز بچوں کے ساتھ بیٹھ کر گھنٹوں باتیں کرتی انھیں کہانیاں سناتی اور کبھی کبھی ان کے ساتھ کھیلنے لگ جاتی وہ بالکل بچوں کے ساتھ بچہ بن جاتی تھی ---

اس کے والدین کافی حد تک پر سکون تھے کہ ان کی بیٹی اپنی زندگی کی طرف واپس لوٹ رہی ہے لیکن وہ شاید اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کی بیٹی ان کی خوشی کی خاطر سب کر رہی ہے ورنہ بھولی کچھ بھی نہیں ہے ---
حقیقت کا اگر افسانہ بن جائے تو کیا کیجئے،دل لیجئے اور توڑ دیجئے۔

خیام اندھیرے میں کرسی پر بیٹھا اپنی ڈائری میں عربی میں شعر لکھ رہا تھا جو کہ 7 سال پہلے اس شہزادی کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد سے اپنے ہوش کھو بیٹھا تھا
اي والله مشتااقلك ياالحبيبي
(قسم سے میرے محبوب تمہیں یاد کرتا ہوں)
اي والله محتااجلك
(قسم سے تمھاری ضرورت ہے مجھے)
من صعب اعيش بدوونك اني
(تمھارے بغیر جینا بہت مشکل ہے)
بعمري مااحب بشر تاانييي
(میں تمھارے بغیر کسی دوسرے سے محبت نہیں کر سکتا)
اس رات جب وہ اپنے والد کے ساتھ خاندان کی شادی میں گیا تھا جب وہ سامنے بہت ساری لڑکیوں کے ساتھ مسکرا رہی تھی وہ منظر ایسا تھا کہ وہ نا چاہتے ہوئے بھی کافی دیر اسکو مسکراتے دیکھتا رہا ایسے لگ رہا تھا جیسے کہ چاند زمین پر آ گیا ہو وہ اپنی دنیا میں مگن تھی اپنے اوپر کسی کی نظروں کی تپش محسوس کر کے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا جہاں سامنے ایک شہزادہ

اسے دیکھ کر مسکرا کے باہر چلا گیا لیکن اس کو ہمیشہ کے لیے اپنی آنکھوں میں قید کر گیا ..
دووم احلم بيك يا ااعمري
(میں نے ہمیشہ تمھارے خواب دیکھے ہیں او میری زندگی)
متعذب اني
(میں اذیت میں ہوں)
الله يخليك ايش بيك
(خدا آپ کو سلامت رکھے)
شا ايف كبر ها اد الكوون
(میں دیکھ رہا ہوں یہ کائنات کتنی بڑی ہے)
صرت انسا أاه جنبك
(جسے میں بھول گیا ہوں)
پھر لکھتے ہوئے اس کے خیالوں میں کھو کر سو گیا ..

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو کاشان اس کا بخار چیک کر رہا تھا ..
خیام تمھیں تو بہت تیز بخار ہے ابھی اٹھو اور ڈاکٹر کے پاس چلو اسے بستر سے اٹھاتے ہوئے کہنے لگا..
کاشان میں ٹھیک ہوں کچھ نہیں ہوا اور بخار کی دوائی میرے پاس ہے ابھی لوں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا،،، خیام کپڑے اٹھا کر فریش ہونے کے لیے چلا گیا ...
کاشان اپنے اور اس کے لیئے ناشتہ بنانے لگا اور ساتھ میں خیام کے لیے دوائی نکال لی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنا خیال بلکل نہیں رکھتا

Man kashan I'm fine you're so upset
(یار کاشان میں بالکل ٹھیک ہوں تم ایسے ہی پریشان ہو گئے ہو)
Drink this tea and you won't do any work today...
(یہ لو چائے پیوں اور آج تم کوئی کام نہیں کرو گے...)
Well today I have to go back to Pakistan
(اچھا آج میں نے پاکستان واپس جانا ہے)
And when I come back everything should fit perfectly and no one in the hotel should have any complaints...
(اور جب میں واپس آؤ تو ہر چیز بالکل فٹ ہونی چاہیے اور ہوٹل
میں کسی کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے --)
خیام چائے کا کپ لیتے ہوئے اسے بتانے لگا اور چائے پینے لگا
وہ چائے ختم کرکے خیام کے پاس صوفے پر بیٹھ کر اس کے
کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگا
Khayyam have you been missing this girl at night?
(خیام کیا تم رات کو اس لڑکی کو یاد کرتے رہے ہو؟)
(خیام نے سر ہاں میں ہلایا
Man you know that seven years have passed ,now leave all this and Marry another girl ....
(یار تم جانتے ہو اس بات کو سات سال گزر گئے ہیں اب چھوڑ دو
یہ سب کسی اور لڑکی سے شادی کر لو----)

Kashan, you know ,I can't think of anyone else..
(کاشان تم جانتے ہو میں اس کے علاؤہ کسی کا سوچ بھی نہیں سکتا
)
O brother,settle down now, we have seen every house in Kashmir for seven years ,but that girl is nowhere to be found ...
(او بھائی اب بس کر دو اس بات کو،، ہم سات سال سے کشمیر کا
ایک ایک گھر دیکھ چکے ہیں لیکن وہ لڑکی کہیں نہیں ملی۔۔)
What is seven years ?I can look for it all my life...
(یہ سات سال کیا ہے ؟میں پوری زندگی اس کو ڈھونڈ سکتا ہوں۔۔)
And I am sure I will get it
(اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے ضرور ملے گی ۔۔)
کہہ کر مسکرانے لگا اور کاشان کو حکم دیا
Well now don't waste my time and go pack my stuff...
(اچھا اب میرا وقت ضائع نہ کرو اور جاؤ میرا سامان پیک کرو ۔۔)
Man,it is good that you should go to Pakistan and pack your stuff
(یار یہ اچھی بات ہے کہ پاکستان تو جائے اور سامان تیرا میں پیک
کرو..)
کاشان منہ بنا کر اسکا سامان پیک کرنے چلا گیا ۔۔۔

پیچھے خیام اس کے بچوں کی طرح منہ بنانے پر ہنس کر باہر چلا گیا کیونکہ پاکستان جانے سے پہلے اس نے ایک ضروری کام کرنا تھا جس کی اطلاع اکبر نے کل رات دی تھی۔۔۔کچھ دیر میں خیام ایک آفس کے باہر تھا ،،چہرے پر ماسک لگا کر اندر چلا گیا جہاں ایک بڑی قد کا آدمی تھری پیس سوٹ پہنے فون پر کسی سے بات کر رہا تھا اور وہ نیا مال کب لا رہے ہو پاکستان سے ۔۔۔ہاہاہاہا۔۔۔اس نے گلے میں سونے کی موٹی دو چین پہنی ہوئی تھی جب اس کی نظر خیام پر پڑی تو اس کے ہاتھ سے فون گر گیا اور وہ اٹھ کر پیچھے دیوار کے ساتھ لگ کر کانپ کر کہنے لگا ۔۔پھر دونوں فارسی میں بات کرنے لگے۔۔۔

اومدی اینجا؟چطور جرات کردی؟

(تت۔تم یہاں کیسے آئے تمھاری ہمت کیسے ہوئی)

من برای آمدن اینجا نیازی به اجازه شما و شخص دیگری ندارم، او شروع به حرکت به سمت او کرد

مجھے یہاں آنے کے لیے تمھاری یا کسی اور کی اجازت کی) (ضرورت نہیں ہے کہتے ہوئے اس کی طرف بڑھنے لگا۔۔۔۔

راستی شما خیلی دوست ندارید آبروی مادر و دختر دیگران را غارت کنید و خانواده آنها را تحقیر کنید؟

ویسے تمھیں بہت شوق ہے نا دوسروں کی ماں بیٹیوں کی عزت) لوٹنے کا اور ان کے گھر والوں کو زلیل کرنے کا ۔۔۔آج میں تمھیں بتاؤں گا تکلیف کیا ہوتی وہ تکلیف جو تمھاری وجہ سے کتنی لڑکیوں کو اور ان کے گھر والوں کو ہوئی ہے)وہ اس کی گردن پر چاقو رکھ کر کہنے لگا

من کاری نکردم و به هر حال راحت حرف میزنیم kk دادیخو

میں نے کچھ نہیں کیا اور ویسے بھی ہم آرام سے بات kk ددیکھو)
کر سکتے ہیں...)موت کا خوف اس کے چہرے پر نظر آ رہا تھا
لیکن خیام کو سکون نہیں مل رہا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے ان
لڑکیوں کے چہرے نظر آ رہے تھے جن کو زیادتی کے بعد مار کر
کوڑا کرکٹ میں پھینک دیا گیا تھا اور ان کے گھر والوں کو ڈرا
دھمکا کر چپ کروا دیا تھا.....
پھر اس نے موبائل کا کیمرہ آن کر کے وڈیو پر لگا دیا اور چاقو
کے ساتھ پہلے اس کی زبان کاٹ کر میز پر رکھ دی پھر دونوں
آنکھیں نکال کر گلا کاٹ کر باہر نکل گیا اور اس وڈیو کو نیٹ پر
اپلوڈ کرکے ان لوگ کے نام کیا جن کی بیٹیوں کی زندگی اس
درندے کی وجہ سے برباد ہوئی اور واپس گھر آ گیا...
جہاں کاشان اس کا سامان پیک کر کے جا چکا تھا پھر اکبر کو کال
کرنے لگا..

Hello sir, the owner of this building is a girl, her name is Sara Khan.

ہیلو سر ،اس بلڈنگ کی مالک ایک عورت ہے ان کا نام سارہ خان)
ہے(

Say, I am listening, so what did she say?

ہاں بولو میں سن رہا ہوں ،پھر اس نے کیا کہا)

Khayyam Sir "Miss Sara has turned away from the building And they have threatened us that they will kill us if we come here in the future!!!

(خیام سر ،مس سارہ نے ہمیں بلڈنگ سے نکال دیا ہے اور ہمیں دھمکی دی کہ وہ ہمیں جان سے مار دیں گی اگر ہم دوبارہ یہاں آئے---(

Now tell us what we have to do? Sir

(سر--اب آپ ہمیں بتائیں کہ کیا کرنا ہے)

You guys get out of here, ok---I'm coming for a few days so I'll handle it all myself ok

(تم لوگ وہاں سے نکل جاؤ، میں کچھ دنوں تک آرہا ہوں تو خود سنبھال لوں گا ٹھیک ہے(

ok sir

پھر وہ فریش ہو کر کپڑے چینج کر کے کچن میں کھانا بنانے لگا....

اس وقت سارہ،،مس صباء کے ساتھ سٹاف روم میں بیٹھی کہیں سوچوں میں گم تھی ۔مس سارہ کیا آپ میری بات سن رہی ہیں صباء نے اس کے بازو کو ہلا کر کہا جو کہ کافی دیر سے ان سے پیپرز کے بارے میں ڈسکس کر رہی تھی لیکن سارہ کب سے کہیں گم بیٹھی ہوئی تھی ---

جی کچھ نہیں آپ کیا کہہ رہی تھی صباء وہ خود کو کمپوز کرتے ہوئے پوچھنے لگی ---

سارہ کوئی مسئلہ ہے تو آپ مجھے بتا سکتی ہے آپ جانتی ہے ہم اچھی دوست بھی ہیں چہرے پر مسکراہٹ بکھیرے کہنے لگی--

بس کچھ دوستوں کی بہت یاد آ رہی ہے آپ کو پتہ میرے اپنے ماموں کی بیٹیوں کے ساتھ بہت بنتی ہے ہماری زیادہ تر وقت ساتھ گزرا ہے ہم کھانا ساتھ کھاتے تھے ،باہر گھومنے ساتھ جاتے تھے پھر رات کو دیر تک بیٹھے باتیں کرتے اور پاگلوں کی طرح ہنستے تھے ہم نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی ہمیں اس قدر دور کر دے گی---- سارہ مایوسی سی بتانے لگی--

صباء نے سارہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کو تسلی دینے لگی---

آپ پریشان نا ہوں انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا آپ صحیح کہتی ہیں دوستی بہت انمول تحفہ ہوتی ہے چاہے آپ دور کیوں نا ہوں ایک دوسرے کا دکھ سکھ محسوس کر سکتے ہیں --چلیں اب موڈ ٹھیک کریں میں نے چائے منگوائی ہے ساتھ پیتے ہیں

سارہ اب کافی بہتر محسوس کر رہی تھی -دونوں پیپرز کو ڈسکس کرنے لگی تھوڑی دیر میں چپڑاسی ان کے سامنے دو چائے کے کپ اور چاکلیٹ رکھ کر جا چکا تھا --اچانک سارہ چاکلیٹ کو دیکھ کر ہنسنے لگی تو صباء نے حیرانی سے پوچھا --کیا ہوا مس آپ کیوں ہنس رہی ہیں ؟؟

ایک دن سب گھر والے کہیں باہر گئے ہوئے تھے تو دونوں ماموں کے بچے جبرائیل ،اسما اور حیدر اور میں گھر تھے میرے بڑے ماموں کا بیٹا جبرائیل ایک ہی بیٹا تھا اور اسما اور حیدر بہن بھائی تھے---

گھر کے پچھلے برآمدے میں سورج کی نرم دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ ایک جانب پرانی دری بچھی تھی، جس پر چاروں بچے بیٹھے

تھے۔ جبرائیل نے اپنی چپل اتار کر ایک طرف پھینکی اور بڑے فخر سے اعلان کیا:

"آج عدالت لگے گی! اور جج میں ہوں!"

حیدر (چونک کر):
"عدالت؟ کس بات کی عدالت؟"

جبرائیل (گھمبیر لہجے میں):
"کسی نے میرے کھلونوں کی فوج پر حملہ کیا ہے۔ شبہ ہے کہ یہ کام حیا نے کیا ہے۔"

حیا (مصنوعی حیرت سے):
"واہ! الزام لگانے سے پہلے یہ تو دیکھو کہ تمھاری فوج ہاتھی ہے یا مٹی کے کھلونے؟ جو ہر روز ٹوٹے ہوتے ہیں!"

سارہ (نرمی سے بولی):
"جبرائیل، شاید خود ہی گرے ہوں۔ کل جب میں گئی تھی وہاں، سب بکھرے پڑے تھے۔"

جبرائیل (ہاتھ اٹھا کر):
"خاموش! عدالت میں وکیلوں کو بھی بات نہیں کرنے دی جاتی، تو ملزم اور گواہ بھی چپ رہیں!"

حیدر (مسکرا کر):
"تو پھر گواہ بھی تم، جج بھی تم، مدعی بھی تم؟ اس عدالت کا نام ہونا چاہیے: جبرائیل سپریم کورٹ!"

حیا (ہنستی ہوئی):
"اور اس کے جج کو سزا دینی چاہیے کہ کھلونے سنبھالنے نہیں آتے!"

جبرائیل (غصے سے):
"بس بہت ہو گیا! اب عدالت فیصلہ سنا رہی ہے۔ حیا کو ایک دن کے لیے چاکلیٹ سے محروم کیا جاتا ہے!"

حیا (آنکھیں پھیلا کر):
"یہ تو ظلم ہے! یہ سزا عدالت میں نہیں، صرف اماں کی مرضی سے ہوتی ہے!"

سارہ (نرمی سے، حیا کی طرف دیکھتے ہوئے):
"میں اپنی چاکلیٹ تمہیں دے دوں گی..."

حیدر (قہقہہ لگاتے ہوئے):
"اور یوں عدالت ختم ہوئی اور سارہ بی بی نے انصاف کا پرچم تھام لیا!"

جبرائیل (منہ بنا کر):

"بس کرو! ورنہ اگلی عدالت میں سب مجرم ہوں گے۔"

سب ہنستے ہیں، صرف سارہ مسکرا کر اپنی چپل پہنتی ہے اور آہستہ سے کہتی ہے:
"تم سب کو سکون کی بھی کبھی کبھی سزا دینی چاہیے..."
یہ کہانی سن کر مس صباء بھی بہت ہنسے لگی
وہ جانتی تھی کہ سارہ کس قدر مشکل وقت سے گزری ہے۔۔ اور کبھی کسی کو پتہ نہیں لگنے دیا۔۔ ہر وقت ان کے چہرے پر بکھری مسکراہٹ تھی صباء نے کہا ہائے بچارہ تمھاری معصوم کزن ---واقع تم سب کے درمیان گزرا وقت بہت خاص تھا اللہ کرے آپ سب دوبارہ مل جائیں۔۔
دونوں نے آمین کہا اور اپنی اپنی کلاس میں لیکچر لینے چلی گئی
جب مس سارہ کلاس میں آئی تو سب بچے سلام کرنے کے بعد ان سے یتیم بچوں کے بارے میں پوچھنے لگے پھر پیپرز ختم ہونے کے بعد ان سے ملنے کا کہہ کر پیپرز کی تیاری میں مصروف ہو گئے ---
ایک سٹوڈنٹ نے بتایا کہ مس آپ جانتی ہے ہمارے شہر کے بڑے بزنس مین مسٹر الیاس بھی لوگوں کی بہت مدد کرتے ہیں آپ ان سے پیسے مانگ لیں بچوں کی کافی ہیلپ ہو جائے گی ۔۔(الیاس جو کہ سارہ کی امی کا کزن تھا دوسروں کے پیسوں سے آج پاکستان کا امیر ترین شخص تھا۔اس کا نام سنتے سارہ غصہ ہو گئی)
سارہ کے چہرے پر تھوڑے بہت غصے آثار نظر آ رہے تھے۔۔ بچوں کو کہنے لگی دیکھیں ---

"پیسہ آجانا یا مشہور ہو جانا کامیابی نہیں ہوتی۔پانچ وقت کی نماز پڑھنا اور اپنے رب کے قریب ہو جانا , یتیموں کا حق نا کھانا،حرام کا ایک لقمہ تک نا کھانا کامیابی ہوتی ہے۔۔" میری اس بات کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کو صرف سوشل میڈیا کے ذریعے جانتے ہیں آپ ان کی ذاتی زندگی کے بارے کچھ نہیں جانتے لیکن میں ان کو جانتی ہوں کہ وہ ایک خود غرض انسان ہے جن کو صرف اور صرف پیسہ نظر آتا ہے وہ غریبوں کی مدد بھی صرف اسی نیت سے کرتا ہے کہ لوگ اس کی مدد کے لیے پیسے ڈونیٹ کریں گے اور وہ اپنے بینک بھرتا رہے گا۔۔۔

اسی طرح ہزاروں لوگ ایسے ہیں جو کہ غریبوں کا حق کھا رہے ہیں دنیا کے سامنے ان کو چند ہزار روپے دے کر خود کو ہیرو بنا لیتے ہیں لیکن ہماری قوم شاید اندھی ہو چکی ہے جو یہ نہیں دیکھتی کہ اگر یہ لوگ اپنا پیسہ غریبوں و یتیموں پر خرچ کرتے تو ان کے حالات اس قدر بدتر نا ہوتے۔۔

آج وہ بھی اپنی زندگی بنا چکے ہوتے اچھا کھاتے پیتے اور اس طرح در بدر نا ہوتے اور جہاں تک بات ہے ان لوگوں سے پیسے مانگ کر غریب لوگوں کی مدد کرنے کی توں میں اس طرح کے حرام کے پیسے پر لعنت بھیجتی ہوں ----

کیونکہ ساری دنیا چھوڑ جائے نا تب بھی رب کی ذات ایسی ہے" جو ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتی ہے کبھی محسوس کر کے دیکھیں اداسی کے لمحوں میں جب دل غم سے بوجھل ہو اور سہارے کے لئے کسی کا کندھا بھی درکار نہ ہو ،سارے دکھ اسی "رب" سے کہہ دیں اگر آپ قرآن پڑھتے ہیں تو خود ہی وہ آیات آپ کے ذہن

میں آتی جائیں گی جو آپ کا حوصلہ بلند کرتی ہیں دل کو سہارا
دیتی ہیں.. "
تو مجھے اللہ کا سہارا کافی ہے ،،الیاس جیسے لوگوں کے حرام
کے پیسے لینے یا ان آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں ہے
---"وہی مالک و خالق ہے جس کے خزانے کبھی ختم نہیں ہوتے اور
وہ ان غریب لوگوں سے مجھ سے اور آپ سب سے ستر ماؤں سے
زیادہ پیار کرتا ہے تو وہ ہمیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا-----""
سارہ مسکرا کر سب کو اللہ حافظ کہہ کر کلاس سے باہر چلی گئی
-پیچھے پوری کلاس ایسے بیٹھی تھی جیسے کسی جادو کے اثر
--ہاں بالکل ان کی آواز میں جادو تھا جب وہ بولتی تھی تو سب محو
حیرت ہوتے تھے دل کرتا کہ وہ بس بولتی جائیں ساری کلاس ان
کی باتوں اور اچھائی کی دیوانی تھی ----
سارہ گھر آکر فریش ہونے کے بعد وضو کرکے نماز پڑھنے لگی
اور پورے دن کے بارے میں اپنے دوست کو بتانے لگی " اللہ کو
سب سے اچھا دوست مانتی تھی ایک ہم راز جو اس کی ہر بات
جانتا تھا اس کے ہر عیب سے واقف تھے جو دکھ سکھ کا ساتھی
تھا جس سے وہ ناراض بھی ہوتی تھی پھر رو کر معافی مانگ کر
کچھ دیر میں منانے بھی لگ جاتی تھی ایک الگ ہی خوبصورت سا
رشتہ تھا اللہ اور بندے کے درمیان---""
ہم سب کسی نہ کسی تکلیف سے جڑے رہتے ہیں کہیں نہ کہیں
ٹوٹے رہتے ہیں لیکن یقین جانیں ہم میں سے خوش نصیب وہ ہے
جسے اسکی تکلیف سجدے میں جھکاتی ہے، دعاؤں پہ لگاتی ہے،
اللہ سے ملاتی ہے، یقین بڑھاتی ہے

کیونکہ جسکا غم اسے اللہ سے جوڑ دے اسکا وہ غم نہیں تھا وہ اسکے لیے اللہ کی چاہت تھی-ابھی وہ سونے کی تیاری کر رہی تھی کہ پشمینہ کی کال آنے لگی اس کا نمبر دیکھ کر وہ مسکرانے لگی اور کال اٹینڈ کی-

اسلام علیکم مس کیسی ہے آپ ؟

وعلیکم السلام ،الحمداللہ میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہو ؟

میں بھی ٹھیک ہوں ،میں نے آپ کو تنگ تو نہیں کیا؟

نہیں نہیں ایسی بات نہیں ہے آپ جب چاہیں بات کر سکتی ہیں---

شکریہ مس،اصل میں آپ سے ایک بات پوچھنی تھی --

جی بولیں

پھر ان کو اپنے ہجاب والے خواب کے بارے میں بتانے لگی اور آپ کو پتہ ہے اب مجھے ڈر لگتا ہے رات کو برے خواب آتے ہیں ..آپ مجھے بتائیں میں کیا کروں؟

پشمینہ بچے آپ پریشان نا ہوں یہ ایک اچھا خواب تھا شاید آپ کو حجاب کرنا چاہیے شاید اللہ آپ کو اپنے قریب کرنا چاہتا ہے آگے آپ کی مرضی ہے ----

میں بھی اللہ کے قریب ہونا چاہتی ہوں ان سے دوستی کرنا چاہتی ہوں ---میں حجاب کرنا چاہتی ہوں بالکل آپ کی طرح بننا چاہتی ہوں --

تو بچے دیر کس بات کی ہے ابھی سے اللہ سے معافی مانگ کر عبادت شروع کر دو اور حجاب بھی کرو انشاء اللہ بہت جلد اللہ آپ کو دوست بنا لیں گے ---

جی مس آپ کا بہت شکریہ چلیں اب کال بند کرتی ہوں اللہ حافظ

کوئی بات نہیں ،اللہ حافظ کہہ کر مسکرانے لگی اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سو گئی

صبح پشمینہ جلدی سے وضو کر کے نماز پڑھنے لگی پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے"' یا اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے اپنے راستے پر چلنے کی توفیق عطا کی یا اللہ مجھ سے بہت گناہ ہوئے ہیں مجھے معاف کر دیں ۔۔میں آئندہ کوشش کروں گی گناہوں سے بچنے کی ۔۔میرے مالک مجھ پر اپنا کرم فرما آمین'کہا۔۔۔

دکھ بڑے ہو جائیں تو اللہ ﷻ سے فاصلے مختصر ہو جاتے ہیں"" ۔۔""کیا سکون ملا تھا اسے نماز میں آج وہ بہت رو رہی تھی لیکن یہ آنسو تکلیف نہیں دے رہے تھے بلکہ دل کو سکون مل رہا تھا ایک عجیب احساس نے اسے گھیرے میں لیا ہوا تھا پھر قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگی

(---اے انسان ! تُجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا)

-سورۃ الانفطار آیت 6

پھر ایک اور آیات کھولی

اے ایمان والو! اللہ پاک سے ڈرو، اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اُس) نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے۔ اور اللہ پاک سے ڈرو۔ یقین رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ پاک اُس سے پوری طرح باخبر (ہیں۔

﴿سورۃ الحشر،١٨﴾

اور اٹھ کر شیشے کے سامنے کھڑی ہو کر بالوں کا جھوڑا بناتے ہوئے حجاب کو چہرے کے گرد اچھی طرح لپیٹ لیا آج اس کو اپنا

آپ بہت پیارا لگ رہا تھا ایک عجیب سا اطمینان تھا چہرے پر
---کندھے پر بیگ رکھ کر یونیورسٹی کے لیے روانہ ہوئی---
جب پشمینہ یونیورسٹی میں داخل ہوئی تو سب اسے دیکھ رہے تھے
حیران ہو کر لیکن جیسے وہ کلاس میں آئی تو مس سارہ واحد تھیں
جو اسے دیکھ کر خوش ہوئی پھر کلاس لینے کے بعد سارہ نے
سب سٹوڈنٹس کو اللہ حافظ کہا آج ان کی لاسٹ کلاس تھی--
اب ان کی ملاقات رزلٹ کے فنکشن میں ہونی تھی---

"چھوٹے خواب، بڑی امیدیں"

آج پھر وہ کھانے پینے کا بہت سارا سامان لے کر بچوں سے ملنے
آئی تھی بچے اسے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح خوش تھے سارہ بھی
ان کے پاس رہ کر ان کی بہت ساری باتیں سننے لگی---

چھت پر نرم دھوپ پھیلی ہوئی تھی، اور اردگرد ہنسی کی ہلکی
ہلکی آوازیں گونج رہی تھیں۔ یتیم خانے کے صحن میں، سارہ بچوں
کے ساتھ گھاس پر بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا
بکسہ تھا، جس میں رنگین کاغذ اور پینسلیں تھیں۔ بچے اس کے
گرد ایسے بیٹھے تھے جیسے چاندنی رات میں ستارے۔

سارہ (مسکرا کر):
"اچھا بچوں، آج ہم سب اپنے دل کی بات کریں گے۔ مجھے بتاؤ، تم
میں سے کون کیا بننا چاہتا ہے جب بڑا ہوگا؟"

ایک چھوٹا لڑکا، جس کا نام عمر تھا، فوراً بولا:
"میں پائلٹ بنوں گا، اور آسمان میں اڑوں گا۔ ساری دنیا دیکھوں گا،
اور ایک دن آپ کو بھی اپنے جہاز میں بٹھاؤں گا!"

سارہ (دل سے ہنستے ہوئے):
"کیا بات ہے، عمر کی فلائٹ میں سفر کرنے کا انتظار رہے گا!"

پھر ننھی مریم بولی، جس کی آنکھوں میں خوابوں کی چمک تھی:
"میں ڈاکٹر بنوں گی۔ سب بچوں کا علاج کروں گی، جن کے پاس
پیسے نہیں ہوں گے، ان سے کچھ نہیں لوں گی۔"

سارہ (نرمی سے):
"اللہ کرے تمھارے ہاتھ شفا والے ہوں، مریم۔"

ایک دبلا پتلا بچہ، بلال، شرما کر بولا:
"میں استاد بنوں گا... اور ایسے بچوں کو پڑھاؤں گا جو اسکول نہیں
جا سکتے۔"

سارہ:
"بلال، تم جیسے استاد دنیا بدل سکتے ہیں۔"

پھر پیچھے سے ننھی عائشہ کی آواز آئی، جس کے ہاتھ میں گڑیا
تھی:

"میں امی بنوں گی... سب بچوں کو پیار دوں گی، جیسے اماں کرتی تھیں۔"

سارہ کا دل ایک لمحے کو تھم سا گیا۔ اس نے عائشہ کو گود میں لے کر نرمی سے کہا:
"عائشہ، تم سب کی سب سے مہربان ماں بنو گی۔"

ایک لڑکا، جس کا نام عادل تھا، آہستہ سے بولا:
"میں فوجی بنوں گا، تاکہ کسی اور بچے کو یتیم نہ ہونا پڑے۔"

سارہ کی آنکھوں میں نمی آ گئی، لیکن اس نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے سب کو دیکھا۔

سارہ (نرمی سے، آواز میں دعا چھپی ہوئی):
"تم سب کی خواہشیں، تمہارے خواب، سب سچ ہوں گے... کیونکہ جو دل سے چاہتے ہیں، اللہ اُن کی سنتا ہے۔ تم سب روشنی ہو... اور دنیا کو تمھاری روشنی کی بہت ضرورت ہے۔"

بچے (ایک ساتھ ہنستے ہوئے):
"اور آپ کیا بنیں گی، سارہ آپی؟"

سارہ (تھوڑی دیر سوچ کر، آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے):
"میں... میں وہ بنوں گی جو تم سب کے خوابوں کو سچ ہوتا دیکھے گی۔"انشاء اللہ----

بچوں کے ساتھ کھیلنے لگی پھر کھانا کھا کر شام کو گھر واپس آئی

دلاور خان کا گھر – شام کا وقت
(سارہ یونیورسٹی سے واپس تو تھکی ہوئی تھی مگر خوش تھی۔)
دلاور خان صوفے پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے ہیں۔

سارہ (مسکراتے ہوئے):
بابا! آج تو بہت مزہ آیا۔ کلاسز کے بعد ہم سب نے یتیم بچوں کے ساتھ وقت گزارا۔ ان کے چہروں کی خوشی دیکھ کر دل بھر آیا۔

دلاور خان (اخبار نیچے رکھتے ہوئے):
یہی تو میری بیٹی ہے، دوسروں کے لیے جینے والی۔ کیا کیا آج؟

سارہ:
ہم نے پینٹنگز کروائیں، ان کے ساتھ چھوٹے چھوٹے کھیل کھیلے۔
ایک بچی تھی، زینب... اس نے کہا، "سارہ آپی، آپ روز آیا کریں نا!"
دل کر رہا تھا وہیں رک جاؤں۔

دلاور خان (نرمی سے ہنستے ہوئے):
بچوں کے دل سچے ہوتے ہیں، وہ فوراً پہچان لیتے ہیں کہ کون اپنا ہے۔ لیکن سارہ... ایک بات کہوں؟

ساره (چہرہ سنجیدہ کرتے ہوئے):
جی بابا؟

دلاور خان (گہری سانس لیتے ہوئے):
...بیٹا، تم جانتی ہو میں کن راہوں پر چلا ہوں، کتنے دشمن بنائے
دلاور خان (چہرہ سنجیدہ کرتے ہوئے):
لیکن بیٹا، مجھے ایک بات کہنی ہے... تمہارا یہ جذبہ جتنا مقدس ہے، اتنا ہی حساس بھی۔

ساره (چونک کر):
بابا؟ کیا مطلب؟

دلاور خان (نرم مگر گہری آواز میں):
بیٹا، میں نے اپنی زندگی فوج میں گزاری۔ سچ کا ساتھ دیا، قوم کی امانت میں خیانت نہ کی۔
اور یہی میرے کچھ 'اپنوں' کو کھٹکنے لگا۔
آج میں ریٹائر ہو چکا ہوں، مگر کچھ زخم ابھی بھی زندہ ہیں۔ کچھ چہرے ابھی بھی میرے اخلاص سے خائف ہیں۔

ساره (فکرمندی سے):
بابا، آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ کیا ہمیں خطرہ ہے؟

دلاور خان:
شاید ہاں، شاید نہیں... لیکن احتیاط بہرحال ضروری ہے۔

تمہارے جیسے جذبے کو وہ لوگ برداشت نہیں کر پائیں گے جو
انسانیت کے دشمن ہیں۔
اکیلی نہ نکلا کرو، خاص طور پر ایسے پروگرام یا بچوں سے
ملنے کے لیے۔
کسی نہ کسی کو ساتھ لے جایا کرو، اور ہر جگہ کے بارے میں
پہلے مجھے اطلاع دو۔

سارہ (نرمی سے):
بابا، میں آپ کی دعاؤں کی چھاؤں میں ہوں۔
مگر میں وعدہ کرتی ہوں، اپنی اور آپ کی عزت کی حفاظت کے
لیے ہر قدم سوچ کر رکھوں گی۔

دلاور خان (سارہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے):
اللہ تمہیں محفوظ رکھے، بیٹا۔
میرے دشمنوں کا ہدف صرف میں تھا، تم نہیں۔
مگر دنیا میں سچ کا ساتھ دینے والوں کی اولاد بھی آزمائش سے
گزرتی ہے---
سارہ (جی بابا میں خیال کرو گی)----
کہہ کر کچن میں آئی امی اور بابا سب کے لیے چائے بنائی اور
رات دیر تک ان کے کمرے میں بیٹھی باتیں کرتی رہی،،، وہ
صرف اس کے والدین نہیں تھے اس کے اچھے برے وقت کے
دوست بھی تھے--- جنھوں نے کبھی اس کو اکیلا نہیں چھوڑا
چھوڑتے بھی تو کیسے وہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور لخت---
جگر تھی ان کی زندگی کی سب سے بڑی نعمت بھی---

سارہ کو جب نیند نہیں آئی تو وضو کر کے قرآن کریم کی سورت بقرہ پڑھنے لگی۔

اور(وہ وقت بھی یاد کرو)جب ہم نے کہا تھا کہ '؛اس بستی میں" داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو جی بھر کر کھاؤ اور (بستی کے)دروازے میں جھکے سروں کے ساتھ داخل ہونا اور یہ کہتے جانا کہ (یا اللہ) ہم آپ کی بخشش کے طلبگار ہیں ،اور(اسی طرح) ہم تمھاری خطائیں معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ (ثواب) بھی دیں گے ۔"مگر ہوا یہ کہ جو بات ان سے کہی گئی تھی ۔ظالموں نے اسے بدل کر ایک اور بات بنائی ۔نتیجہ یہ کہ جو

نا فرمانیاں وہ کرتے آ رہے تھے ہم نے ان کی سزا میں ان ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا۔"

سورۃ البقرۃ آیت نمبر 57 تا 59

تشریح::" جب بنی اسرائیل "من و سلویٰ" سے بھی اکتا گئے تو انھوں نے یہ مطالبہ کیا کہ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر گزارہ نہیں کر سکتے۔ہم زمین کی ترکاریاں وغیرہ کھانا چاہتے ہیں ۔اس موقع پر ان کی یہ خواہش پوری کر دی گئی اور یہ اعلان فرمایا گیا کہ تمھیں صحرا کی خاک چھاننے سے نجات دی جاتی ہے۔سامنے ایک شہر ہے اس میں چلے جاؤ لیکن اپنے گناہوں پر ندامت کے طور پر سر جھکائے ہوئے اور معافی مانگتے ہوئے شہر میں داخل ہو،وہاں اپنی رغبت کے مطابق جو حلال غذا چاہو گے کھا سکوگے۔لیکن ظالموں نے پھر ضد کا مظاہرہ کیا ۔شہر میں داخل ہوتے ہوئے سر تو کیا جھکاتے ،سینہ تان تان کر داخل ہوئے اور معافی مانگنے کے لیے انہیں جو تلقین کی گئی تھی ان کا مزاق

بناتے ہوئے ان سے ملتے جلتے ایسے نعرے لگاتے ہوئے داخل ہوئے جن کا مقصد مسخرہ پن کے سوا کچھ نا تھا ۔نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر آسمان سے عذاب نازل کیا گیا ۔۔
قرآن کریم کی تلاوت کرنے کے اس کے دل کو سکون ملا اور ساتھ میں اللہ سے کفر سے پناہی مانگی۔۔۔کچھ ہی دیر میں نیند کی وادیوں میں گم ہو گئی ۔۔

ہم فطراتاً اداس ہیں، ورنہ ہمارے گھر
ہر چیز دستیاب ہے یعنی سکوں بھی ہے۔

خیام جب پاکستان ایئرپورٹ پر آیا تو سامنے ہی اکبر ان کے انتظار میں کھڑا تھا پھر جلدی سے کار کا دروازہ کھولا جب خیام اندر بیٹھ گیا تو اکبر کار ڈرائیو کرتے ہوئے اسلام آباد کے کسی فائیو سٹار ہوٹل کے سامنے رکا اور اتر کر خیام کو ان کے روم میں چھوڑنے کے لیے آیا۔۔۔
How are you, I bring juice etc. for you. As he turned to leave, Khayyam stopped him
(سر کیسے ہیں آپ ،آپ کے لیئے جوس وغیرہ لے کر آتا ہوں۔۔ وہ جانے کے لیے مڑا تو خیام نے روک لیا)
I am fine and now I don't need anything and Baba should not know anything about my coming to Pakistan, understood.
(میں ٹھیک ہوں اور ابھی مجھے کچھ نہیں چاہیے اور میرے پاکستان آنے کے بارے میں بابا کو کچھ پتا نہیں چلنا چاہیے ،سمجھ گئے----)

Yes sir, but why don't you tell big sir and how long have little bibi been waiting for you to come?

(جی سر ،،،لیکن بڑے صاحب کو کیوں نہیں بتانا اور چھوٹی بی بی تو کب سے آپ کے آنے کے انتظار میں ہیں ---)

No, Baba should not know now, there is an important work to be done, after that I will go and meet myself.

(نہیں ابھی بابا کو پتا نہیں چلنا چاہیے ایک ضروری کام کرنا ہے اس کے بعد میں خود جا کر ملوں گا ---)

اوکے سر ---کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا.... خیام بنا آرام کیئے لیپ ٹاپ پر ارشد نامی مجرم کے بارے میں سرچ کرنے لگا جو کہ پاکستان میں بہت سارے غیر قانونی کاموں میں ملوث تھا---
آج تک وہ سو سے زائد بے گناہ لوگوں کو مار چکا تھا ،ڈرگز کی سمگلنگ ،لڑکیوں کو بیچنا اس کے لیئے معمولی بات تھی لیکن آج تک وہ پولیس کے ہاتھ نہیں آ سکا ---کیونکہ کچھ ملک کے طاقتور لوگ اس کے ساتھ تھے --وہ کبھی سندھ تو کبھی بلوچستان تو کبھی پنجاب میں اپنی شناخت بدل کر رہ رہا تھا لیکن شاید اب اس کا آخری وقت آ گیا تھا--

خیام صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا اس کا جسم بخار کی وجہ سے تپ رہا تھا جلدی سے دوائی لے کر سو گیا --صبح کے تین بج رہے تھے جب وہ اپنا کچھ ضروری سامان پیک کر کے ہوٹل سے نکل آیا جہاں اکبر اس کی کار کے ساتھ کھڑا تھا ---

Akbar, you will stay with Baba and increase the security at home and when the doll goes out, you will stay with here
(اکبر تم یہی رہو گے بابا کے پاس اور گھر پر سیکیورٹی اور بڑھا دو اور گڑیا جب باہر جائے تو تم اس کے ساتھ رہنا)
Ok Khayyam sir but why are you going there alone your life is in danger there and your health is also bad.
(ٹھیک ہے خیام سر لیکن آپ وہاں اکیلے کیوں جا رہے وہاں آپ کی جان کو بھی خطرہ ہے اور آپ کی طبیعت بھی خراب ہے)
I am perfectly fine and there will be nothing for me. I will finish work soon and come home. You take care of everything here.
(میں بالکل ٹھیک ہوں اور مجھے کچھ نہیں ہوگا۔میں جلد ہی کام ختم کرکے گھر آ جاؤ گا تم یہاں سب سنبھال لینا۔۔)
اوکے سر ۔۔۔خیام اپنی کالے رنگ کی کار ڈرائیو کرتے ہوئے وہاں سے نکل گیا تو اکبر نے فون کر کے کچھ گارڈ بلا کر گھر باہر خفیہ طور پر تعینات کر دیے اور خود بڑے صاحب کو لاہور سے لینے پہنچ گیا۔۔
"اسلام علیکم سر کیسے ہیں آپ"
اکبر، شہباز سر سے سامان لے کر کار میں رکھنے لگا...
وعلیکم السلام میں بالکل ٹھیک ،تم کیسے ہو۔۔۔ اکبر سے بات کرتے ہوئے کار میں اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئے۔۔

سر میں بالکل ٹھی" (اکبر ڈرائیو کرنے لگا"
راستے میں ہنستے ہوئے شہباز نے پوچھا ۔۔)" خیام کہاں ہے آج)
کل اور کب پاکستان واپس آ رہا ہے
اکبر کا دل ایک منٹ کے لیے رک گیا پھر خود کو سنبھال کر)
کہنے لگا(
جی سر وہ قطر میں ہی ہوتے ہیں کہہ رہے تھے کہ بہت جلد"
پاکستان واپس آئیں گے
او اچھا اچھا ،یہ تو اچھی بات ہے کہ دو سال بعد وہ اپنا دیدار)
کروائیں گے۔۔ویسے اس کی اردو ٹھیک ہوئی کہ نہیں کہتے ہوئے
ہنس پڑے(
اکبر بھی ہنسے بنا نا رہ سکا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ شہزادہ
عربی،انگلش اور فارسی زبانوں پر عبور رکھنے کے باوجود اردو
ٹھیک سے نہیں بول سکتا شاید اس وجہ سے کہ وہاں اس زبان کا
استعمال بہت کم تھا۔۔
لیکن یہ بات صرف خیام خود جانتا تھا کہ پہلے اسے اردو بولنے
نہیں آتی تھی لیکن اب اسے اردو بولنے پر مہارت حاصل تھی۔۔
پھر اکبر اور شہباز کے درمیان کوئی بات نا ہوئی سفر خاموشی
سے کٹ گیا۔۔۔
ادھر خیام کو سندھ پہنچنے میں دو دن گزر گئے تھے اب وہاں ایک
دوست سے ملنے آیا تو اس کا دوست اذلان اس کو اتنے سالوں بعد
دیکھ کر خوش تھا۔۔۔سامنے ایک دبلا پتلا مگر وجیہہ افسر کھڑا تھا،
سنہری دھوپ میں چمکتی ہوئی فوجی وردی پہنے، کندھے پر
ڈاکٹر کی علامت کے ساتھ۔۔۔

Man, how much you have changed and Masha Allah, you look like an Arabian prince.

یار تم کتنے بدل گئے ہو اور ماشاءاللہ بالکل عربی شہزادے لگ رہے ہوں--

Thanks for the compliment, now focus on work

تعریف کے لیے شکریہ اب کام پر دھیان دیں---

ازلان نے مسکراتے ہوئے بازو پھیلائے، "ارے خیام بھائی! اب بھی وہی تیور؟ یا اب دہشت گردوں کے ساتھ ساتھ مسکراہٹوں کا بھی قتل شروع کر دیا ہے؟"

خیام نے سرد نظروں سے اسے دیکھا، ہلکی سی گرد جھاڑتے ہوئے بولا، "وقت مسکراہٹوں کا نہیں اذلان۔ یہاں خون بہتا ہے، قہقہے نہیں۔"

اذلان نے قہقہہ لگایا، "کیا بات ہے، لندن کی ہوائیں بھی تیرے دل کی سختی کو نرم نہ کر سکیں؟"

خیام خاموش رہا۔ اس کی آنکھوں میں برسوں کی جدوجہد کا عکس تھا۔

اذلان نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے شرارت سے کہا، "چلو خیر، تم سیریس ہو، میں خوبصورت ہوں، مقابلہ تو برابر کا ہے نا!"

خیام کی آنکھوں میں ہلکی سی چمک آئی مگر وہ چہرے پر سنجیدگی قائم رکھے بولا، "مجھے ہنسی مزاح نہیں سننا، مجھے اسلحہ اور دشمنوں کا پتہ چاہیئے۔"

اذلان نے ایک ادا سے سیلوٹ کیا، "سر! جیسا آپ کا حکم سر! ویسے تمہیں دیکھ کر لگتا ہے دشمن بھی کانپتے ہوں گے... اور بےچارے معصوم قہقہے بھی!"

خیام نے ہلکی سی سانس لی، جیسے کہیں اندر دل مسکرا رہا ہو مگر لب خاموش تھے۔

اذلان نے ہنستے ہوئے کندھے پر ہاتھ مارا، "چلو آؤ، پہلے چائے پیتے ہیں، پھر دشمنوں کی لاشیں گنتے ہیں۔"
کمرے میں ہلکی سی خنکی تھی۔ ایک پرانی میز پر نقشہ، چند اسلحے اور کچھ تصاویر بکھری ہوئی تھیں۔

اذلان نے نقشے پر انگلی گھماتے ہوئے کہا، "یہ ہے دشمنوں کا مرکزی ٹھکانہ... اور یہ دو رستے ہیں بھاگنے کے... ویسے تیسرا راستہ بھی ہو سکتا ہے، لیکن وہ صرف فلموں میں ہوتا ہے!"

خیام نے سخت لہجے میں کہا، "یہ فلم نہیں ہے اذلان۔ یہاں ایک غلطی بہت خون بہا سکتی ہے۔"

اذلان نے مسکراتے ہوئے ہاتھ اٹھایا، "سر! جی سر! آئندہ مذاق نہیں
"!سر! قسم لندن کی بوری گلیوں کی سر

خیام نے بےنیازی سے فائل کھولی، "رپورٹ سیدھی دو۔ دشمن کہاں
"ہیں، اسلحہ کتنا ہے، اور گارڈز کی تعداد؟

اذلان تھوڑا سنبھل کر بیٹھا، لیکن ہنسی اس کی آنکھوں میں ابھی
بھی تھی۔

چار گاڑیاں، آٹھ سے دس مسلح افراد، اور ٹھکانے کے اندر ممکنہ"
طور پر مزید دو... پر فکر نہ کرو خیام بھائی، تم ہو نا! تم تو ایک
"نظر سے پوری بٹالین کو بھگا دو۔

خیام نے نقشے پر نشان لگاتے ہوئے سخت لہجے میں کہا، "کل
رات ایک چھاپہ مارنا ہے۔ بےآواز حملہ۔ کوئی قیدی نہیں۔ صرف
"نشان زدہ ٹارگٹ۔

اذلان نے نقشے پر غور سے دیکھا، پھر آہستہ کہا، "اور اگر
"درمیان میں کوئی معصوم آ گیا تو؟

خیام نے ایک لمحے کو توقف کیا، پھر سرد لہجے میں بولا، "تو ہم
معصوم کو بچائیں گے۔ دشمن مارنے کے لیے ہیں، برباد کرنے
"کے لیے نہیں۔

اذلان نے پہلی بار مسکراہٹ کم کی، اور دھیرے سے کہا، "پتہ ہے خیام... یہی فرق ہے تیرے اور اصل ولن میں۔ تُو مارنے والا ہے، مگر ناحق نہیں۔"

پھر ایک پل میں اس نے ہنسی دبا کر کہا، "ویسے کبھی کبھار تو سوچتا ہوں، تُو ہنستا تو ہوگا نا چھپ چھپ کے؟؟"

خیام کی آنکھوں میں ایک لمحے کو ہلکی سی مسکراہٹ چمکی، مگر اس نے فوراً فائل میں نظریں گاڑ لیں۔

اذلان نے چٹکی لی، "اوکے باس، اب بتاؤ، دشمنوں کو مارنے کے بعد دعوت کہاں ہوگی؟ لندن میں یا قطر میں؟"

قطر میں۔۔۔ اذلان بچارہ منہ کر رہ گیا خیام مختصر جواب دے کر لیپ ٹاپ اس کے سامنے رکھ کر اس کو راشد کے بارے میں بتانے لگا تو وہ حیران ہوا کہ۔۔۔۔۔
یار تم پاگل ہو گئے ہو تم جانتے ہو یہ کتنا بڑا ڈون ہے نا بھائی اس سے تیری جان کو خطرہ ہے یار ۔۔۔۔
اذلان بالکل بچوں کی طرح اس کی فکر کر رہا تھا تو اس کی بات" پر خیام ہنس پڑا تو ادھر اذلان کو صدمہ ہوا ...

یار تو ہنستا بھی ہے کیا بات ۔۔زندگی میں پہلی بار تیرے چہرے پر" مسکراہٹ دیکھ رہا ہوں"
اذلان نے خیام کو گلے لگا کر کہا" ایسے ہنستا رہا کر پیارا لگتا ہے

خیام واپس سیریس ہو گیا---

Now stop talking, I want an AK 47, a small gun and a bullet proof jacket with it

اب یہ باتیں چھوڑو مجھے ایک AK 47، ایک چھوٹی گن اور اس کے ساتھ بلٹ پروف جیکٹ چاہیے---

جب تک اذلان یہ سامان لے کر آیا وہ کار اسٹارٹ کر چکا تھا ---
خیام میرا بھائی میں تو کہتا ہوں ایک دفع سوچ لو --اذلان معصوم سا منہ بنا کر کہنے لگا -----

"Life is not easy Azlan -----"

زندگی آسان نہیں ہوتی اذلان ---اور تم مجھے جانتے ہو خطرناک کام کرنا مجھے پسند ہیں اور ویسے بھی بہت سے معصوم لوگوں کی زندگی کا سوال ہے اوکے--
خیام کے کہتے ہی، اس کی کار منظر سے غائب ہو چکی تھی۔
دو گھنٹے کا سفر طے کرنے کے بعد، وہ حیدرآباد کے ریگستانی علاقے میں داخل ہوا۔
جہاں اس نے کار کو ایک طرف چھوڑا اور پیدل چلنے لگا۔ یہ علاقہ نہایت سنسان اور ویران تھا۔
اگر کوئی شخص دن کے اُجالے میں بھی اِس طرف آ نکلتا، تو موت کے خوف سے بھاگ جاتا۔
مگر خیام—اکیلا، رات کے ٹھیک بارہ بجے، بغیر کسی خوف کے خاموشی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

کچھ فاصلے پر ایک کچا مکان نظر آیا۔
خیام وہیں رُک گیا اور اطراف میں موجود افراد کو گننے لگا۔
تقریباً پانچ آدمی تھے، جو ہر پندرہ منٹ بعد دور دور تک گشت کر رہے تھے۔
پھر وہ سکون سے اٹھا، اور رینگتے ہوئے ایک منٹ کے اندر ایک پہرہ دار کی گردن کاٹ چکا تھا۔

اس کے فوراً بعد، دوسرا آدمی جو آگے آ رہا تھا،
اسے اچانک پاؤں سے پکڑ کر زمین پر گرایا اور چند سیکنڈ میں اس کی گردن مروڑ دی۔

اب وہ مکان کی پچھلی جانب سے آگے بڑھا۔
باقی تین آدمیوں کو اس نے بڑی مہارت اور آسانی سے، پانچ منٹ کے اندر اندر ختم کر دیا۔
پھر وہ مکان کے اندر داخل ہوا، جہاں دو آدمی سو رہے تھے۔

خیام نے خاموشی سے ایک کے منہ پر ہاتھ رکھا اور اس کی گردن توڑ دی۔
اسی طرح دوسرے کا بھی کام تمام کر دیا۔
جب وہ اندر کے کمرے میں داخل ہوا تو کمرہ خالی تھا۔

پہلے لمحے میں اسے لگا کہ شاید مطلوبہ لوگ یہاں سے فرار ہو چکے ہیں،
مگر وہ زمین پر مختلف جگہوں کو پاؤں سے ٹھوکریں مارنے لگا۔

ایک جگہ بیٹھا، ہاتھوں سے مٹی ہٹائی، تو ایک لکڑی کا دروازہ نظر آیا۔

دروازہ احتیاط سے کھولا، ٹارچ آن کی، اور سیڑھیاں اُترنے لگا۔
نیچے پہنچ کر جو منظر دیکھا، وہ لرزا دینے والا تھا۔
دس بچے، پندرہ خواتین، اور دو بوڑھے مرد،
سب کی حالت نہایت خراب تھی۔

ان کے جسموں اور چہروں پر مار پیٹ کے نشانات تھے،
کچھ زخموں سے ابھی بھی خون ٹپک رہا تھا۔
وہ خیام کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے۔

خیام ان کے قریب بیٹھا، اور نرمی سے تسلی دینے لگا:

"آپ سب فکر نہ کریں... میں آپ کو بچانے آیا ہوں۔"

پھر وہ سب کو اپنے ساتھ لے کر سیڑھیوں سے اوپر آیا،
جہاں ازلان پہلے سے موجود کھڑا تھا۔
ان سب کو ایک ٹرک میں سوار کرایا،
اور انہیں وہاں سے بحفاظت روانہ کر دیا۔

خیام دوبارہ پیدل چلتا ہوا اپنی کار کی طرف واپس جانے لگا...
پیچھے سے کسی نے خیام کی بائیں ٹانگ پر گولی مار دی۔
وہ لڑکھڑا گیا، مگر فوراً پلٹ کر پیچھے دیکھا۔

راشد کے ساتھ چار آدمی اور موجود تھے، جو اُس کی طرف بڑھ رہے تھے۔

خیام کی آنکھوں میں اچانک غصے کی ایک لہر دوڑی۔
اس کے بازوؤں کی رگیں تن گئیں۔
اس نے خاموشی سے چہرے پر ماسک چڑھا لیا۔

اچانک راشد طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھا اور بولا:

"Welcome Mr. Khayyam... خوش آمدید، مسٹر خیام! میں تمہارے ہی انتظار میں تھا۔"

خیام نے تیکھے لہجے میں جواب دیا:

"بہت شکریہ... جانور!"
یہ کہتے ہوئے وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا،
جہاں واضح طور پر موت کا خوف چھپا ہوا تھا۔

راشد نے ہنستے ہوئے کہا:

"ویسے تمہاری داد دینی پڑے گی خیام! جو کام پاکستان کی پولیس نہ کر سکی، وہ تم نے کر دکھایا۔
مجھے واقعی خوشی ہوئی۔
پہلی ملاقات ہماری ترکی میں ہوئی تھی، یاد ہے؟"

کہہ کر وہ زور سے قہقہہ لگانے لگا۔

خیام نے سرد لہجے میں جواب دیا:

"اصل خوشی تو تمہیں اب ہونے والی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ زمین پر لیٹ گیا، اور لمحوں میں راشد کے چاروں آدمیوں کو ختم کر دیا۔
اگرچہ ایک گولی اس کے کندھے پر لگ چکی تھی،
پھر بھی وہ بے خوف ہو کر راشد کی طرف بڑھا۔

اسے بالوں سے گھسیٹ کر کار کے سامنے لایا،
پھر موبائل نکال کر ویڈیو ریکارڈنگ آن کی۔

پہلی گولی راشد کے کندھے پر،
دوسری ہاتھ پر،
تیسری ٹانگ پر ماری۔
راشد کی چیخیں فضا میں گونجنے لگیں۔

خیام اس کے قریب آیا، جھک کر کہا:

"کیسا لگ رہا ہے؟ خوشی ہو رہی ہے؟"
ایک بات یاد رکھنا...

میرا نام 'KK' ہے — جہاں ظلم ہو گا، وہاں KK ہو گا!"

پھر اس نے جیب سے چاقو نکالا،
اور راشد کی گردن آہستہ سے کاٹ دی۔

اس کے بعد خیام کار میں بیٹھا،
اپنے بازو اور ٹانگ پر کپڑا لپیٹ کر زخموں کو باندھا،
اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

صبح کے پانچ بجے، وہ ازلان کے گھر کے گیٹ پر موجود تھا۔
گیٹ کھلتے ہی وہ کار سے اترا اور اندر آیا۔

ازلان اور باقی سب لوگ وہاں بیٹھے تھے۔
اس کی حالت دیکھ کر ازلان گھبرا کر تیزی سے اس کی طرف بھاگا...
"What is all this, Khayyam? You are bleeding a lot!"
"یہ سب کیا ہے خیام؟ تمہارا تو بہت خون بہہ رہا ہے!"

گولیوں کے لگنے کے باوجود وہ ایسے چل رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔
اُدھر کھڑے سب لوگ پریشان ہو چکے تھے۔
ازلان نے سب کو تسلی دی اور خیام کو اپنے کمرے میں لے آیا۔

وہ فوراً اس کے زخم صاف کرنے اور گولیاں نکالنے لگا، پھر بینڈیج کر کے بولا:

"Khayyam, they all want to meet you."
"!خیام، وہ سب تم سے ملنا چاہتے ہیں، آؤ، مل لو"

ازلان اسے لے کر نیچے آیا۔
جہاں سب لوگ اپنے مسیحا کو دیکھ کر باری باری شکریہ ادا کرنے لگے۔

ان میں سے ایک بوڑھا آدمی فوج کا ریٹائرڈ میجر تھا،
جسے دس سال پہلے قید کر لیا گیا تھا۔
اسے ہر طرح سے تشدد کا نشانہ بنایا گیا،
لیکن اس نے کبھی ایک لفظ تک نہ بولا۔
بس خاموشی سے موت کا انتظار کرتا رہا۔

لیکن آج، وہ خیام کے سامنے کھڑا خوشی سے رو رہا تھا۔

"!واقعی، تم بہت بہادر انسان ہو، اللہ تمھیں خوش رکھے"

ازلان سب کو صاف کپڑے دے چکا تھا اور کھانا بھی کھلا چکا تھا۔
اب سب کی حالت بہتر ہو چکی تھی،
اور وہ بار بار خیام اور ازلان کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔

خیام نے مسکرا کر کہا:

"No thanks, I'll be where I'm needed. Now everyone, relax."

"شکریہ کی کوئی بات نہیں، جہاں میری ضرورت ہوگی، میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔ اب آپ سب آرام کریں!"

یہ کہہ کر وہ جانے لگا تو پیچھے سے وہی بوڑھا آدمی بول اٹھا:

"بیٹا! اپنا ماسک تو ہٹاؤ، ہم سب اپنے مسیحا کا چہرہ دیکھنا چاہتے ہیں!"

خیام رکا، لیکن مڑے بغیر بس اتنا بولا:

"آپ سب کی جان بچ گئی، یہی کافی ہے!"

اور پھر چپ چاپ اوپر کمرے میں چلا گیا۔

ازلان نے پیچھے مڑ کر سب کو بتایا:

"وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتا ہے، جب بھی کسی کی مدد کرتا ہے، تو اپنا چہرہ نہیں دکھاتا۔ آپ فکر نہ کریں۔"

پھر سب کو سونے کے لیے بھیج کر، وہ خود وہیں ہال میں سو گیا۔

،ادھر خیام کمرے میں بیڈ پر بیٹھا سینڈوچ کھاتے ہوئے
راشد کی ویڈیو سوشل میڈیا پر اپلوڈ کرنے لگا۔
..پھر کمرے کی لائٹ آف کر کے سو گیا۔

:اگلی صبح

خیام اور ازلان ان تمام لوگوں کو ان کے گھروں تک چھوڑنے
نکلے۔
،جب وہ اپنے گھروں پر پہنچے
تو ان کے اہل خانہ اپنے پیاروں کو دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے
لگے۔
— یہ خوشی کے آنسو تھے
!گمشدہ لوگوں کے واپس آنے کی خوشی

،سب کو اُن کے گھروں کے سامنے چھوڑ کر
دو دن بعد وہ لاہور پہنچے۔

وہاں، میجر علی کا گھر تھا۔
میجر کے اصرار پر وہ اندر چلے گئے، لیکن دونوں نے اب بھی
اپنے ماسک نہیں اتارے۔

،جب میجر علی اپنے گیٹ پر پہنچا

تو جذباتی ہو کر رونے لگا۔
گیٹ پر کھڑے گارڈ کو اپنا تعارف کرایا،
تو اس نے فوراً گیٹ کھول دیا۔

اندر داخل ہوئے تو سامنے سے تیئیس سالہ ایک لڑکی ان کی طرف آئی:

"جی؟ کون ہیں آپ؟ کس سے ملنا ہے آپ کو؟"

میجر علی روتے ہوئے بولا:

"نازو، اپنی بابا کو نہیں پہچانا؟"

اور اسے گلے لگا لیا۔

وہ بھی چیخ چیخ کر رونے لگی:

"بابا! آپ کہاں چلے گئے تھے؟ آپ کی بیٹی آپ کو بہت یاد کرتی تھی!"

ان کی آوازیں سن کر باقی گھر والے بھی باہر آ گئے —
دو بیٹے، بہو، پوتے پوتیاں —
سب خوشی سے رونے لگے۔

پھر میجر علی نے ان سب کو خیام اور اس کے دوست کے بارے میں بتایا،
کہ کس طرح انہوں نے ان کی جان بچائی۔

سب نے شکریہ ادا کیا اور کھانے کی دعوت دی۔
لیکن ازلان نے ایک ضروری کام کا کہہ کر معذرت کی،
اور دونوں وہاں سے روانہ ہو گئے۔

اس دن تاریخ تھی یکم اپریل۔
خیام کو اگلے دن تک گھر پہنچنا تھا۔

رات کے دو بجے،
ازلان اسے ایک ہوٹل کے باہر گلے لگا کر الوداع کہہ گیا۔
خیام بھی اپنے کمرے میں جا کر سو گیا۔۔۔۔

پشمینہ کے پیپرز ختم ہو چکے تھے،
جب شہباز خان گھر آئے اور اپنی بیٹی کو باحجاب دیکھا،
تو خوشی کے مارے اُن کی آنکھیں بھر آئیں۔
یہ خوشی اس بات کی تھی کہ اُن کی بیٹی اب اللہ کے راستے پر چلنا سیکھ رہی تھی۔
اس سے بڑی نعمت اور کیا ہو سکتی ہے؟
جو کام وہ برسوں میں نہ کر سکے،
وہ مس سارہ کی محنت اور دعا سے ممکن ہو رہا تھا۔

آج کا دن پشمینہ نے اپنے بابا کے ساتھ گزارا ـــ
،بہت ساری شاپنگ کی، باہر جا کر کھانا کھایا
اور آئس کریم بھی کھائی۔
شام کو گھر واپس آ کر فریش ہوئی
اور نماز ادا کرنے لگی۔

"نماز اور قرآن کریم وہ واحد چیزیں ہیں جن سے انسان کی روح کو
سکون اور دل کو طاقت ملتی ہے۔"

پھر وہ دلجمعی سے قرآن کی تلاوت کرنے لگی۔
(سورۃ البقرۃ آیت نمبر 100 تا 101)
"اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول آئے جو اس (تورات) کی تصدیق کر رہے تھے جو ان کے پاس ہے ،تو اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب (تورات و اِنجیل)کو اس طرح پس پشت ڈال دیا گویا وہ کچھ جانتے ہی نا تھے(کہ اس میں نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا ہدایت دی گئی تھی)۔اور یہ بنی اسرائیل ان منتروں کے پیچھے لگ گئے تھے جو سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کے زمانے شیاطین پڑھا کرتے تھے ۔اور سلیمان علیہ السلام کوئی کفر نہیں کیا تھا البتہ شیاطین لوگوں کو جادو کی تعلیم دے کر کفر کا ارتکاب کرتے تھے ۔ نیز یہ بنی اسرائیل اس چیز کے پیچھے لگ گئے جو شہر بابل میں ہاروت اور ماروت نامی دو فرشتوں پر نازل کی گئی تھی ۔یہ دو فرشتے کسی کو اس وقت تک تعلیم نہیں دیتے تھے جب تک اس سے یہ نہ کہہ دیں کہ:' ہم محض آزمائش کے لیے بھیجے

گئے ہیں لہذا تم اس جادو کے پیچھے لگ کر کفر اختیار نا کرنا پھر بھی یہ لوگ وہ چیزیں سیکھتے تھے جس کے ذریعے مرد اور اس کی بیوی میں جدائی پیدا کر دیں"

تشریح":بابل عراق کا ایک مشہور شہر ہے ۔ایک زمانے میں وہاں جادو کا بڑا چرچا ہوگیا تھا اور یہودی اس ناجائز کام میں بری طرح ملوث ہو گئے تھے ۔انبیاءکرام اور دوسرے نیک لوگ انہیں جادو سے منع کرتے تھے تو وہ بات نا مانتے تھے ۔اس سے بھی خطرناک بات یہ تھی کہ لوگوں نے جادو گروں کے شعبدوں کو معجزہ سمجھ کر انہیں اپنا دِینی مقتدا بنا لیا تھا ۔اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دو فرشتے جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا دنیا میں انسانی شکل میں بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو جادو کی حقیقت سے آگاہ کریں اور ان کو بتائیں کہ خدائی معجزات سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہے ۔معجزہ براہِ راست اللہ کا فعل ہے جس میں کسی ظاہری سبب کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔اور اس کے برعکس جادو کے ذریعے کوکوئی شعبدہ دکھایا جاتا ہے وہ اسی عالم اسباب کا ایک حصہ ہے۔یہ بات واضح کرنے کے لیے ان فرشتوں کو جادو کے مختلف طریقے بھی بنانے پڑتے تھے تاکہ یہ دکھایا جا سکے کہ وہ کس طرح وہ سبب اوم مسبّب کے رشتے سے منسلک ہے لیکن جب وہ ان طریقوں کی تشریح کرتے تھے تو ساتھ ساتھ متنبہ بھی کر دیتے تھے یاد رکھو! ہم یہ طریقے اس لیے نہیں بتا رہے کہ تم اس پر عمل شروع کر دو،بلکہ اس لیے بتا رہے ہیں کہ تم پر جادو اور معجزے کا فرق واضح ہو اور تم جادو سے پرہیز کرو۔اس لحاظ سے ہمارا وجود تمھارے لیے ایک امتحان ہے تم ہماری باتیں سمجھ کر جادو سے پرہیز کرتے ہو یا ہم سے جادو کے طریقے سیکھ کر

اس پر عمل شروع کرتے ہو۔یہ کام انبیاء کے بجائے فرشتوں سے بظاہر اس بنا پر لیا گیا کہ جادو کے فارمولے بتانا خواہ وہ صحیح مقصد سے کیوں نا ہوں ، انبیاء کرام کو زیب نہیں دیتا تھا ۔اس کے برعکس فرشتے چونکہ غیر مکلّف ہوتے ہیں اس لیے ان سے بہت تکوینی کام لئے جا سکتے ہیں بہر حال ان میں سے نا فرمان لوگوں نے فرشتوں کی باتوں کو نظر انداز کر کے ان کے بتائے ہوئے فارمولے سے جادو سیکھ کر استعمال کرنے لگے اور وہ ایسے گھناؤنے مقاصد کے لیے جو ویسے بھی حرام ہے مثلاً میاں بیوی پھوٹ ڈال کر نوبت طلاق تک پہنچا دینا۔""

پھر قرآنِ کریم کی تلاوت کے بعد وہ بیڈ پر بیٹھی سوچنے لگی:
"یا اللہ! یہ کیسے لوگ تھے جو اتنے اندھے ہو چکے تھے؟"
ایسے لوگ آج کے دور میں بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں ـــــ
جو شرک کرتے ہیں، جادو پر اندھا یقین رکھتے ہیں،
اور اپنے رب کو ناراض کر بیٹھتے ہیں۔

مثلاً:

کوئی بلی راستہ کاٹ جائے تو کہتے ہیں نقصان ہوگا،
فلاں کے گھر سے کوئی چیز آ گئی ہے تو اُس میں تعویذ ہوگا،
چابیاں ہلانے سے گھر میں لڑائی ہو جائے گی، وغیرہ...

اگر لوگ ان باتوں پر یقین کرنے کے بجائے یہ سوچیں
کہ کوئی بھی کام اللہ کے حکم کے بغیر نہیں ہو سکتا،
تو زندگی کتنی آسان ہو جائے۔

،لوگ جتنا یقین جادوگروں پر کرتے ہیں
،انھیں منہ مانگے پیسے دیتے ہیں
ـــــکبھی بکری، کبھی مرغی، تو کبھی گائے قربان کر دیتے ہیں
ان کی ہر بات ماننے لگتے ہیں۔

نا جانے کہاں کہاں سے لوگ آتے ہیں
،ایسے جاہل اور فریب دینے والوں کے پاس
جو جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

ـــــیہ سب تلخ حقیقتیں ہیں
اگر اتنا ہی یقین اللہ پر کر لیا جائے
:تو ذرا سوچیں
،وہ اللہ ، جو نہ ہم سے پیسے مانگتا ہے، نہ گھر، نہ جائیداد
ـــــنہ بکری، نہ مرغی
،وہ تو صرف اپنے بندے کی محبت چاہتا ہے
،جو ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والا ہے
جو ہماری لاکھوں غلطیوں اور گناہوں کے باوجود ہم سے محبت
کرتا ہے۔

:وہ رب، جو قرآن میں بار بار کہتا ہے
"مانگ، میرے بندے! تجھے کیا چاہیے؟"
اور بار بار کہتا ہے کیونکہ وہ ہم سے محبت کرتا ہے۔
وہ رب، جو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔
اگر ہم سچے دل سے توبہ کریں

تو وہ قیامت کے آنے تک ہر بار ہماری توبہ قبول کرتا ہے۔

لیکن جو لوگ کفر میں ڈوب جاتے ہیں،
اللہ اُن کی رسی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے...
گویا کہ فرماتا ہے:
"جا بندے، تو کب تک مجھ سے بھاگے گا؟
پوری دنیا گھوم لے،
لیکن ایک دن تجھے لوٹ کر میرے پاس ہی آنا ہے۔"

پھر وہ وقت آتا ہے جب وہ رسی کھینچ لی جاتی ہے،
اور انسان کا انجام بہت دردناک ہوتا ہے۔
تب توبہ کے دروازے بند ہو چکے ہوتے ہیں،
اور راہِ فرار باقی نہیں رہتی۔

یہ سب سوچتے سوچتے
پشمینہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے،
وہ اپنے گناہوں پر شرمندہ تھی——
لیکن اس کا دل مطمئن تھا
کہ اُسے اب صحیح راستہ مل چکا ہے۔

پھر نہ جانے رات کے کس پہر
اُس کی آنکھ لگ گئی...

سارہ اب یونیورسٹی سے فارغ ہو چکی تھی، اس لیے سارا دن
اپنے والدین کے ساتھ گزارتی۔
صبح نماز ادا کرنے کے بعد وہ اپنی امی کے ساتھ مل کر کھانا
بناتی،
پھر ناشتے کے بعد کچھ وقت اپنی پینٹنگ میں گزارتی،
کبھی کبھار بچوں کے پاس چلی جاتی، ان کے ساتھ وقت گزارتی،
پھر شام کو واپس آکر کھانا کھاتی،
نماز اور قرآنِ مجید کی تلاوت کرتی اور سو جاتی۔

اب وہ اپنے ماضی کو بڑی حد تک بھلا چکی تھی۔

ماہِ خدا
عزیزانِ من،
ماہِ رمضان اپنے دل و جان کو پاک کرنے اور
اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرنے کا بہترین موقع ہے۔

ہم سب کو اس تعلق کی ضرورت ہے۔
رمضان ایک ایسا مہینہ ہے جس میں ہمیں
اپنے نفس پر قابو پانا ہوتا ہے۔
اگر آپ اس مہینے میں کامیاب ہو جائیں،
تو آگے کی زندگی بھی آسان ہو جاتی ہے۔

یہ صرف پیاسا یا بھوکا رہنے کا مہینہ نہیں،
بلکہ اپنے نفس کو مارنے،

،اپنی خواہشات پر قابو پانے
اور روحانی طور پر بیدار ہونے کا وقت ہے۔

"ماہ رمضان ایک بہترین موقع ہے۔
مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے"
"لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔
(سورہ بقرہ: آیت 183)
رمضان کا مبارک مہینہ شروع ہو چکا تھا تو وہ صبح نماز تہجد پڑھنے کے بعد امی کے ساتھ مل کر سحری بناتی پھر سحری کرنے کے بعد بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرتی ۔اج وہ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 19 تا 25 تلاوت کر رہی تھی ۔
اس وقت کا دھیان کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ 'اے" میری قوم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر نازل فرمائی ہے کہ اس نے تم میں نبی پیدا کئے،تمھیں حکمران بنا اور تمھیں وہ کچھ عطا کیا جو تم سے پہلے دنیا جہان کے کسی نبی کو عطا نا کیا تھا۔اے میری قوم!اس مقدس سر زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمھارے واسطے لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل نا لوٹو،ورنہ پلٹ کر نا مراد ہو جاؤ گے ۔ وہ بولے "' اے موسیٰ اس ملک میں تو بڑے طاقت ور لوگ رہتے ہیں اور جب تک وہ لوگ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہم ہرگز وہاں داخل نہیں ہو گے۔ہوں اگر وہ نکل جائیں تو بیشک ہم وہاں داخل ہوجائیں گے۔جو لوگ خدا کا خوف رکھتے تھے ان میں سے دو مرد جن کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا تھا" بول اٹھے کہ تم ان پر چڑھائی کر کے شہر کے

دروازے میں گھس جاؤ تو ۔جب گھس جاؤ گے تم ہی غالب آؤ گے
،اپنا بھروسہ صرف اللہ پر رکھو اگر تم واقعی صاحب ایمان ہو۔وہ
کہنے لگے "'اے موسیٰ جب تک وہ لوگ اس ملک میں موجود ہے
ہم ہرگز ہرگز اس میں قدم نہیں رکھیں گے ۔اگر ان سے لڑنا ہے تو
بس تم اور تمہارا رب چلے جاؤ، سن سے لڑو اور ہم تو یہیں بیٹھے
ہیں ۔موسیٰ نے کہا "اے میرے پروردگار "'سوائے میری اپنی جان
اور میرے بھائی کے کوئی میرے قابو میں نہیں ہے۔ اب آپ ہمارے
اور ان نا فرمان لوگوں کے درمیان الگ الگ فیصلہ کر دیجئے ۔اللہ
نے کہا "'اچھا تو وہ سر زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی
گئی اور اس دوران یہ زمین میں بھٹکتے پھریں گے تو اے موسیٰ
"تم بھی ان نافرمانوں پر ترس مت کھانا۔
تشریح:: مقدس سر زمین سے مراد شام اور فلسطین کا علاقہ ہے ۔
چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کو انبیاء کرام کو معبوث کرنے
کے لیے منتخب فرمایا تھا اس لیے اس کو مقدس فرمایا گیا ہے
۔جس واقع کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے وہ مختصر یہ
ہے کہ بنی اسرائیل کا اصل وطن شام اور بالخصوص فلسطین کا
علاقہ تھا ۔فرعون نے ان کو مصر میں غلام بنا رکھا ۔جب اللہ تعالیٰ
کے حکم سے فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی
طرف سے حکم ہوا کہ اب وہ فلسطین میں جا کر آباد ہوں۔ اس وقت
فلسطین پر ایک ظالم کافر قوم کا قبضہ تھا جو کہ عمالقہ کہلاتے
تھے ۔ لہذا اس حکم کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ بنی اسرائیل فلسطین
جا کر عمالقہ سے جہاد کریں۔مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے
وعدہ بھی کرلیا گیا تھا کہ جہاد کے نتیجے میں تمھیں فتح
ہوگی،کیونکہ یہ زمین تمھارے مقدر میں لکھ دی گئی ہے ۔حضرت

موسیٰ علیہ السلام اس حکم کی تعمیل کے لیے فلسطین کی طرف روانہ ہوئے ۔جب فلسطین کے قریب پہنچے تو بنی اسرائیل کو پتہ چلا کہ عمالقہ تو بڑے طاقت ور لوگ ہے ۔دراصل یہ لوگ قوم عاد کی نسل سے تھا اور بڑے زبردست ڈیل ڈول کے مالک تھے ۔بنی اسرائیل ان کے ڈیل ڈول سے ڈر گئے اور یہ نا سوچا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے اور اس نے فتح کا وعدہ کر رکھا ہے ۔یہ دو صاحبان حضرت یوشع علیہ السلام اور حضرت کالب علیہ السلام تھے جو ہر مرحلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وفادار رہے اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت سے بھی سرفراز فرمایا ۔اور بنی اسرائیل کی اس نافرمانی کی نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا یہ دی کہ چالیس سال تک فلسطین میں ان کا داخلہ بند کر دیا یہ لوگ صحرائے سینا کے مختصر علاقے میں بھٹکتے رہے ۔"

اس بات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کا ساتھ دے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اور جو لوگ نافرمانی کرتے ہیں، ان کے لیے عذاب تیار ہوتا ہے۔

یہ سوچتے ہوئے اُس نے قرآنِ مجید بند کیا اور نیچے باغ میں جا کر بیٹھ گئی۔

سارہ،، صباء سے کال پر بات کرنے لگی۔

سارہ: السلام علیکم، صباء! کیسی ہیں آپ؟

صباء: وعلیکم السلام، الحمداللہ! میں بالکل ٹھیک ہوں، اور تم کیسی ہو؟

سارہ: الحمداللہ، میں بھی ٹھیک ہوں۔ رمضان کیسا گزر رہا ہے آپ کا؟

صباء: اللہ کا شکر ہے، بہت اچھا جا رہا ہے۔

سارہ: ماشاءاللہ! کبھی ہماری طرف چکر لگائیں نا۔
صباء: جی ضرور! بس مصروفیات کچھ زیادہ ہو گئی ہیں، اس لیے کہیں جانے کا وقت ہی نہیں ملتا۔
اور تم بتاؤ، بچے کیسے ہیں؟
سارہ: آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ الحمداللہ بچے بالکل ٹھیک ہیں، بس شرارتیں کچھ زیادہ ہو گئی ہیں۔
گھر کے کاموں کی وجہ سے ان کے پاس نہیں جا سکی، اس لیے دل اداس ہے ان کے لیے۔

صباء: اچھا شکر ہے، اب اداس مت ہو۔ ان شاء اللہ چند دنوں میں میں آپ کے گھر آؤں گی،..
تو ساتھ چلیں گے بچوں سے ملنے۔
سارہ: ٹھیک ہے، ان شاء اللہ !

صباء: سارہ، اس ہفتے بچوں کا رزلٹ آ رہا ہے اور یونیورسٹی میں تقریب ہے،
یاد ہے نا؟
سارہ: جی بالکل، یاد ہے۔
اور مجھے یقین ہے کہ میری کلاس کی پشمینہ اس بار فرسٹ آئے گی۔

بہت محنت کی ہے اُس نے، اور ماشاءاللہ بہت پیاری بچی ہے۔
صباء: ہاں، واقعی ماشاءاللہ بہت اچھی لڑکی ہے۔
بچاری کی ماں نہیں ہے نا، اس لیے اکثر چپ چپ رہتی ہے۔
سارہ: ہاں، بس کیا کہہ سکتے ہیں۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے، آمین۔
صباء: آمین۔۔۔
سارہ: چلیں، پھر بات ہوگی۔ اللہ حافظ!
سارہ ابھی فون بند کرنے ہی والی تھی کہ صباء نے ایک بار پھر کہا...

سارہ مجھے آپ سے ایک سوال پوچھنا ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں "لوگ کہتے ہیں ہم بھکاریوں کو نہ دیں تو پھر کیا کریں ، ہمیں سفید پوش نہیں ملتے اور نہ ہی معلوم ہے کہ سفید پوش کون کون ہے ...؟؟
سارہ نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔۔میں آپ کو تفصیلاً بتاتی ہوں کہ جو آپ کے گھر پانی سپلائی کرتا ہے وہ سفید پوش ہے ، کسی بینک کے باہر کھڑا گارڈ سفید پوش ہے ، آپ کے گھر کام کرنے والی خاتون ، گلی میں غبارے بیچنے والا ، چھان بورا خریدنے والا سفید پوش ہے ، کسی درخت کے سائے یا دھوپ میں کھڑا سبزی فروش بوڑھا سفید پوش ہے ، روزے کے ساتھ گھر گھر بائیک پہ فوڈ پانڈا پہنچانے والا نوجوان سفید پوش ہے ، کسی چوک میں دھوپ میں بیٹھ کر جوتے پالش اور گانٹھنے والا اور گلی کا خاکروب سفید پوش ہے ، آپ کے قریبی پارک کا مالی اور کسی مسجد میں پندرہ ہزار ماہانہ تنخواہ لینے والا امام سفید پوش

ہے ۔ ورکشاپ پہ کام کرنے والے بارہ تیرہ سالہ بچے سفید پوش ہیں ۔ سارا دن دھوپ میں سخت کام کرنے والا مزدور سفید پوش ہے ۔کسی گھر کا واحد کمانے والا فرد سفید پوش ہے ۔ آپ کے خاندان میں بھی کئی سفید پوش ہوں گے ----
ان کو تلاش کیجئے ،چہروں سے پہچانیے-- اور ان کے ہاتھوں میں ، ان کے گھروں میں چپکے سے دے آئیے "" اس طرح سے آپ خود سے نظریں ملا سکیں گے آپ کے کندھوں سے بوجھ کم ہو جائے گا ---
زندگی میں کبھی کسی کی خوشی کی وجہ بن کر دیکھیں ایک الگ ہی خوشی اور سکون ملے گا لیکن" ایسی خوشی سے بچیں جو دوسروں کو غم دے کر ملے---"اچھا صباء بعد میں بات ہوگی امی کے ساتھ افطار کا سامان بنانا ہے --افطار کرنے کے بعد سارہ بچوں کے لیے چیزیں لکھ رہی تھی جو کل وہ لیں جائیں گی---
چائے کا کپ لیے وہ چاند کو دیکھنے لگی۔ یہ منظر اس کا سب سے پسندیدہ منظر تھا۔
ایسا لگتا تھا جیسے وہ ان ٹھنڈی ہواؤں سے، چاند کی روشنی سے، اور رات کی خاموشی سے باتیں کیا کرتی ہو۔
یہ سب نظارے جیسے ہمیشہ اُس کا نوحہ سنتے تھے اور پھر دلاسہ دیتے:
"پریشان نہ ہو، اللہ ہے نا۔"
پھر وہ بیڈ پر لیٹ گئی اور صبح کا انتظار کرتے کرتے نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

رات کے اندھیرے میں وہ دبے پاؤں اُس کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آیا، جہاں وہ نیند کی وادیوں میں گم تھی۔
وہ چپ چاپ اس کے پاس بیٹھا اور اس کے ماتھے پر محبت سے بوسہ دیا۔
اس کی موجودگی محسوس کرتے ہی وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔
تب وہ اس کے کان کے قریب ہو کر دھیرے سے کہنے لگا:

"Happy birthday to you... Happy birthday, my doll."
"ہیپی برتھڈے ٹو یو... ہیپی برتھڈے میری گڑیا۔"

وہ لاکھوں میں بھی اس کی آواز پہچان سکتی تھی۔ روتے ہوئے فوراً اس کے گلے لگ گئی۔

"Brother, did you remember that today is my birthday?"
"بھائی! آپ کو یاد تھا کہ آج میری برتھڈے ہے؟"

وہ خوشی کے مارے رو رہی تھی۔
خیام نے مسکرا کر اسے خود سے الگ کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے گیا۔

باہر چاروں طرف روشنیوں کی بہار تھی۔ درمیان میں ایک میز سجی ہوئی تھی جس پر غبارے، گلاب کی پتیاں، اور ایک چاکلیٹ فلیور کا کیک رکھا ہوا تھا۔
پشمینہ میز کی طرف بڑھی، جہاں شہباز خان کھڑے مسکرا رہے تھے۔
انہوں نے اسے برتھڈے وش کیا اور گلے سے لگا لیا۔
پھر اس نے بابا اور بھائی کے ساتھ مل کر کیک کاٹا اور انہیں کیک کھلایا، اور پھر ان سے تحفے لینے لگی۔

شہباز خان نے اسے ایک لاکھ روپے کا چیک دیا تاکہ وہ اپنی پسند کی چیزیں خرید سکے۔
لیکن پشمینہ نے دل میں سوچ لیا کہ یہ چیک وہ مس سارہ کو دے گی تاکہ وہ بچوں کی مدد کر سکیں۔

خیام نے اسے ایک نہایت نفیس ڈائمنڈ رنگ دی، جس کے درمیان سبز اور چاروں طرف سفید ہیرے جڑے تھے۔
واقعی، خیام کی پسند بے مثال تھی۔
پشمینہ خوشی سے بھائی کے سینے سے لگ گئی، اور وہ دونوں صوفے پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، جبکہ شہباز خان سونے چلے گئے۔

"Brother, you know I have a new best friend. She's very beautiful and good."

"بھائی! آپ کو پتا ہے میری ایک نیو بیسٹ فرینڈ بنی ہے، وہ بہت
خوبصورت اور اچھی ہے۔"

"Well, is she even more beautiful and good than me?"
"اچھا؟ تو کیا وہ مجھ سے بھی زیادہ خوبصورت اور اچھی ہے؟"
خیام نے شرارت سے کہا۔

"Yes, of course. When you weren't with me, she supported me and took care of me."
"ہاں، بالکل۔ جب آپ میرے ساتھ نہیں تھے تو انہوں نے میرا ساتھ
دیا اور میرا خیال رکھا۔"

"Then I would like to meet her."
"پھر تو میں ان سے ملنا چاہوں گا۔"
اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"Yes, bro. My result is after two days, so you will go with me. I'll introduce you to my friend."
"جی بھائی، دو دن بعد میرا رزلٹ ہے، تو آپ میرے ساتھ چلیں
گے۔ میں آپ کو اپنی دوست سے ملواؤں گی۔"
خیام بھی ہنس پڑا۔

"Ok, come on. Now go to sleep, doll."
"اچھا چلو، ٹھیک ہے۔ اب جا کر سو جاؤ، گڑیا۔"
وہ اس کے سر کو چوم کر کہنے لگا اور خود بھی جا کر سو گیا۔۔۔

آج وہ اور صباء صبح سے بچوں سے ملنے آئی ہوئی تھیں۔
ان کے لیے نئے کپڑے، جوتے اور کھانے پینے کا سامان لے کر آئی تھیں۔
پھر وہ انہیں لے کر پارک گئیں جہاں بچوں نے خوب انجوائے کیا۔
شام کے قریب انہیں آئس کریم کھلا کر واپس چھوڑ آئیں، اور خود گھر واپس آ گئیں۔
پھر دلاور خان اور پلوشہ کے ساتھ افطار کیا۔ صباء ڈرائیور کے ساتھ گھر چلی گئی تو وہ بھی اپنے کمرے میں آ کر سو گئی۔

رزلٹ کا دن آ گیا تھا۔
سارہ صبح سحری کے بعد نماز کے لیے اٹھی، اور نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔
وہ سب کے لیے دعا کرتی تھی، سوائے اپنے۔
ہر کسی کی خوشی اور بھلائی مانگتی تھی، سوائے اپنی۔

پھر ہلکے گلابی رنگ کا فراک اور سفید پاجامہ پہن کر آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی۔
اپنے بالوں کا جھوڑا بنا کر سفید رنگ کا حجاب سیٹ کیا، اور ہونٹوں پر ہلکی گلابی لپ اسٹک لگائی۔

وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔
پھر والدین سے دعائیں لے کر یونیورسٹی کے لیے روانہ ہو گئی۔

ادھر پشمینہ مہرون رنگ کا لونگ فراک پہنے، اپنا سکن کلر کا حجاب ٹھیک کر رہی تھی جب خیام دروازے پر دستک دے کر اندر آیا۔
اسے دیکھ کر وہ حیران رہ گیا، کیونکہ وہ حجاب کے ساتھ کسی پری کی طرح لگ رہی تھی۔۔۔

"گڑیا! یہ تم اتنی بدل کیسے گئی ہو؟ اچانک سے اتنی سمجھ دار...
اور یہ حجاب کب سے شروع کیا؟"
وہ بیڈ پر بیٹھ کر پوچھ رہا تھا۔۔۔
"ہاہاہا بھائی! سمجھ دار تو میں پہلے ہی تھی، بس کبھی فخر نہیں کیا۔ اور یہ حجاب پہلے اللہ اور پھر مس سارہ کی وجہ سے ممکن ہوا۔"
وہ اس کے پاس بیٹھ کر بولی تو خیام ہنس پڑا۔

آج وہ بھی بلیک شرٹ اور بلیک جینز پہنے، بال ہمیشہ کی طرح ماتھے پر بکھرے ہوئے، ہونٹوں پر ہلکی مسکراہٹ سجائے، اور دائیں ہاتھ میں سرخ پتھر والی انگوٹھی پہنے ماشاءاللہ عربی شہزادہ لگ رہا تھا۔

پھر دونوں یونیورسٹی پہنچے۔
تقریب شروع ہو چکی تھی۔

سامنے ٹیچرز اور پرنسپل شہباز خان بیٹھے تھے، اور ان کے پیچھے طلبہ اور ان کے والدین۔
خیام ماسک لگائے پشمینہ کے ساتھ دوسری قطار میں بیٹھا تھا۔
کافی لوگ اس کے حسن پر فدا نظر آ رہے تھے۔
پورا ہال خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔

شہباز خان اسٹیج پر آ کر بولے:

"The moment you all have been waiting for has arrived. The student who topped the entire district is..."
"وہ لمحہ آ گیا ہے جس کا آپ سب کو انتظار تھا۔ وہ طالبہ جس نے پورے ضلع میں ٹاپ کیا، ان کا نام ہے..."

ادھر پشمینہ نے خیام کا ہاتھ پکڑ کر آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

"Her name is... Pashmina Khan!"
"ان کا نام ہے... پشمینہ خان!"
زوردار تالیاں بجنے لگیں۔

پشمینہ خوشی اور حیرت سے بھائی سے لپٹ گئی، اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اسٹیج کی طرف بڑھنے لگی۔
جب وہ اسٹیج کی طرف جا رہے تھے تو سب لوگ اس شہزادے کو دیکھ کر ماشاءاللہ پڑھنے لگے۔

ایک لمحے کے لیے سارہ کی نظر بھی اس پر جم گئی۔ یہ چہرہ کیوں جانا پہچانا لگ رہا تھا ---

پھر پشمینہ نے مائیک تھام کر کہا:

"First of all, thanks to my Allah and then to all of you who helped me reach this place. I request Miss Sarah to please come on stage and give me the medal with her own hands."

"سب سے پہلے میرے اللہ کا، اور پھر آپ سب کا بہت شکریہ، جن کی وجہ سے مجھے یہ مقام ملا----
میں مس سارہ سے گزارش کرتی ہوں کہ وہ اسٹیج پر آئیں اور مجھے اپنے ہاتھوں سے میڈل پہنائیں۔"

سارہ لائٹس کی روشنی میں چلتی ہوئی اسٹیج پر آئیں۔
خیام کی نگاہ ان پر پڑی تو وہ ہٹانا بھول گیا۔
یہ وہی چہرہ تھا جسے وہ گزشتہ سات سالوں سے پاگلوں کی طرح تلاش کر رہا تھا۔
اور آج، وہ اس کے بالکل سامنے کھڑی تھی۔
وہی گھنی پلکیں، گلابی مسکراتے ہونٹ، ہلکا سا میک اپ، اور سفید حجاب---
وہ آج بھی بالکل شہزادی لگ رہی تھی۔
خیام کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔

اس وقت، مس سارہ نے پشمینہ کو میڈل پہنایا اور گلے لگا کر مبارکباد دی۔
اچانک ان کی نگاہ خیام پر پڑی۔
چند لمحوں کے لیے دونوں کی نظریں ملیں،
پھر سارہ نے نظریں جھکا لیں۔

پشمینہ نے مس سارہ کو بتایا،
"یہ میرے بھائی خیام ہیں، اور یہ ہیں میری مس سارہ۔"

پھر خیام کے ساتھ نیچے آ گئی۔
خیام نے اسے "ضروری کام" کا کہہ کر وہاں سے رخصت لی۔

پیچھے، تقریب دوپہر ایک بجے ختم ہوئی۔
مس سارہ گھر آ کر دوپہر کی نماز ادا کرنے لگیں۔
جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، تو خیام کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آنے لگا۔
انہوں نے سر جھٹکا، اور پھر دعا مانگ کر سو گئیں۔
آج وہ کافی تھک گئی تھیں۔

ادھر خیام کھلی فضا میں صنوبر کے درختوں کے نیچے بیٹھا اس شہزادی کو سوچ رہا تھا:
کہاں ممکن تھا کہ جسے وہ برسوں سے دیوانہ بن کر ڈھونڈ رہا تھا،

آج قسمت اسے خود لے آئی۔

"You have made me wait too long. I won't let you get away from me now. That's my promise... Miss Sara."

"نہیں... بلکہ مسز خیام۔"

پھر ساری رات باہر گزارنے کے بعد، صبح کے قریب گھر واپس آ کر خیام کاشان سے بات کرنے لگا۔

خیام: "ہاں کاشان، کیسے ہیں سب؟"
کاشان: "میں ٹھیک ہوں، آپ سناؤ؟"
خیام: "بالکل ٹھیک۔ اور وہاں سب بچے کیسے ہیں؟ ان کے گھر والے؟ کیا سامان پہنچا دیا تھا؟"
کاشان: "جی بھائی، سب ٹھیک ہے۔ اور بغیر کسی کی نظر میں آئے، سارا سامان اور پیسے ان کے گھروں تک پہنچا دیے ہیں۔"
خیام: "اوکے، ٹھیک ہے۔ شکریہ! اچھا، یہ بتاؤ باقر پاشا کے بارے میں کوئی خبر ملی؟"
کاشان: "ہاں بھائی، آج کل وہ ترکی میں ہے۔"
خیام: "اچھا ٹھیک ہے، میں کل صبح کی فلائٹ سے آ رہا ہوں۔"

کال بند کر کے کاشان ہوٹل میں کھانے چیک کرنے لگا۔
"دیکھو، آج کا کھانا اسپیشل ہے۔
کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے۔

"اگر غلطی ہوئی، تو وہ بندہ جان سے جائے گا۔

ادھر خیام نے سارا وقت سارہ کو یاد کرتے ہوئے گزارہ...
صبح پشمینہ اور شہباز کو اطلاع دے کر، پہلی فلائٹ سے قطر ایئرپورٹ پر پہنچا۔
وہاں کاشان اور اس کے دس گارڈز خیام کو لینے آئے۔

کاشان نے مسکرا کر اسے گلے لگایا اور کار کی طرف لے آیا۔
لوگ مڑ مڑ کر ان خوبرو نوجوانوں کو دیکھ رہے تھے۔

کار میں بیٹھ کر، کاشان نے بتایا:
"بھائی، ترکی کے لیے آج رات کی ٹکٹ بک ہو گئی ہے۔"
خیام نے "ہمم" کہا، اور اپنے لیپ ٹاپ میں کچھ ڈیٹا کھول کر آدمیوں کی تفصیلات نکالنے لگا۔
پھر لیپ ٹاپ کاشان کی طرف کرتے ہوئے بولا:
"یہ دیکھو، یہ اس کے آدمی ہیں..."

یہ دیکھو یہ دو باقر پاشا کے خاص آدمی ہے اس کا نام جونی اور دوسرے کا جیک ہے یہ جب چھوٹے تھے تو باقر پاشا نے انہیں پناہ دی اور انھیں اپنے برے کاموں میں ملوث کیا۔۔۔
آج یہ دونوں اس کے بازوں کہلاتے ہیں یہ اس کے ہر کالے دھندے کام اتنی صفائی سے کرتے ہیں کہ آج تک ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی گئی کیونکہ ثبوت نہیں ملے۔۔۔۔
آج وہ یہیں قطر میں ہے تو دوپہر کو ان سے ملاقات کرتے ہیں۔۔۔تو پہلے باقر پاشا کے ہاتھ کاٹ دیتے ہیں۔۔کاشان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا ۔۔۔تو کاشان مسکرا کر کہنے لگا "مطلب بھائی آج تو بہت مزہ آنے والا ہے "
ان کی کاریں ایک بہت بڑے فائیو سٹار ہوٹل کے سامنے رکی تو خیام نے اشارے کے ساتھ کاشان اور اپنے گارڈز کو الگ الگ راستے سے روم نمبر 20 اور 21 میں داخل ہونے کا کہا۔۔۔ خود تین گارڈز کے ساتھ ہوٹل کے میٹینگ روم کی طرف بڑھا جہاں اسے دروازے پر دو ماسک لگائے گارڈز نظر آئے تو خیام نے اپنے گارڈز کو اشارہ کیا تو وہ ان کے پاس جا کر ان دونوں کی گردنیں ایک جھٹکے سے توڑ کر انھیں سائیڈ پر چھپا چکے تھے۔۔۔
خیام ماسک لگائے اندر آیا جہاں جیک دو لڑکیوں کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا ان لڑکیوں کو دیکھ کر صاف لگ رہا تھا کہ ان کو زبردستی یہاں لایا گیا ہے ۔۔جیک جلدی سے کھڑا ہو گیا تم کون ہو؟؟؟ یہاں کیا کر رہے ہوں!!!اس کے ہاتھ میں گن تھی۔۔
اور kkخیام اس سے کچھ قدم کے فاصلے پر کھڑا ہو کر بولا ۔۔۔ مسکرانے لگا تو جیک ڈر کے مارے پیچھے ہو گیا کیا کہا خیام خان تتم یہاں کیسے آئے اور ہمارا پتہ کیسے چلا۔۔۔

تمھیں ڈھونڈنا میرے لیئے کوئی مشکل کام نہیں تھا،، پتا ہے اب تمھیں مارنے کے بعد اگلی باری باقر پاشا کی ہوگی اسے تو میں کتے کی موت ماروں گا لیکن افسوس یہ سب دیکھنے کے لیے تم زندہ نہیں رہوں گے ۔۔کہتے ہوئے چار گولیاں اس کے سینے میں اتار دی ۔۔لڑکیاں ڈر کے مارے چیخیں مارتی سائیڈ پر چھپ گئی تو خیام نے اپنے گارڈز کو آگے بھیج کر انھیں یقین کروایا کہ وہ انھیں بچانے آئے ہیں تب تک کاشان بھی جونی کا کام تمام کر چکا تھا اور ان کی قید میں رکھی گئی لڑکیوں کو کسی محفوظ جگہ پہنچا دیا۔۔۔

کاشان واپس اپنے ہوٹل میں آکر کھانا کھانے کے بعد باقر پاشا کو مارنے کے لیے پلان بنانے لگے ۔۔بھائی اس کو مارنا کافی مشکل ہوگا کیونکہ وہاں تقریباً بیس لوگ اور بھی ہوں گے اور خاص کر پاشا بہت تیز ہے اگر اسے پتہ چلا کہ ہم اسے مارنے آئے ہیں تو وہ ان لڑکیوں کو نقصان پہنچا دے گا۔۔۔

کاشان بتانے لگا تو خیام کرسی پر سر پیچھے کیئے ڈرنک کرتا ہوا اسے کہنے لگا ۔۔۔"ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہوں لیکن تم جانتے ہو یہ کام میرے لیے دلچسپ ہے اب چلو وقت ہو گیا ہے کہتا ہوا اپنی بلیک ہڈی پہنے چہرے پر ماسک لگائے کار فل سپیڈ سے دوڑانے لگا جیسے وہ باقر پاشا کے خون کا پیاسا ہو""""

تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر ایک سفید بنگلے سے کچھ فاصلے پر کار سے اتر کر کاشان کو گارڈز کے ساتھ بنگلے کے

پیچھے والی دیوار پھلانگ کر اندر جانے کے لیے کہا اور خود
ایک پیزا بوائے بن کر دروازے تک آیا ---
تو ایک گارڈ گن لیئے اس کے پاس آیا کیا کام ہے -وہ سر اسی
ایڈریس سے پیزا آرڈر کیا گیا ہے تو گارڈ نے اسے اندر جانے دیا
کیونکہ ان کے پاس اہم خبریں ہوتی ہیں وہ پہلے بھی پیزا دینے اندر
لے جاتے ہیں----
انھیں لگا کہ یہ بھی باقر پاشا کا کوئی آدمی ہے خیام جیسے اندر
داخل ہوا تو اس نے اردگرد نظر دوڑائی جہاں اسے کچھ فاصلے پر
صرف چھ آدمی تھے ---

پھر اس نے چاقو نکالا اور ایک گارڈ کی گردن کاٹ دی،
جبکہ ایک سیکنڈ میں دوسرے کے ماتھے پر گولی مار دی۔
پھر دونوں لاشوں کو پودوں کے پیچھے چھپا دیا اور آہستہ آہستہ
آگے بڑھنے لگا۔
ہر طرف پودے اور درخت لگے ہوئے تھے۔
جب وہ ان چاروں آدمیوں کے قریب پہنچا، تو ایک سیٹی بجائی،
جس پر پیچھے سے دو فائر ہوئے اور دو گارڈز گر پڑے،
جبکہ باقی دو کی گردنیں خیام نے کاٹ دیں،
پھر وہ کاشان کی طرف بڑھا۔

کاشان: "بھائی، اب اندر خطرہ زیادہ ہوگا، سنبھل کر۔"

خیام نے ایک انگلی ہونٹوں پر رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا،
اور مزے سے چلتا ہوا اندر آ گیا۔

اندر بیس کے بجائے تیس آدمی کھڑے تھے۔
کاشان یہ دیکھ کر کچھ گھبرا گیا،
مگر خیام مزے سے جا کر صوفے پر بازو پھیلا کر بیٹھ گیا۔

وہاں موجود سب لوگ اور باقر پاشا حیران تھے کہ یہ کون ہے جو
اتنے اطمینان سے بیٹھ گیا؟

پاشا کا آدمی: "تم کون ہو؟ اور کیوں آئے ہو؟"

کاشان (طنزیہ انداز میں): "یہ Khayyam Khan ہے، اور میں
اس کا دوست کاشان۔ ہم یہاں تمھاری موت بن کر آئے ہیں۔"

یہ سن کر باقر پاشا کو غصہ آیا:
"تو خیام، تم یہاں پہنچ ہی گئے؟ افسوس کی بات ہے، جو کام کسی
اور کو کرنا چاہیے تھا، وہ تم کر رہے ہو۔
تم مجھے مارنے آئے ہو، وہ بھی اتنے لوگوں کے درمیان؟
شاید تمھیں مرنے کا شوق ہے، اسی لیے خود چل کر آئے ہو؟"

خیام چاقو کو ہاتھ میں گھماتے ہوئے بولا:
جس پر خوبصورت انداز میں "KK" لکھا ہوا تھا:
"پاشا، تمھیں کیا لگتا ہے؟ میں ان لوگوں سے ڈرتا ہوں؟
تمھاری موت آج طے ہے، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔"

پاشا نے گارڈز کی طرف اشارہ کیا،

لیکن وہ چونک گیا جب گارڈز نے اپنی بندوقیں اپنے ہی آدمیوں پر تان لیں۔

خیام: "تمھیں کیا لگتا ہے کہ یہ سب تمھارے وفادار ہیں؟
بلکل نہیں!
ان میں سے آدھے میرے آدمی ہیں، جو مجھے پل پل کی خبر دیتے رہے ہیں۔"

پھر اس نے کاشان کو اشارہ کیا اور خود لڑکیوں کو چھڑانے چلا گیا۔
پیچھے کاشان اور گارڈز نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔

پاشا جلدی سے دیوار کے پیچھے چھپ گیا،
اور وہیں سے فائر کرنے لگا،
ایک گولی کاشان کے بازو پر لگی،
لیکن کاشان نے فوراً اس کے ہاتھ پر گولی مار دی،
جس سے اس کی بندوق دور جا گری۔

دس منٹ میں گارڈز نے تمام دشمنوں کا خاتمہ کر دیا۔
اب خیام بیس لڑکیوں کو نیچے لے آیا۔
جہاں ان سب لڑکیوں نے پاشا کو خوب مارا،
کسی نے جوتا مارا،
کسی نے تھپڑ مارا،
غصے اور انتقام سے بھری ہوئی تھیں سب۔

پھر خیام ،،پاشا کو گھسیٹتے ہوئے اس کے پالتو کتوں کے پنجرے کے پاس لایا۔
کاشان نے پنجرہ کھولا،
خیام نے فوراً پاشا کو اندر دھکیل کر دروازہ بند کر دیا۔

اس کی چیخیں ہر طرف گونج رہی تھیں،
کتے اس کے جسم کو نوچ رہے تھے۔
ہر طرف خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔
لڑکیاں اس کی حالت دیکھ کر شکر بھی کر رہی تھیں اور کانپ بھی رہی تھیں۔

یہ ویڈیو خیام نے سوشل میڈیا پر اپلوڈ کر دی۔
پھر کاشان سے کہا:
"تم ان لڑکیوں کو نرگس کے پاس چھوڑ آؤ۔"
(نرگس ان کی ٹیم کی ایک ہیکر تھی،
جو اغواء شدہ لڑکیوں کو بحفاظت ان کے گھروں تک پہنچا دیتی تھی،
چاہے وہ پاکستان میں ہوں یا کسی اور ملک میں۔)
خیام ہوٹل واپس جا کر فریش ہونے چلا گیا۔
رات کو وہ کاشان کے ساتھ کلب میں آیا،جہاں ان کی پوری ٹیم اس کا انتظار کر رہی تھی۔
آج پاشا کی موت کی خوشی میں پارٹی رکھی گئی تھی۔

خیام نے اذلان کو بھی دعوت دی تھی لیکن اسے اپنی ٹیم کے ساتھ کسی آپریشن میں جانا پڑا ---

سب خوش تھے،
کسی کے ہاتھ میں ڈرنک تھا،
کوئی باتوں میں مصروف تھا،
مگر خیام الگ بیٹھا صرف سارہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

کل وہ اس کے پاس جانے والا تھا۔
اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے مل گئی ہے۔
وہ شہزادی صرف اسی کی تھی۔

خیالات میں گم تھا کہ کاشان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:
"بھائی، آج تو ایک گانا سنا ہی دو، سب پر اپنی آواز کا جادو جگا دو۔
اب تو آپ کو اردو بھی آتی ہے!"

خیام نے منع کرنا چاہا،
مگر کاشان نے زبردستی اسے اسٹیج پر بٹھا کر مائیک تھما دیا۔
کلب کی تمام لائٹس بند کر دی گئیں،
بس ایک روشنی خیام پر پڑ رہی تھی۔
وہ سب کی توجہ کا مرکز بنا بیٹھا تھا۔

،اس کے سفید ہاتھ میں سرخ انگوٹھی چمک رہی تھی
،مائیک تھاما، دوسرا ہاتھ سینے پر رکھا
:آنکھیں بند کیں، اور کہنے لگا

"تو ہی حقیقت، خواب تو---
دریا تو ہی، پیاس تو---
تو ہی دل کی بے قراری
تو سکوں، تو سکوں---
جاؤں میں اب جب جس جگہ
پاؤں میں تجھ کو اُس جگہ
ساتھ ہو کے نا ہو تو اے روبرو
ہم سفر تو، ہم قدم تو، ہم نواح میرا---"

وہاں بیٹھے سب لوگ اس کی خوبصورت آواز میں مدہوش ہو گئے۔
،کاشان اس کی اردو سن کر حیران رہ گیا
ویڈیو بھی بنا رہا تھا۔

اس کے علاوہ کسی کی ہمت نہ تھی۔
،خیام، چہرے پر بلیک ماسک
،نیلی آنکھیں
،ماتھے پر بکھرے سیاہ بال
،بلیک شرٹ اور براؤن پینٹ میں
اپنی وجاہت کے ساتھ حسین ترین مرد لگ رہا تھا

اس جہاں میں ہے اور نا ہوگا۔۔
مجھ سا کوئی بھی خوش نصیب ---
تو نے مجھ کو دل دیا ہے،میں ہوں تیرے سب سے قریب --
میں ہی تو تیرے دل میں ہوں ----
میں ہی تو سانسوں میں بسوں ---
تیرے دل کی دھڑکنوں میں ---
میں ہی ہوں، میں ہی ہوں ---
تو ہم سفر تو،ہم قدم تو،ہم نواح میرا ---
تو ہم سفر تو،ہم قدم تو،ہم نواح میرا---
کب بھلا اب یہ وقت گزرے---
کچھ پتا چلتا ہی نہیں ---
جب سے مجھ کو تو ملا ہے--
ہوش کچھ بھی اپنا نہیں ---
تو ہم سفر تو،ہم قدم تو،ہم نواح میرا ---
تو ہم سفر تو،ہم قدم تو،ہم نواح میرا---

خیام نے گانا ختم کیا تو پورا کلب تالیوں سے گونج اٹھا ہر کوئی اسے داد دے رہا تھا ۔۔خیام ،، کاشان کو لے کر ائیرپورٹ آیا رات ایک بجے کی فلائٹ سے پاکستان واپس جانا تھا کاشان اسے الوداع کرنے کے بعد واپس گھر آگیا ----

ساره جب گھر واپس آئی تو عصر کا وقت ہو چکا تھا اپنے کمرے میں بیٹھی انسٹا گرام پر اپنے پسندیدہ کچھ الفاظ پوسٹ کر رہی تھی واصف علی واصف کے الفاظ تھے ۔

جب کوئی اچھا لگتا ہے۔ تو اس کا برا بھی اچھا لگتا ہے، محبت اندھی نہیں ہوتی فراخ دل ہوتی ہے عیب دیکھتی ہے مگر نظر انداز کر دیتی ہے"

ابھی وہ پوسٹ دیکھ رہی تھی جب اس کی نظر اس وڈیو پر پڑی جو کہ رات کو اپلوڈ کی گئی تھی اور لاکھوں لوگ دیکھ چکے تھے شاید وہ ایک کلب کی وڈیو تھی---

جب اس نے چلائی تو اس کی آواز کے جادو نے سارہ کو بھی اپنی قید میں لے لیا وڈیو سائیڈ سے بنائی گئی تھی لیکن وہ کوئی شہزادے سے کم نہیں تھا اس کے نام میں kk لکھا ہوا تھا اور ملک kkقطر تھا جب سارہ نے گانا سن لیا تو سوچ میں پڑ گئی یہ کا کیا مطلب ہے ---ماشاء اللہ کتنی خوبصورت آواز ہے اگر یہ قرآن کریم کی تلاوت کرتا تو کتنا اچھا لگتا اور نیلی آنکھیں اسے آج والے فنکشن میں موجود پشمینہ کے بھائی کا خیال آیا ---

نہیں نہیں وہ نہیں ہو سکتا وہ تو کوئی کھڑوس انسان لگ رہا تھا اور یہ تو کوئی بہت نرم مزاج ،خوبصورت آواز کا مالک ہے --پھر اپنی ہی باتوں پر ہنسنے لگی ---اسے کیا پتا تھا کہ صبح اس کی زندگی کتنی بدل جائے گی ---

پھر اس کے سامنے کچھ بھی نہ دلنشین لگا
وہ مسکـــراتے ہوئے اس قدر حسین لگا

صبح کو سارہ اٹھ کر روزہ رکھنے کے بعد بچوں کے لیے مٹھائی لے کر ان سے ملنے چلیں گئیں جب دوپہر کو گھر واپس آئی تو

سامنے صوفے پر اس کے باپ ساتھ کوئی ماسک لگائے بیٹھا تھا اور دوسرا اس کے پیچھے کھڑا تھا اور پلوشہ پریشان سی بیٹھی تھی وہ آکر پوچھنے لگی بابا یہ لوگ کون ہے ۔۔تو جواب خیام نے دیا

"ہم یہاں آپ کا رشتہ لے کر آئے ہیں۔۔"

"کیا کہا آپ نے ایسا نہیں ہو سکتا،،بابا یہ لوگ کون ہیں ان کو گھر سے نکالیں وہ ایک دم غصے میں آ گئی ----"

"بیٹا میں نہیں جانتا کہ یہ لوگ کون ہے دلاور خان پریشان ہو کر کہنے لگے"

"آپ لوگ جو بھی ہیں ابھی اور اسی وقت یہاں سے نکل جائیں ورنہ میں شادی نہیں کرنا چاہتی---"

اچھا،،،دیکھیں سیدھی طرح میری بات مان لیں ورنہ میں اپنے طریقے سے منوا لوں گا ----

وہ پر سکون سا بولا

ورنہ کیا کریں گے آپ!!؟ سارہ بھی ضدی تھی---- خیام نے گن نکال کر شہباز کے سر پر تان لی---

(پلوشہ ایک دم سے ڈر کر کہنے لگی---)

" نہیں نہیں ،،ایسا مت کرو --- "

ادھر سارہ ایک دم سے بے بس ہو کر رونے لگی تو شہباز خان نے کہا---
" بیٹا تم اس کی بات نہیں سنو گی چاہے میری جان کیوں نا چلی جائیں-----
ادھر خیام دس تک گنتی گننے لگا تو سارہ نے مجبور ہو کر تھک کر اس کی بات مان کر اس سے نکاح کے لیے راضی ہو گئی ---
پھر مولوی کو بلا کر نکاح کیا گیا جس میں حق مہر تین کروڑ تھا---
خیام نے دلاور خان کو مبارکباد دے کر کہنے لگا---
"اب یہ میری بیوی ہے دو دن بعد آ کر لے جاؤں گا تب تک ان کا خیال رکھیں "
Now this is my wife, I will come and take her after two days, till then take care of her
اور باہر نکل گیا---
پیچھے سارہ باپ کے گلے لگ کر بے تحاشا رونے لگی تو اسے ماں اور باپ نے مشکل سے چپ کرواتے ہوئے کمرے میں آرام کرنے کے لیے آئے---
لیکن آرام اب اس کی زندگی میں کہاں تھا اصل قیامت تو رات کو آنا باقی ہے ----
سارہ دوپہر سے کمرے میں بیٹھی اپنی قسمت پر رو رہی تھی اللہ سے شکوہ کر رہی تھی کہ یا اللہ یہ سب کیوں ہوا اور وہ بھی اس طرح ----

یا اللہ اب میں کیا کروں گی وہ تو دو دن کا کہہ گیا ہے پھر پتہ نہیں مجھے کہاں لے جائے گا وہ انھیں سوچوں میں گم تھی جب اس کی امی اس کے لیے افطار کا سامان لے آئیں اور اس کے ساتھ بیٹھ کر افطار کیا۔۔

پلوشہ اسے گلے لگا کر روتے ہوئے کہنے لگی بیٹا ہمیں معاف کر دو ،ہم تمھارے لیے کچھ نہیں کر سکے اگر تمھارے بابا بیمار نا ہوتے تو وہ کبھی ایسا نا ہونے دیتے۔۔۔ شاید قسمت نے ہمیں اس قدر مجبور کر دیا ہے کہ ہم صرف بیٹھ کر تماشا دیکھ سکتے ہیں ---

نہیں امی اس میں آپ لوگوں کی کوئی غلطی نہیں ہے ،بس میری قسمت ہی اتنی بری ہے کہ مصیبت خود چل کر مجھ تک آتی ہیں اور ہمیشہ کی طرح میں اتنی بےبس ہوں کہ کچھ نہیں کر سکتی ----

تبھی اس کے نمبر پر کال آنے لگی تو اس نے انجان نمبر سمجھ کر کال کاٹ دی لیکن پھر دوبارہ آئی تو اس نے مجبوراً کال اٹھا لی---

جی کون؟

کیا آپ مس سارہ ہیں؟

ہاں، میں مس سارہ ہوں۔ کیا ہوا ہے؟

وہ... آپ کے بچوں والے عمارت میں آگ لگ گئی ہے، سب کچھ جل رہا ہے۔ آپ جلدی آ جائیں۔

یہ سنتے ہی وہ بغیر جوتا پہنے باہر کی طرف بھاگی۔ ماں نے پریشان ہو کر پوچھا:

"بیٹا کیا ہوا ہے؟"

"امی! بچوں کے عمارت میں آگ لگ گئی ہے، مجھے فوراً جانا ہوگا!"

پھر جلدی سے کار ڈرائیو کرتے ہوئے دعائیں کرنے لگی:
"یا اللہ ، یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ میرے اللہ -- میرے بچوں کی حفاظت فرما۔ ان کو کچھ نہ ہو، میرے مالک!"

جب وہاں پہنچی تو پوری عمارت آگ کی لپیٹ میں تھی۔ فائر بریگیڈ کی دو گاڑیاں آگ بجھانے میں مصروف تھیں۔ باہر لوگ جمع تھے اور ہر طرف چیخ و پکار مچی ہوئی تھی۔
"آگ بجھاؤ! بچوں کو بچاؤ!"
سارہ بنا رُکے اندر بھاگ گئی۔ لوگوں نے روکنے کی کوشش کی، مگر وہ دھوئیں اور آگ کے بیچ میں داخل ہو گئی۔ ہر طرف دھواں اور شعلے تھے۔ سب کچھ جل رہا تھا۔

اچانک اسے کسی کمرے سے بچوں کی رونے اور چیخنے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ فوراً اُس طرف دوڑی، جہاں کئی بچے بے ہوش اور کچھ جھلس چکے تھے۔ وہ انھیں سنبھال کر دروازے کی طرف لائی، جہاں لوگوں نے بچوں کو اٹھا لیا۔

سارہ دوبارہ اندر کی طرف بھاگنے لگی، مگر تبھی ایک جلتی ہوئی بھاری لکڑی اس پر آ گری۔
وہ زور سے چیخی اور وہیں بے ہوش ہو گئی۔

اُدھر خیام، جو باہر پہنچ چکا تھا، دیوانہ وار اندر بھاگا۔ جب اس نے سارہ کو بے ہوش حالت میں دیکھا، تو تیزی سے لکڑی ہٹا کر اسے باہوں میں اٹھایا اور باہر لے آیا۔ اسے قریبی اسٹریچر پر لٹایا۔ اس

کے والدین اسے روتے ہوئے ایمبولینس میں ڈال کر اسپتال لے گئے۔

سارہ بے ہوشی میں بھی بس یہی کہہ رہی تھی:
"میرے بچے... میرے بچے..."

اس کے والدین بے بسی سے روتے ہوئے اسے ICU میں لے جاتے دیکھتے رہے۔
پلوشہ، اپنے شوہر کے گلے لگ کر زاروقطار رو رہی تھی:
"یا اللہ ! یہ کیسی آزمائش ہے میری بچی پر... تو مدد فرما!"

ادھر خیام بلڈنگ کے اندر داخل ہوا جہاں بہت سارے بچے جلے ہوئے پڑے تھے انہیں ایک ایک کر کے اٹھا کر باہر لے آیا --یہ رات واقعی قیامت کی رات تھی ہر ایک کی آنکھوں میں آنسوں جاری تھے جب بچوں کی لاشیں اٹھا کر باہر آیا تو ہر طرف فضا رونے کی آوازوں سے گونج اٹھی تھی----
ان کو ہسپتال منتقل کیا تو خوشی قسمتی سے پانچ بچے سارہ کی وجہ سے بچ گئے تھے اور" ان کا گارڈز شدید زخمی ہونے کے باعث اس دنیائے فانی سے رخصت ہو چکا تھا لیکن اس نے مرنے سے پہلے دانیال کا نام لیا تھا---"
جب ازلان اور خیام ہسپتال پہنچے تو سامنے ہی سارہ کے والدین روتے ہوئے دعائیں کر رہے تھے پھر ازلان ان کے پاس جا کر ان کو حوصلہ دینے لگا --- تین گھنٹے کے بعد ڈاکٹر ICU میں سے باہر آئی --

شکر ہے اب مریض کی جان خطرے سے باہر ہے لیکن ابھی آپ ان سے نہیں مل سکتے
تو سب نے سکھ کا سانس لیا اور شکر ادا کرنے لگے تو دوسری طرف بچوں کی لاشیں دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا تھا
خیام اندر آیا جہاں سارہ کا وجود بے شمار مشینوں میں جکڑا ہوا تھا چہرے،بازو پر جگہ جگہ جلنے کے زخم تھے ----
جبکہ کمر پر بھی پٹیاں باندھی ہوئی تھی اور دونوں ہاتھوں میں برنولے لگے ہوئے تھے یہ چہرہ اُس ہنستے مسکراتے ہوئے چہرے سے بالکل الگ تھا زرد ----
خیام اس کے پاس بیٹھ کر اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر کہنے لگا۔
مجھے معاف کر دیں۔۔ میں آپ کی حفاظت نہیں کر سکا آج میری وجہ سے آپ اس حالت میں ہیں --پلیز جلدی سے ٹھیک ہو جائیں مجھ سے آپ کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی ---

"آپ کو پتہ جب پہلی بار آپ کو اس رات دیکھا تھا ---"

"میں اپنی تمام دنیا بھول بیٹھا تھا اس رات جب---"

"جب میں نے آپ کو دیکھا۔۔"
اس کے ہاتھ کو پکڑ کر مسلسل روتے ہوئے بتا رہا تھا ----

"آپ کی آنکھوں میں ،میں نے کیا کچھ نہیں دیکھا"
جب میں نے آپ کو دیکھا...

"میں نے آپ کے تمام غم اسی رات خرید لیئے تھے ،جب آپ کو،
میں نے دل دیا..."

"آپ کی جان کی قسم میری جان میری جان آئی،میں پھر سے زندگی
کی طرف لوٹا.... جب میں نے آپ کو دیکھا.."

"لیکن آج آپ کی یہ حالت میرے اندر تک آگ لگا رہی ہے .."

پھر اس کے ماتھے پر بوسہ دیتا باہر چلا گیا ...

صبح کے پانچ بجے جب سارہ کو ہوش آیا تو پلوشہ اور دلاور اس
کے پاس کھڑے تھے..اسے ہوش میں آتا دیکھ کر شکر ادا کیا پھر
اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگے ..
اب کیسی طبعیت ہے میری شہزادی کی...
وہ شاید ابھی تک صدمے میں تھی اسی لیے سب کو دیکھتی رہی
اور پھر منہ سے آکسیجن ماسک ہٹا کر آہستہ سے بولی ....
بابا میرے بچے کیسے ہیں ...ایک امید تھی اس کی آنکھوں میں کہ
شاید جو ہوا ہے وہ برا خواب ہو...
"بیٹا ہم کسی کو نہیں بچا پائے سب جل گیا ہے صرف پانچ بچے
بچ پائے ہیں تمھاری وجہ سے ... کہتے ہوئے رونے لگے..."

"بابا ...بابا ایسا کیسے ہو سکتا ہے بابا ....وہ بہت چھوٹے تھے رو
رہے ہوں گے مجھے بلا رہے ہوں گے ...مجھے ان کے پاس جانا

ہے ابھی وہ اٹھنے لگی تو نرس نے پکڑ کر سولا دیا اور نیند کا انجیکشن لگانے لگی ۔۔"
بابا مجھے جانا ہے وہ میرے بنا نہیں رہ سکتے بابا ۔۔۔آپ کو خدا کا واسطہ ہے مجھے لے جائیں پھر رونے چیخنے کی آواز نیند میں گم ہو گئی اس کی یہ حالت دیکھ کر پلوشہ وہیں زمین پر بیٹھ کر رو پڑی ۔۔۔"
یا اللہ میری بچی کے ساتھ یہ سب کیا ہو رہا ہے ۔۔۔دلاور خان اسے سنبھالتے ہوئے باہر لے گئے اور ان کو پانی پلانے لگے۔۔
سامنے ہی خیام صوفے پر بیٹھ تھا اس کی حالت پاگلوں جیسی لگ رہی تھی بال بکھرے ہوئے ،آنکھیں نیند اور رونے کی وجہ سے لال تھی۔۔۔ سحری کے وقت شہباز اور پشمینہ کھانے کی میز پر بیٹھے تھے جب خیام کی کال آئی۔۔
خیام بیٹا کہاں ہوں۔۔
بابا میں ہسپتال ہوں اور آپ بھی آ جائیں!!!

کیوں ؟ کیا ہوا ہے بیٹا !!!
بابا وہ مس سارہ کی بچوں والی بلڈنگ میں آگ لگ گئی بہت نقصان ہوا ہے صرف پانچ بچے بچ پائے ہیں اور مس سارہ بھی کافی زخمی ہوئی ہے آپ بس آ جائیں!!!!

اس کی آواز رونے والے تھی----

"ٹھیک ہے بیٹا ہم آتے ہیں ---"

پھر کال بند کر کے پشمینہ سے کہنے لگا ۔۔بیٹا جلدی اٹھو ابھی ہمیں ہسپتال جانا ہوگا ۔۔

بابا کیا ہوا ہے وہ پریشان ہوتے ہوئے کہنے لگی ۔۔۔ابھی کوئی سوال مت کرو کار میں بیٹھو سب بتاتا ہوں اور روانہ ہو گئے!!!!
شہباز نے سارا واقع راستے میں ہی پشمینہ کو بتا دیا تھا اب وہ ہسپتال میں داخل ہوئے تو ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی بچوں کی لاشیں اسٹیچرز پر پڑی ہوئی تھی۔۔۔
خون ابھی تک نکل رہا تھا وہ خوف کی وجہ سے شہباز کا ہاتھ پکڑ کر چلتے ہوئے آگے گئی پھر دوسری منزل پر پہلے کمرے کے سامنے خیام ٹہلتا ہوا نظر آیا وہ بھاگ کر بھائی کے گلے لگ گئی ۔۔گڑیا سب ٹھیک ہے کچھ نہیں ہوا
The doll is fine, nothing happened
اس کو دلاسہ دیتے ہوئے کہنے لگا۔۔
بھائی یہ آپ کے ہاتھوں کو کیا ہوا ہے ان پر پٹی کیوں بندھی ہوئی ہیں وہ روتے ہوئے پوچھنے لگی ۔۔۔
گڑیا کچھ نہیں ہوا بس زرا سا زخم ہے ٹھیک ہو جائے گا ۔۔
Nothing happened to the doll, just a little wound, it will be fine.
شہباز آگے پڑھ کر دلاور کو بچوں کا افسوس اور سارہ کے جلد صحت یاب ہونے کی دعا دے کر بتانے لگا ۔۔میں شہباز خان ہوں سارہ کی یونیورسٹی کا پرنسپل اور یہ میری بیٹی ہے پشمینہ اور وہ میرا بیٹا ہے خیام ۔۔۔پلوشہ نے آگے ہو کر پشمینہ کو گلے لگایا ۔۔۔
میری بیٹی سارہ اکثر تمہارا ذکر کیا کرتی ہے ۔۔

آنٹی آپ پریشان نا ہوں مس سارہ کو کچھ نہیں ہو گا ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگی تو شہباز چلتا ہوا خیام کے پاس آیا
بیٹا تم یہاں کیا کر رہے ہوں؟

"بابا میں آپ کو بتانے والا تھا کہ کل میں نے سارہ سے نکاح کر لیا ہے ان کے گھر والوں کے سامنے اور مجھے اپنے فیصلے پر کوئی شرمندگی نہیں ہے کیونکہ یہ وہی ہیں جن کو سات سال سے کشمیر میں ڈھونڈ رہا تھا ---"

" ریلیکس ہو کر کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔ پیچھے شہباز خان صدمے اور غصے کی حالت میں دلاور خان کے پاس آئے اور ہاتھ باندھ کر ان سے بیٹے کے کیئے پر معافی مانگنے لگے تو پشمینہ بھی حیران ہو کر منہ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھی تھی کہ بھائی نے کیا کر دیا ----"
نہیں شہباز صاحب ایسا نا کریں جو ہونا تھا ہو گیا شاید یہ سب اللہ کو منظور تھا اور ہم پہلے خیام پر غصہ تھے لیکن کل رات اس نے اپنی جان کی بازی لگا کر ہماری بیٹی کی جان بچائی ہے ہم اس کے احسان مند ہے ----
اطمینان سے کہنے لگے تو شہباز کے کندھے پر سے شرمندگی کا بوجھ کم ہوا---
میں جانتا ہوں اسکا طریقہ غلط تھا لیکن اس کا ارادہ غلط نہیں ہے ...
دیکھئیے گا وہ آپ کی بیٹی کو بہت خوش رکھے گا اور سارہ ہماری بھی بیٹی ہے آپ فکر نا کریں

پھر اسی طرح دیر تک ان کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر سب بچوں کے جنازہ ادا کرنے گئے تو پشمینہ اور پلوشہ کو سارہ کے پاس بیٹھا دیا ---

پشمینہ،، سارہ کی یہ حالت دیکھ کر رو رہی تھی تو پلوشہ اس کو گلے لگا کر چومتے ہوئے تسلی دے رہی تھیں ---

تھوڑی دیر میں سارہ کو ہوش آگیا تو پلوشہ نے زبردستی تھوڑا سا جوس پلایا پشمینہ ان سے سلام دعا کرنے کے بعد باتیں کرتی رہی تب تک شہباز خان بھی دلاور خان کے ساتھ آ چکے تھے تو وہ آگے آکر سارہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دینے لگے---

انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا میری بچی، اللہ بچوں کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے آمین --تو سارہ رونے لگی---

نہیں نہیں بچے آپ تو بہت بہادر ہیں ،ایسے نہیں روتے --اب جلدی سے ٹھیک ہو جائیں تاکہ ہم آپ کو اپنے ساتھ لے جا سکیں---

سارہ آپ بھی میری بیٹی بالکل پشمینہ کی طرح ----سارہ چپ ہو کر ان سے باتیں کرنے لگے اچانک سے سارہ کی طبیعت خراب ہونے لگی--

اس کی کمر کے زخم سے خون نکلنے لگا تو دلاور نے جلدی سے نرس کو بلایا نرس نے اندر آکر سب کو باہر نکلنے کہا اور خود ڈاکٹر کو بلا کر لے آئی ---باہر کھڑے سب پریشان تھے دعائیں کر رہے تھے جب خیام بھاگتا ہوا ان کے پاس آیا --

بابا کیا ہوا ہے سارہ کو کیا ہوا ہے !!!!

بیٹا پریشان نا ہوں سب ٹھیک ہو گا ،ابھی ڈاکٹر عدنان اندر ہے ہمیں کچھ نہیں پتا --

تبھی ڈاکٹر عدنان کمرے سے باہر آیا۔۔وہ خیام کے فیملی ڈاکٹر تھے
"مسٹر خیام ہمیں ابھی مس سارہ کی سرجری کرنی پڑے گی ورنہ
ان کی جان کو خطرہ ہے اور ہمیں O negative بلڈ گروپ کے
خون کی دو بوتل ضرورت ہے جلدی سے ارینج کریں ---"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر عدنان جو آپ کو ضروری لگے آپ کریں آپ کو
بلڈ ضرورت ہے تو میرا بلڈ گروپ بھی O negative ہے لیکن
سارہ کو کچھ نہیں ہونا چاہیے---"

"دیکھیں خیام ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کریں گے لیکن باقی
سب اللہ کے ہاتھ میں ہے آپ بس دعا کیجئے خود کو سنبھالیں اور
آپ چلیں بلڈ جمع کروا دیں---"

سارہ کو جلدی سے ICU میں لے گئے ICU کی سرخ لائٹ ہو
چکی تھی سرجری شروع ہو چکی تھی باہر سب کھڑے دعائیں کر
رہے تھے تو کوئی نفل پڑھ رہے تھے---
خیام خون دے کر آ چکا تھا سرجری کو شروع ہوئے ایک گھنٹہ ہو
چکا تھا لیکن ابھی تک کوئی خبر نہیں تھی کہ سارہ کیسی ہے!!!
ڈیڑھ گھنٹے کے بعد ڈاکٹر عدنان کے چہرے پر گہری تشویش
چھائی ہوئی تھی۔ وہ آئی سی یو سے باہر نکلے تو سب ان کی
طرف لپک آئے۔

مسٹر خیام..." وہ تھوڑا رکے، پھر آہستہ سے بولے، "سارہ کی حالت نازک ہے۔ ہم پوری کوشش کر رہے ہیں لیکن خون مسلسل بہہ رہا ہے، زخم بند نہیں ہو رہے۔ ہمیں فوری فیصلہ کرنا ہوگا۔"

خیام کا دل ڈوبنے لگا، آنکھیں لال، سانسیں تیز۔
"ڈاکٹر، مجھے اندر جانے دیں۔ میں خود سرجن ہوں۔ قطر میں کئی برسوں سے پریکٹس کر رہا ہوں۔ پلیز مجھے اجازت دیں، میری بیوی کی جان داؤ پر ہے!"

ڈاکٹر عدنان نے حیرت سے خیام کی طرف دیکھا، پھر شہباز خان نے آگے بڑھ کر تصدیق کی۔
"جی، خیام ایک ماہر سرجن ہے۔ ہم اس کی صلاحیتوں سے واقف ہیں۔"

ڈاکٹر عدنان نے سر ہلایا، "ٹھیک ہے، اندر آئیے۔ وقت بہت کم ہے۔"

آئی سی یو میں داخل ہوتے ہی خیام نے فوری ہاتھ دھوئے، سرجیکل سوٹ پہنا، دستانے اور ماسک لگایا۔ نرس نے آلات تیار کر دیے۔ سارہ بے ہوش، مشینوں سے جکڑی ہوئی، سانس آکسیجن ٹیوب سے چل رہی تھی، اور اس کی کمر سے خون رِس رہا تھا۔

خیام نے نرس سے کپاس مانگی، نرمی سے خون صاف کیا۔ پھر ایک قینچی سے زخم کو تھوڑا سا کھولا تو اندر ایک لکڑی کا ٹکڑا تھا جو آگ کے دوران جسم میں گھس گیا تھا۔

"ڈاکٹر عدنان، جیسے ہی میں یہ ٹکڑا نکالوں، آپ فوراً زخم کو
"دبائیں تاکہ خون نا پھیلے، اور سوئی دھاگہ مجھے دیں۔

ٹھیک ہے، تیار ہوں!" عدنان نے اثبات میں سر ہلایا۔"

خیام نے پورے اعتماد کے ساتھ ٹکڑا نکالا، ایک لمحے کے لیے
خون کا فوارہ سا نکلا لیکن عدنان نے فوراً جگہ دبا دی۔ خیام نے
مہارت سے ایک ایک ٹانکا لگانا شروع کیا۔ ہر حرکت میں سکون
،اور ایک درد تھا جو سارہ کے لیے محسوس کر رہا تھا

خون رک چکا تھا۔ خیام نے زخم کو صاف کیا، نرمی سے پٹی
،باندھی اور لمبی سانس لیتے ہوئے کہا
Thank God the operation was successful.
"الحمداللہ ، آپریشن کامیاب رہا۔"

نرسیں حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔
،ڈاکٹر عدنان نے خیام کے کندھے پر ہاتھ رکھا
"خیام، تم نے واقعی کمال کر دیا۔ اگر تم نا ہوتے تو ہم سارہ کو کھو
"دیتے۔

،خیام نے آہستہ سے سارہ کے ہاتھ کو تھاما، اور دل میں دعا کی

یا اللہ ، اب اسے نئی زندگی عطا فرما، یہ میری امانت ہے تیرے" پاس۔" شاید خیام نے زندگی میں کتنے برسوں بعد اللہ سے دعا کی تھی یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔۔

پھر گلوز اور آپریشن سوٹ اتار کر اچھی طرح ہاتھ دھو کر صاف کرتے ہوئے سے باہر آیا اب گرین لائٹ آن تھی۔۔

آپریشن کامیاب رہا اب سارہ خطرے سے باہر ہیں تھوڑی دیر میں روم میں شفٹ کیا جائے گا ۔۔

یہ خبر سنتے ہی سب خوشی سے روتے ہوئے شکر ادا کرنے لگے تو دلاور خان نے آگے بڑھ کر خیام کو گلے لگا کر شکریہ کہا۔۔۔
اسی طرح سب نے اس کی حوصلہ افزائی کی تو پشمینہ نے بھی بڑے غرور سے کہا ،،آخر بھائی کس کا ہے!!!
بارہ بجے سارہ کو روم میں شفٹ کیا گیا تو شہباز نے دلاور اور پلوشہ کو زبردستی گھر بھیج دیا کہ تھوڑا آرام کر لیں پھر دو بجے سارہ کو ہوش آیا ۔۔۔
تو پشمینہ اور شہباز اس کے پاس بیٹھے تھے پھر پشمینہ نے سارہ کو جوس پلایا اور آنٹی وغیرہ کا بتایا تو اسے سکون ہوا پھر چار بجے دلاور اور پلوشہ کھانا لے کر آ گئے کیونکہ پشمینہ اور شہباز کو روزہ تھا ۔۔۔

ساره کو سوپ پلا کر دوائی دی تو اس کے اثر سے سو گئی
افطاری کرنے کے بعد خیام پشمینہ کو ساتھ لے کر گھر آ چکا تھا
پشمینہ فوراً آتے ہی نماز پڑھنے کے بعد سو گئی---

خیام اپنے کمرے میں لائٹس آف کیئے بیٹھا تھا آج اسے پتہ چلا تھا کہ "لفظ موت کا تصور کتنا خطرناک ہے نا کہ کسی اپنے کو قبر میں محسوس کرنے پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ---
یقین ہی نہیں ہوتا کہ واقعی چلتی سانسیں ایک دن ہم سے ہی بے وفائی کرینگی، ایک دن ہمارا وجود بے جان بھی پڑا ہوگا ۔ ہمارے اپنے ہمیں ہمارے اصل مکان پر پہنچا کر مٹی ڈال آئینگے پھر وقت گزرتا جائیگا ہمارے اپنے جو ہمارے بغیر ایک پل بھی مشکل سے گزارتے تھے وہ اپنی زندگی میں مگن ہو جائیں گے اور جب جب ہمارا ذکر ہوگا تو کہا جائیگا کہ "اللہ کی امانت تھے تو انہیں واپس لے لیا اسکا وقت آگیا تھا اللہ کو جو منظور " اور ہم ماضی بن کر ایک دن بھلا دئیے جائینگے--

سچ میں اس حقیقت کا تصور ہی جھنجھوڑ کے رکھ دیتا ہے-- ""آج وہ خود کو کسی کے لیے روتے اور بے بس ہوتا دیکھ کر حیران تھا وہ تو ایسا نہیں ہے اسے تو کبھی خون سے خوف نہیں آیا وہ کسی کو اتنا نہیں چاہتا کہ اس کے لیے اپنی زندگی خطرے میں ڈال دے۔آج اسے احساس ہوا تھا کہ ساره اس کی زندگی میں کتنی ضروری ہے،خیام کو ساره کی پاکیزگی سے محبت تھی، اور خیام اس بات سے انجان تھا کہ ساره کے اندر ایمان کی ایک کشش تھی جو اسے بہت سے اندھیروں سے نکالنے والی ہے----- " وہ اس کے

معاملے میں دل کے ہاتھوں بے بس تھا۔۔سارہ شاید ابھی اس کی شکل نا دیکھے اس لیے ہسپتال سے لوٹ آیا پھر صبح کے تین بجے نیند کی دوائی لے کر سو گیا ۔۔

ٹُو آشنائے شدتِ غم ہو تو کچھ کہوں
کِتنا بڑا عذاب ہے جینا ترے بغیر

سارہ کو ہسپتال میں داخل ہوئے دو ہفتے ہوگئے تھے اور اس دوران وہ ان پانچ بچوں سے چار بار مل چکی تھی ان کو گلے لگا کر زاروقطار رونے لگتی ،ایک عجیب سا بوجھ تھا اس پر ،وہ خود کو ان بچوں کا قاتل کہتی" اس واقعے کے بعد سارہ کی زندگی بری طرح متاثر ہوئی تھی---
بہت کم بولتی ،،،،کم کھاتی پیتی اور اس نے نیند تو خود پر حرام کر رکھی تھی صرف دوائی کے زیر اثر سو جاتی ,اس دوران صباء کئی بار کال پر سارہ سے بات کر چکی تھی۔۔ شہر میں نا ہونے کی وجہ سے وہ اس کے پاس نہیں تھی۔

اسپتال کا کمرہ — شام کا وقت

سارہ کا چہرہ زرد، آنکھیں سوجی ہوئی، اور دل دکھ سے بھرا ہوا تھا۔ وہ بستر پر نیم دراز تھی، نظریں کھڑکی سے باہر کسی غیر مرئی نقطے پر جمی تھیں۔ دروازہ ہلکے سے کھلا، اور خیام دبے قدموں اندر داخل ہوا۔ ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ تھا، لیکن دل بوجھل۔

سارہ نے فوراً رخ موڑ لیا۔

"سارہ... میں—" خیام کی آواز میں نرمی اور ندامت تھی۔

"مت بولیں خیام!" سارہ کی آواز ٹوٹتی ہوئی مگر مضبوط تھی۔ "اب آپ کی کوئی بات نہیں سننا چاہتی"

خیام تھوڑی دیر خاموش کھڑا رہا، پھر دھیرے سے کرسی پر بیٹھا۔

"مجھے معلوم ہے تم ناراض ہو، اور تمہیں حق بھی ہے۔ لیکن یقین جانو، میرا مقصد کبھی تمہیں تکلیف دینا نہیں تھا۔"

سارہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ "تکلیف؟ آپ نے میرے بغیر پوچھے زبردستی نکاح کیا، اور اب... اب میرے بچے—" اُس کی آواز رُندھ گئی۔ "سب کچھ برباد ہو گیا خیام، سب کچھ۔"

خیام نے آنکھیں بند کرلیں، جیسے اس جملے نے دل پر چوٹ ماری ہو۔ "میں خود کو کبھی معاف نہیں کر پاؤں گا، سارہ۔ لیکن پلیز... پلیز میری طرف ایک بار دیکھو، بس ایک بار۔"

سارہ نے سختی سے آنکھیں بند کیں۔ "میں آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ جب دیکھتی ہوں تو اپنا دکھ، اپنا نقصان یاد آتا ہے۔"مجھے نفرت ہے آپ سے۔"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ صرف مشینوں کی بیپ بیپ باقی تھی۔

خیام دھیرے سے اٹھا، پھول میز پر رکھے اور دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھولتے ہوئے رُکا، ایک نظر پیچھے دیکھا، اور سر جھکائے باہر چلا گیا۔

سارہ نے پھولوں کو دیکھا، پھر نظریں موڑ لیں۔ لیکن ایک آنسو اس کے گال پر بہہ نکلا — شاید کچھ جذبات اندر کہیں ابھی باقی تھے۔

پلوشہ اور دلاور اسے ویل چیئر پر بیٹھا کر نیچے کار تک لے آئے ابھی اس کا زخم باقی ہونے کی وجہ سے چلنا منع کیا گیا تھا

اگلی صبح سارہ کو گھر لے جا رہے تھے ،پلوشہ اسے آرام سے پچھلی سیٹ پر بیٹھا کر خود اس کر پاس بیٹھ گئی تو دلاور فرنٹ سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا ۔پورا راستہ خاموشی سے کٹ گیا
اسے کمرے میں لیٹا کر پلوشہ کھانا بنانے چلی گئی ----
سارہ تیمّم کر کے اشارے سے نماز پڑھنے لگی " بے شک نماز میں شفاء ہے"
وجود کے درد، تنہائی، مشکلات اور زندگی کے فتنوں کے درمیان"
"نسلِ انسانی کے لیے واحد پناہ گاہ خُدا کی جانب سفر ہے----

بعض اوقات انسان سب کچھ ختم ہو جانے کے باوجود بھی ،کسی معجزے کے انتظار میں رہتا ہے۔ پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو

سمجھ نا آیا کہ اب کس کے لیے دعا کرے آنکھوں سے آنسوں جاری ہوگئے تو ہاتھ نیچے کر لیئے پھر صباء سے کال پر بات کرنے لگی ---
میں تھک گئی ہو صباء ---- آج میں بری طرح ہار گئی ہوں---
!!!تو صباء نے کہا

" سارہ تمھیں پتا ہے اللہ کسی اور وقت یاد آئے نا آئے دو مواقعوں پر لازمی یاد آتا ہے --
جب کوئی قیمتی چیز چھین جائے یا کچھ چاہیے ہوں کیونکہ اللہ" اپنے پیارے بندے کو ہی آزمائش میں ڈالتا ہے وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ جب میں نے اسے چیز عطا کی تو وہ خوش ہو گیا پھر اسی چیز کو واپس لے لیتا ہے تاکہ دیکھ سکے کون کتنا صبر کر سکتا ہے اور میری رضا میں راضی ہے---"----
(سارہ (روتے ہوئے
صباء:وہ بچے بہت چھوٹے اور معصوم تھے ---تمھیں پتا ہے ان کے کتنے خوبصورت خواب تھے جو پورے کرنے تھے---
!!صباء نے اپنی آنکھوں سے آنسوں صاف کیئے اور کہا

جب کوئی چیز لے لی جاتی ہے تو وہ ہمیں مضبوط بنانے یا کسی مصلحت کے تحت لی جاتی ہے--- پھر اللہ بندے سے پوچھتا ہے کہ اب بتا کیا تو انکے بغیر مر گیا ہے؟اور انسان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ کیوں نہیں مرا ---پھر اللہ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے --

"کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں دیتا جتنی وہ برداشت نا کر سکے
مگر اتنی ہی دیتا ہے جتنی اسے طاقت دے رکھی ہے۔ قریب ہے کہ
(اللہ تنگی کے بعد آسانی پیدا کرے گا "۔۔ (القرآن 7:65
"" لیکن صباء آپ کو پتہ ہے ہر چیز پر صبر نہیں آتا کچھ درد
ساری عمر ساتھ رہتے ہیں ،ہر نقصان صبر کرنے والا نہیں ہوتا
اور نا صبر آتا ہے روتے ہوئے کہنے لگی ۔۔""

ہاں بالکل سارہ شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہوں لیکن وہ ذات ہر چیز پر
قادر ہے انشاءاللہ جلد تمھیں اتنا دے گی کہ تم سارے غم بھلا دوں
گی ---
سارہ کال بند کر کے خود کو سمجھانے لگی کہ واقعی صباء صحیح
کہتی ہیں کہ اللہ برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اب اُس نے خود
کو سنبھالنا ہے اور ان بچوں کا بدلہ لینا ہے ،سوال یہ ہے کہ کون
کر سکتا ہے یہ سب میری تو کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے پھر
کون ہے ---کیا وہ لوگ ہے جو اس بلڈنگ کو خریدنے آئے تھے یا
!!!کوئی اور ہے
"دنیا میں ہمیشہ ویسا ہی کیوں ہوتا ہے جیسا ہم نہیں چاہتے کیوں
ہمیں اتنی اذیت ملتی ہے چاہے ہم نے کسی کا برا بھی نا کیا ہو---
پلوشہ نے زبردستی تھوڑا سا کھانا کھلانے کے بعد دوائی دی تو
سو گئی---

رات کو خیام آہستگی سے چلتا ہوا سارہ کے بیڈ کے پاس آیا اور
نرمی سے اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ سارہ کی آنکھیں رونے کے

باعث سوجھی ہوئی تھی۔ خیام اس کے چہرے کو دیکھ کر مدھم آواز میں بولا:

"ہم تجھے جی رہے ہیں، تجھے بتائے بغیر، تجھے ستائے بغیر۔"

کافی دیر تک وہ اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو حفظ کرتا رہا۔ "کیا سکون ملتا ہے اسے دیکھنے میں..." وہ دل میں سوچنے لگا۔

اچانک سارہ نے کروٹ لینے کی کوشش کی تو اس کے منہ سے آہ نکل گئی۔ ابھی وہ بیڈ کی سائیڈ پر نیچے گرنے ہی والی تھی کہ خیام نے فوراً تکیہ اٹھا کر اس کے آگے رکھ دیا۔ سارہ نے غیرارادی طور پر اس تکیے پر ہاتھ رکھ دیا اور نیند میں واپس ڈوب گئی۔

خیام دھیرے سے بولا، "کتنی معصوم ہیں آپ... تکلیف دینے کے لیے سوری، لیکن میری مجبوری تھی۔ کیونکہ آپ ایسے تو کبھی مجھ سے نکاح نہ کرتیں۔۔اور جہاں تک بچوں کے قاتل کی بات ہے تو بہت جلد انھیں تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔"
یہ کہتے ہوئے اُس نے سارہ کے ہاتھ پر نرمی سے بوسہ دیا اور چپ چاپ کمرے سے نکل گیا۔

صبح جب سارہ کی آنکھ کھلی تو اپنے ساتھ رکھے تکیے کو دیکھ کر حیران ہوئی۔

"میں نے تو یہ یہاں نہیں رکھا... شاید امی نے رکھ دیا ہوگا۔"
یہ سوچ کر وہ آہستہ سے اٹھی، وضو کیا اور اشارے سے نماز پڑھنے لگی۔

نماز کے بعد اُس نے ٹیبل سے قرآنِ کریم اٹھایا اور سورہ یٰسین کی تلاوت شروع کر دی۔
یہ اس کی سب سے پسندیدہ سورت تھی۔ جب بھی وہ اسے پڑھتی، دل کرتا تھا کہ جیسے بس پڑھتی ہی چلی جائے۔
یہ سورت اس کے دل میں اتر جاتی تھی، جیسے دنیا کے سارے دکھ اس سے دور ہوتے جا رہے ہوں۔
اسے ہمت، حوصلہ اور سکون ملتا تھا۔

ویسے تو پورا قرآن پڑھتے ہوئے یہی محسوس ہوتا تھا جیسے اللہ اپنے بندے سے ہم کلام ہو رہا ہو؛
اس کے پاس ہو، اس کے دکھ سن رہا ہو، اس کے آنسو دیکھ رہا ہو، اس کی تڑپ جان رہا ہو۔
پھر وہ بندے کو حوصلہ دیتا، اس کے غموں کے بعد آنے والی آسانیوں کی نوید سناتا،
اور اپنے پیارے بندے کے دل میں سکون اتار دیتا۔

"بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

صبح آٹھ بجے پلوشہ اس کے لیئے چکن سوپ اور ساتھ میں فریش جوس لے کر آئی ۔۔سارہ کو سوچوں میں گم بیٹھے دیکھ کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔۔اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگی ---

میری جان کو کیا ہوا ہے کیوں اداس بیٹھی ہو؟؟

"امی میری وجہ سے آپ لوگوں کو تکلیف ہو رہی ہے ۔میں آپ پر بوجھ بن گئی ہوں مجھے معاف کر دیں ،،روتے ہوئے کہنے لگی۔۔
سارہ میری جان آئندہ ایسی فضول باتیں مت کرنا تم ہماری بیٹی ہو،ہمارے جینے کی وجہ ہو ،بھلا اولاد ماں باپ پر بوجھ کیسے ہو سکتی ہے تم تو ہماری طاقت ہو ----
پلوشہ اسے گلے لگا کر سمجھانے لگی تو دلاور بھی اپنی بیٹی کے کمرے میں آ کر اس کے سر پر بوسہ دیتے ہوئے اس کے پاس بیٹھے ۔۔اب کیسی طبعیت ہے میری شہزادی کی --- الحمداللہ اب بہتر ہوں بابا ۔۔
اچھا ماشاءاللہ میری بیٹی بہت بہادر ہے یہ چھوٹی تکلیف اس کو ہرا نہیں سکتی کہنے لگے تو سارہ بھی مسکرا دی ہے---
آج ہم اپنی بیٹی کے ساتھ ہی کھانا کھائیں گے کہہ کر خود اس کو اپنے ہاتھوں سے سوپ پلانے لگے پھر کافی دیر باتیں کرتے رہے۔تبھی نوکرانی نے آکر خبر دی کہ شہباز صاحب ، پشمینہ بی بی اور خیام صاحب آئے ہیں---
پلوشہ سارہ کو دوائی دے کر نیچے آئے جہاں پشمینہ ان سے مل کر فوراً سارہ کے پاس آ جاتی ہے ---
اسلام علیکم بھابھی کیسی ہے آپ ؟

وعلیکم السلام میں بالکل ٹھیک!! آپ کیسی ہے ان سے گلے مل کر کہنے لگی--

!!آپ کو پتا ہے میں بہت یاد کرتی ہوں آپ کو -۔پشمینہ بولنے لگی
میں بھی آپ کو بہت یاد کرتی ہوں سارہ بھی مسکرا کر بولی
-۔بھابھی آج ہم آپ کو لینے آئے ہیں ،پتہ ہے میں گھر میں اکیلی بہت بور ہوتی تھی لیکن اب آپ میرے ساتھ ہوں گی تو میں بہت خوش رہوں گی --
سارہ بس ہاں میں سر ہلاتی ہے--

دلاور حال احوال پوچھنے کے بعد کہنے لگے---دراصل آج ہم اپنی بیٹی کو اپنے گھر لے جانے آئے ہیں اگر آپ کی اجازت ہو تو ---
ارے اس میں اجازت کی کیا ضرورت وہ تو اب آپکی امانت ہے بس اس کا خیال رکھیئے گا بہت حساس ہے آپ کے ساتھ ملنے جلنے میں تھوڑا وقت لگے گا ---
سب گھر والے سارہ کے کمرے میں آئے لیکن خیام نیچے کار کے پاس کھڑا ہو گیا ۔شہباز کو دیکھتے ہی سارہ نے سلام کیا ---
کیسی ہے میری بیٹی شہباز نے پوچھا ---
اب بہتر ہوں انکل کہہ کر نظریں نیچے کر لی--
بیٹا ہم آپ کو ساتھ لینے آئے ہیں آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہیں ؟؟
تو سارہ نے صرف نا میں سر ہلایا پھر نوکر اس کا سامان وغیرہ کار میں رکھنے لگے اور شہباز ،دلاور نیچے انتظار کرنے لگے کہ پلوشہ اور پشمینہ ،سارہ کو نیچے لے آئیں---

تبھی پشمینہ تھوڑی دیر میں نیچے آکر بولنے لگی--بابا وہ بھابھی سے نہیں چلا جا رہا آگے۔ سیڑھیاں اترتے وقت ان کو زیادہ مشکل ہوگی ----

شہباز کار کے قریب سر نیچے کیئے کھڑے خیام کو بلایا ' بیٹا جاؤ تم سارہ کو لے کر آؤ اس کو چلنے سے تکلیف ہو رہی ہے---
خیام ' جی بابا کہہ کر سیڑھیاں چڑھتا ہوا دروازے پر دستک دے کر اندر آیا ، جہاں سارہ بیڈ پر گلابی رنگ کا لونگ فراک پہنے اور سفید حجاب کیئے بیٹھی تھی پلوشہ اور پشمینہ ساتھ کھڑی تھی پھر سلام کر کے سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔۔
کہ وہ تھام کر اس کے سہارے سے نیچے چلے تو پشمینہ کہنے لگی ۔۔بھائی بھابھی سے چلا نہیں جا رہا تو خیام اس کو آرام سے بازوں میں اٹھا لیا۔۔۔
وہیں سارہ کا دل روز سے دھڑکنے لگا وہ نظریں نیچے کیں اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تو خیام ایک نظر اس شہزادی پر ڈال کر اس کو اٹھائے سیڑھیاں اترتے ہوئے کار کی پچھلی سیٹ پر آرام سے بیٹھایا۔۔۔۔
تو پشمینہ بھی سارہ کے ساتھ بیٹھ گئی خیام ڈرائیونگ سیٹ پر اور شہباز ساتھ میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھے۔۔۔
خیام آرام سے کار چلانے لگا خیام راستے میں تھوڑی دیر بعد نظر سارہ پر ڈال لیتا جو کہ پشمینہ کے کندھے پر سر رکھے ہوئے اپنی دنیا میں مگن تھی جب گھر پہنچے تو پشمینہ اور شہباز جلدی سے اتر کر نیچے آ گئے ---

خیام پھر سارہ کو اٹھائے اندر جانے لگا تو شہباز نے اس کو روک دیا ---
روکو خیام پہلے مجھے تم دونوں کا صدقہ اتارنے دو کہہ کر پیسوں کی گھٹی سے صدقہ اتار کر غریب کو دینے کا کہہ کر سارہ کو اندر لے آئے -----
خیام کا کمرہ دوسری منزل پر تھا۔ کمرہ بہت بڑا اور خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ کمرے میں موجود فرنیچر کا رنگ سیاہ تھا جبکہ دیواریں سفید رنگ سے پینٹ کی گئی تھیں---
خیام، سارہ کو آرام سے بیڈ پر بٹھا کر خود باہر چلا گیا---
سارہ نے سکھ کا سانس لیتے ہوئے کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا---
بیڈ سے تھوڑے فاصلے پر ایک ڈریسنگ ٹیبل تھا، اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا ہال تھا جہاں صوفے اور میز رکھی ہوئی تھی۔ کھڑکی کے سامنے ایک کرسی اور ٹیبل تھا جس پر لیپ ٹاپ، موبائل، کتابیں اور ایک لیمپ رکھا ہوا تھا۔ شاید وہ یہاں بیٹھ کر کام کرتا تھا۔ ساتھ ہی ایک شلف بنی ہوئی تھی جس میں عربی، انگریزی، ترکی اور فارسی زبانوں کی بہت سی کتابیں رکھی تھیں۔

بیڈ کی دوسری جانب ایک ڈریسنگ روم تھا اور اس کے ساتھ ہی واش روم۔ ہر چیز نہایت سلیقے اور ترتیب سے رکھی گئی تھی۔

آخر میں جب اس کی نظر بیڈ کے بالکل سامنے لگی ایک تصویر پر پڑی تو نظریں وہیں جم گئی۔ وہ بلیک پینٹ اور شرٹ میں، بازو فولڈ کیے کھڑا تھا۔ جہاں ہاتھوں کی تنی ہوئی رگیں نمایاں تھیں۔

سفید ماتھے پر سلکی کالے بال بکھرے ہوئے تھے، عنابی ہونٹ بھینچے ہوئے، چہرے پر سنجیدگی، اور وجاہت کا منہ بولتا ثبوت تھا ---
سفید گھوڑے پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ واقعی وہ کسی عربی شہزادے کی مانند لگ رہا تھا۔ سارہ کے منہ سے بے ساختہ "ماشاءاللہ" نکلا اور فوراً نظریں ہٹا لیں۔

اتنے میں پشمینہ کھانا لے کر کمرے میں آئی۔

"بھابھی، کیسا لگا کمرہ؟"

"بہت خوبصورت!" سارہ نے مختصر سا جواب دیا۔

پھر جوس کا گلاس اٹھا کر پینے لگی تو پشمینہ نے معصومیت سے پوچھا، "آپ کو میرا 'بھابھی' کہنا برا تو نہیں لگا؟"

سارہ مسکرا دی۔ "نہیں، مجھے برا نہیں لگا، ---
پشمینہ نے کہا، آپ بہت اچھی ہیں۔
سارہ نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔میرا اتنا خیال رکھنے کا شکریہ!"

پشمینہ ہنستے ہوئے بولی، "نہیں بھابھی، یہ تو میرا فرض ہے۔ ویسے اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو سامنے والا کمرہ

میرا ہے، آپ مجھے بلا لیجیے گا۔ اور آپ کی بینڈیج تھوڑی دیر
"میں نرس آ کر چینج کر دے گی۔
شکریہ پشمینہ ابھی تو سب موجود ہے کمرے میں پھر ضرورت پڑی تو بلا لوں گی آپ کو کہہ کر لیٹ گئی ۔سارہ بیڈ پر لیٹی تو بیڈ اتنا سوفٹ تھا کہ اسے درد نہیں ہوا ۔۔۔مگر اسے نیند نہیں آ رہی تھی تو انسٹا گرام پر مختلف پوسٹس پڑھنے لگی۔۔
اور انت جاننے کا سب سے بڑا نقصان پتا ہے کیا ہوتا ہے،انسان " کا سفر ختم ہو جاتا ہے" ہر انسان زندگی میں آگے نکلنے کے چکر میں ہوتا ہے وہ دن رات پاگلوں کی طرح اس دنیا کو جاننے کی کوشش کرنے لگتا ہے اور اسے پتا بھی نہیں چلتا کہ وہ کہاں ہے یہاں تک کہ موت سے جا ملتا ہے ۔۔۔

کبھی مخلصی کا زوردار تھپڑ کھایا ہے؟ یہ پوسٹ پڑھتے ہی اسے اپنا ماضی یاد آنے لگا کیونکہ اس نے بھی بہت زوردار تھپڑ کھایا تھا جو کہ اسے ہمیشہ یاد رہے گا۔۔پھر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی ۔۔۔
میری عزت ،میری چادر ،میرا کردار سلامت رکھنا یا اللہ یہ سب" میرے والدین کے بھروسے سے کمایا ہوا اثاثہ ہے " اچانک دروازے پر دستک ہوئی تو آنسو صاف کرتی ہوئی اندر آنے کا کہہ کر آرام سے اٹھ بیٹھی ۔۔۔
بھابھی یہ اقصی ہے آپ کی پٹی تبدیل کرنے آئی ہے اور ہر روز آئے گی ۔پشمینہ اپنے ساتھ ایک انگریز سی لڑکی کو لیئے اندر آئی۔۔

سارہ نے ٹھیک ہے کہا تو اقصی جلدی آئی اور پہلی پٹی اتاری پھر زخم والی جگہ کو صاف کیا اور پھر دوسری پٹی کر کے چلی گئی ---

پشمینہ سارہ کی پاس آکر بیٹھ گئی کیا میں آپ سے بات کر سکتی ہوں ---

ہاں بالکل ویسے بھی میں بور ہو رہی تھی سارہ نے کہا تو دونوں ہنسنے لگی پھر پشمینہ نے چہرے پر سنجیدگی لاتے ہوئے بولی پڑی ---

بھابھی آپ کو پتا ہے جو میری یونیورسٹی میں دوست تھی نمرہ..

جی مجھے یاد ہے کافی اچھی بچی تھی ۔کیا ہوا سارہ نے اپنا ہاتھ پلوشہ کے ہاتھ پر رکھ کر کہنے لگی..

دراصل ہوا یہ ہے کہ جب وہ پانچ سال کی تھی تو اس کے ماں باپ کو کسی نے بے دردی سے قتل کر دیا تھا لیکن خوش قسمتی سے نمرہ بچ گئی تھی---

کیونکہ اس وقت پولیس گھر کے باہر پہنچ چکی تھی تو وہ لوگ اس کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے پھر اسے پولیس نے یتیم خانے میں چھوڑ دیا تھا پھر ایک سال بعد ایک کپل آیا تو انھوں نے اس معصوم اور پیاری سی بچی گود لے لیا پھر اپنی سگی اولاد کی طرح پالنے لگے اسے دنیا کی ہر خوشی دی ---

نمرہ کو ابھی کچھ دن پہلے ہی معلوم ہوا ہے کہ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے اس کے ماں باپ کو قتل کیا تھا جائیداد کے لیے ..اب وہ بہت پریشان ہے، آپ بتائیں اسے کیا کرنا چاہیے ..اس نے پورا قصہ سناتے ہوئے پوچھا...

پشمینہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقع سنا"
ہے جو سورہ طٰہٰ میں بیان کیا گیا ہے۔ تو پشمینہ نے نا میں سر ہلایا
--
ہوا یہ تھا کہ " کسی نجومی نے فرعون سے یہ کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہونے والا ہے جو تمہاری سلطنت ختم کر دے گا۔اس نے حکم جاری کر دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو کوئی بچہ پیدا ہو اسے قتل کر دیا جائے۔جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو فکر ہوئی کہ ان کو بھی فرعون کے آدمی قتل کر ڈالیں گے ۔اس موقع پر اللہ نے ان کے دل پر الہام فرمایا کہ بچے کو صندوق میں ڈال کر دریائے نیل میں ڈال دو ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔وہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا تو فرعون کے کارندوں نے بچے کو اٹھا کر فرعون کے پاس پیش کیا اور ان کی بیوی حضرت آسیہ نے انہیں آمادہ کر لیا کہ وہ اسے اپنا بیٹا بنا کر پالیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شکل وصورت میں اللہ نے ایسی معصومیت رکھ دی تھی۔کہ جو بھی آپ کو دیکھتا، آپ سے محبت کرتا تھا۔اسی وجہ سے فرعون انہیں گھر رکھنے پر آمادہ ہو گیا۔
یوں تو ہر شخص کی پرورش اللہ ہی کی نگرانی میں ہوتی ہے مگر یہاں مطلب یہ ہے کہ عام طور سے پرورش کے جو اسباب ہوتے ہیں کہ ماں باپ اپنی خرچ اور ذمہ داری پر بچے کی پرورش کرتے ہیں،وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں اختیار نہیں فرمائے گئے۔ان کے بجائے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش براہ راست ان کے دشمن سے کروائی۔فرعون کی اہلیہ نے جب بچے کو پالنے کا ارادہ کر تو ان

کو دودھ پلانے والی کی تلاش شروع ہوئی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی بھی عورت کا دودھ منہ میں نا لیتے تھے۔حضرت آسیہ نے اپنی کنیزیں بھیجیں کہ وہ ایسی عورت تلاش کریں جس کو دودھ یہ قبول کر لیں ۔
اُدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے کو ردیا میں ڈالنے کے بعد سے بے چین تھی۔انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو دیکھنے کے لیئے بھیجا کہ بچے کا انجام کیا ہوا؟یہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اسی جگہ پہنچ گئیں جہاں فرعون کی کنیزیں پریشانی کے عالم میں دودھ پلانے والی عورت کو تلاش کر رہی تھی۔ان کو موقع مل گیا اور انھوں نے اپنی والدہ کو یہ دودھ پلانے والی تجویز پیش کی اور انھیں وہاں لے بھی آئیں۔جب انھوں نے بچے کو دودھ پلانا چاہا تو بچے نے آرام سے دودھ پی لیا اور پھر اللہ کے وعدے کے مطابق بچہ دوبارہ ان کے پاس پہنچ گیا ۔۔
تو ہمیں اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے اگر وہ آپ کو زندگی عطا کرنا چاہتا ہے تو دشمنوں کے بیچ میں بھی آپ کی حفاظت فرمائے گا بس ہمارا یقین پختہ ہونا چاہیے۔۔۔
تو آپ کی دوست کو بھی چاہیے صبر اور عقل سے کام لے ،جلدی نا کرے ان کی سزا کے لیے جو وقت مقرر کیا گیا ہے وہ جلد آئے گا....
بے شک اللہ بہت عدل و انصاف کرنے والا ہے۔۔" سارہ مسکرا کر" کہنے لگی تو پشمینہ نے انھیں گلے لگا لیا ۔۔۔
بہت شکریہ بھابھی اتنی خوبصورت بات بتانے کے لیے واقع آپ کی آواز میں جادو ہے میں جب بھی سنتی ہوں تو دل کرتا ہے سنتی جاؤ۔۔۔

پشمینہ ایسی کوئی بات نہیں ہے بس مجھ گناہ گار پر اللہ تعالیٰ کی عطا ہے شکر ہے اس ذات پاک کا ،جس نے مجھے ان نعمتوں سے نوازا --- پشمینہ چلی گئی تو خیام دستک دیتا اندر آیا جو کہ کافی تھکا ہوا لگ رہا تھا سامنے صوفے پر جا کر بیٹھ گیا اور سارہ کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا---

اب کیسی طبعیت ہے آپ کی ؟ تو سارہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور دوسری سائڈ پر منہ کر کے لیٹ گئی کیونکہ وہ اس سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی تھی --

اس نے میری بات کا جواب کیوں نہیں دیا ،خیام غصے میں اٹھ کر واش روم کا دروازہ زور سے ٹھاہ کی آواز سے بند کرتا واش بیسن کے سامنے کھڑا ہو کر منہ پر پانی ڈالنے لگا --

یہ زندگی میں پہلی بار تھا کہ کسی نے اسے اگنور کیا آخر وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے میرے ساتھ --- ایسے ہی سوچتے ہوئے زور سے ہاتھ شیشے پر دے مارا تو شیشے کے ٹکڑے اس کے ہاتھ میں لگ گئے جس کی وجہ سے ہاتھ سے خون بہنا شروع ہو گیا--- پھر خود کو ریلیکس کرتے ہوئے باہر آکر الماری سے فرسٹ ایڈ باکس نکال کر پٹی ہاتھ پر باندھنے لگا سارہ یہ ساری کاروائی ہوتے دیکھ رہی تھی جو کہ اندر سے کچھ ٹوٹنے کی آواز پر اٹھ بیٹھی تھی--خیام پٹی باندھ کر سیدھا سارہ کے پاس آیا اور اس کو انگلی اٹھا کر کہنے لگا--

آئیندہ مجھے اس طرح اگنور کرنے کی کوشش مت کیجئیے گا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا---

کہہ کر لائٹس آف کر کے صوفے پر جا کر سو گیا ادھر سارہ ابھی تک ساکت سی بیٹھی ہوئی تھی ۔صرف اتنی سی بات پر کوئی انسان اپنے آپ کو اس طرح زخم کیسے دے سکتا ہے۔۔ آج اس نے خیام کو غصے میں پہلی بار دیکھا تھا پھر چپ چاپ دوائی لے کر سو گئی ۔۔۔

رات کو اچانک اسے کسی کے بولنے کی آواز آئی. پہلے تو اسے لگا کہ شاید یہ اس کا وہم ہے لیکن وہ آواز اسے اپنے کمرے میں سے آرہی تھی تو وہ لیمپ آن کر کے جلدی سے اٹھ بیٹھی ۔۔۔
جب وقت دیکھا تو ایک بج رہے تھے ۔سامنے صوفے پر سویا ہوا خیام نیند میں کچھ بول رہا تھا ۔سارہ اٹھ کر اس کے پاس آئی وہ کسی معصوم سے بچے کی طرح لگ رہا تھا۔ ماتھے پر بکھرے ہوئے بال،سفید رنگت پر بلیک سوٹ پہنے ہوئے بہت خوبصورت لگ رہا تھا ۔شاید وہ کوئی برا خواب دیکھ رہا تھا جس کی وجہ سے اے ۔سی چلنے کے باوجود اس کے ماتھے پر پسینہ آیا ہوا تھا۔وہ کچھ کہہ رہا تھا ۔۔

No no leave me alone....

Please let me know, I won't make any mistake in future........

Excuse me. No no

نہیں نہیں مجھے چھوڑ دیں

پلیز مجھے جانیں دیں،آئندہ کوئی غلطی نہیں کروں گا ۔۔

مجھے معاف کر دیں۔۔۔نہیں نہیں

اس کی آواز میں درد محسوس ہو رہا تھا سارہ نے آہستہ سے اس کے ماتھے پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ فوراً اسکا ہاتھ پکڑ کر اٹھ بیٹھا ۔۔۔

وہ ایک دم پیچھے ہونے لگی لیکن ہاتھ اس کی گرفت میں تھا---
آپ یہاں کیا کر رہی ہے ؟
سارہ کو اپنے پاس دیکھ کر خیام نے کہا اس کا لہجہ سپاٹ تھا ----
وہ آپ شاید کوئی برا خواب دیکھ رہے تھے جس کی وجہ سے ڈر گئے--
میں آپ کو اٹھانے آئی تھی-سارہ نے بنا نظر اٹھائے جواب دیا ---
ہاں وہ اکثر ایسا ہو جاتا ہے آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ جائیں ---
سونے سے پہلے کوئی دعا یا سورت پڑھ لیا کریں برے خواب نہیں آئیں گے- کہہ کر بیڈ پر آکر بیٹھ گئی تو خیام نے طنزیہ مسکراتے ہوئے کہا ---
"دعا یا سورت اس سے کیا ہوتا ہے ،مجھے یقین نہیں ہے اس سب پر....."
کیا مطلب آپ مسلمان نہیں ہیں ؟ سارہ کو حیرت ہوئی تھی

"نہیں میں مسلمان نہیں ہوں.."
مختصر جواب دیا پھر پاس پڑی میز سے بوتل اٹھا کر ڈرنک، کرنے لگا ---
سارہ حیران ہو گئی کہ یہ نشہ بھی کرتا ہے ،خدا جانے اور کیا کیا کام کرتا ہوگا ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ خیام نے اس کے سوچ کو بھانپ لیا تھا اور کہا

"ہاں بالکل میں شراب پیتا ہوں،سگرٹ پیتا ہو اور بھی بہت سے برے کام کرتا ہوں تو آپ کو میرے معاملات میں بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔۔۔سمجھ گئی آپ!!
جب آپ مسلمان نہیں ہیں ،دنیا جہان کے حرام کام کرتے ہیں تو مجھ سے نکاح کیوں کیا۔۔آپ خود کو سمجھتے کیا ہے ؟؟!!

"میں نے کہا مجھ سے کوئی سوال مت کرنا اس کی آنکھوں میں ایک دم غصے کی لہر دوڑی ۔۔۔"

"کیوں نا پوچھوں آخر میری زندگی برباد کر دی ہے آپ نے، سارہ بھی پھٹ پڑی۔۔

"میں نے آپ کی زندگی برباد نہیں کی ،بس مجھے آپ سے محبت تھی اس لیے آپ سے نکاح کیا ہے سنا آپ نے۔۔غصے سے آنکھیں سرخ ہو چکی تھی ۔۔
آپ نے میری زندگی برباد کی ہے یہاں تک کہ مجھے پتہ ہے اس بلڈنگ میں آگ بھی آپ نے لگوائی تھی ۔۔ کیوں مسٹر خیام وہ جگہ آپ لینا چاہتے تھے نا؟؟؟وہ رونے لگی۔۔۔"

میں نے کوئی آگ نہیں لگائی ،سمجھ آئی آپ کو ۔۔۔!!

"آپ نے لگائی ہے مجھے یقین ہے اور ویسے بھی مجھ سے نکاح کر کے آپ کو کچھ حاصل نہیں ہوگا کیونکہ۔۔وہ آگے بولتے ہوئے خاموش ہو گئی ۔۔۔"

کیوں !!! آگے بولو خیام نے جواب مانگا ؟؟؟
کیونکہ میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں آئی سمجھ!!!

"سارہ کا بس اتنا کہنا تھا کہ خیام ایک سیکنڈ لگا کر اس تک پہنچا
اور اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر پوچھنے لگا..
What did you say, say it again.
کیا کہا آپ نے ،،،دوبارہ بولو---
اس بار خیام پاگلوں کی طرح پوچھ رہا تھا ---اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے--

میں نے کہا کہ میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں ،اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی وہ بھی ڈرنے والی نہیں تھی ---
بس یہی سننا تھا کہ خیام نے کمرے کو تہس نہس کر دیا،ہر جگہ شیشے بکھرے ہوئے تھے--خیام کا غصہ کم ہوا---کمرہ ساؤنڈ پروف تھا اس لیے باہر آواز نہیں گئی ---

میرے سامنے یہ بات آپ نے بولی بھی کیسے اور محبت کرتی ہے آپ کسی اور سے ہاں،،آپ کو محبت ہوگی صرف اور صرف مجھ سے،اگر کوئی ہمارے درمیان آیا تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گااور اگر آپ نے دوبارہ کسی اور کا نام بھی لیا تو پہلے اسے اور پھر خود کو مار دوں گا -- کہتے ہوئے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا تو اچانک اس کے زخم میں درد ہونے لگا تو وہ زور سے رو دی --

خیام اچانک سے ہوش میں آیا اور پوچھنے لگا۔۔کیا ہوا ہے کیا درد ہو رہا ہے۔۔

آپ جائیں یہاں سے مجھے آپ کی شکل نہیں دیکھنی وہ چیخ کر بولی اور درد سے آنکھیں بند کر دی ۔۔۔

ایم سوری ۔۔سارہ وہ میں پتہ نہیں غصے میں کیا کچھ بول گیا" "۔۔۔خیام اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا ۔۔۔
مجھے آپ سے بات نہیں کرنی جائیں۔۔۔ سارہ کو شدید درد ہو رہا تھے جسے وہ بڑی مشکل سے برداشت کر رہی تھی ۔۔

سارہ ڈر کے مارے کانوں پر ہاتھ دے کر دیوار کے ساتھ کھڑی ہوئی۔۔۔
خیام کو اپنے کیے پر غصہ آیا اور دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔۔۔پیچھے سارہ اپنی قسمت پر رو رہی تھی کہ کیسا انسان ملا ہے اسے ،،جو کہ انسان کم اور جانور زیادہ ہے۔۔۔جسے رحم نہیں آتا
پھر نا جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔۔
صبح سارہ کی آنکھ دروازے پر دستک سے کھولی ۔۔آجاؤ کہہ کر اٹھ بیٹھی تو پشمینہ ناشتہ لے کر آئی اور اس کے ساتھ اقصیٰ آج آخری بار پٹی تبدیل کرنے آئی تھی ۔۔
صبح بخیر بھابھی جان ،اب کیسی طبعیت ہے ؟؟ ہمیشہ کی طرح چہرے پر پیاری سی مسکراہٹ سجائے پشمینہ بولی۔۔
الحمدللہ میں بالکل ٹھیک ، آپ کیسی ہو میری جان سارہ اسے گلے لگاتے ہوئے پوچھنے لگی ۔۔

میں بھی بالکل ٹھیک ہوں ،اچھا آپ جلدی سے ناشتہ کر لیں پھر اقصیٰ آپ کی پٹی تبدیل کر دیں گی اور آپ کو باہر بابا بلا رہے ہے کوئی بات کرنی ہے ---

اچھا چلیں پھر دیکھتے ہیں انکل کیا کہتے ہیں ناشتہ کرتے ہوئے کہنے لگی پھر جلدی سے اقصیٰ نے پٹی کر کے چلی گئی--

سارہ نے کپڑے چینج کیئے اور بال کھول کر اچھی طرح کنگھی کرنے کے بعد دوبارہ حجاب کیا اور باہر جانے کے لیئے تیار ہو گئی ---

بھابھی ماشاءاللہ آپ کے بال بہت پیارے ہیں ،پشمینہ نے پہلی بار اس کے خوبصورت بال دیکھتے ہوئے تعریف کی ---

سارہ ہنسنے لگی بہت شکریہ میری جان اب چلیں کہہ کر دونوں لاونچ میں آئی جہاں شہباز کا اخبار پڑھ رہے تھے اور خیام لیپ ٹاپ سامنے لیئے کوئی کام کر رہا تھا آج اس نے جلدی آفس جانا تھا --

سارہ نے سلام کیا تو خیام نے جان بوجھ کر کہا--

سارہ سب سے پہلے میرے لیئے ایک کپ کولڈ کافی لے آئیں" تو " .... سارہ اسے گھور کر دیکھنے لگی جو اس پر حکم چلا رہا تھا شہباز نے کہا جاؤ بیٹا پھر بات کرتے ہیں--تو سارہ مسکرا کر جی بابا کہہ کر کچن میں آئی اور جلدی سے کافی بنا کر ڈش میں لے کر آئی----

ابھی اسے دینے ہی لگی تھی کہ اس کے ہاتھوں سے چائے اچھل کر خیام کی شرٹ پر جا گری ---

خیام فورا کھڑا ہو کر شرٹ کو دیکھنے لگا جو ساری خراب ہو گئی تھی اگر سارہ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اُس کی موت پکی تھی----

لیکن شکر ہے لیپ ٹاپ بچ گیا جو کہ سائیڈ پر پڑا تھا خیام غصے سے منہ لال کیے اوپر کمرے میں ٹھاہ کی آواز سے دروازہ بند کیئے اندر گھس گیا ---

یہاں سارہ معصوم سی شکل بناتے شہباز سے کہنے لگی ---

بابا میں نے جان کر نہیں کیا !!! وہ تو غلطی سے گر گئی --

"یہاں آؤ بیٹا ----شہباز نے سارہ کو اپنے پاس بیٹھنے کو کہا تو وہ پاس بیٹھ گئی ---

کوئی بات نہیں ہیں کافی ہی تو گری ہے کپڑے چینج کر لے گا ---تو سارہ نے جی بابا کہا---

اب وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ یہ تو اس نے جان بوجھ کر کیا ہے ،آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا،بہت شوق تھا مجھ سے شادی کرنے کا،،مسٹر خیام----

"دراصل بیٹی مجھے آپ کو یہ بتانا ہے کہ میں اور پشمینہ دو دن بعد عمرہ کے لیے جا رہے ہیں تو پشمینہ یہ بات سن کر خوشی سے روتے ہوئے باپ کے گلے لگ گئی ---

،، کیا واقع بابا ہم اللہ کے گھر جا رہے ہے الحمدللہ اللہ تعالیٰ آپ کا بہت شکریہ ---میں بہت خوش ہوں --

سارہ یہ بات سن کر بہت خوش ہوئی انکل بہت مبارک ہو---

بہت شکریہ میری بیٹی ----آج سے میں آپ کا بابا ہوں---

جی بابا سارہ نے فوراً کہا تو شہباز نے پشمینہ اور سارہ دونوں کو گلے لگاتے ہوئے شکر ادا کیا کہ اللہ نے بہت پیاری بیٹیاں عطا کی ہیں ---

"اچھا سارہ بیٹا، اصل بات جس کے لیے میں نے تمہیں بلایا ہے...
یہ سارا گھر اب تمہاری امانت ہے، اور پوری یونیورسٹی کی ذمہ داری بھی تم پر ہوگی۔"

شہباز صاحب کی آواز میں عجیب سا سکون اور اعتماد تھا۔ اسی لمحے خیام کپڑے بدل کر آ چکا تھا۔ سارہ کی طرف دیکھتے ہوئے وہ طنزیہ انداز میں بولا:

"جی بابا، بالکل۔ میرا خیال ایسے ہی رکھیں گی جیسے ابھی تک رکھا ہے---"

شہباز مسکرا دیے، اور چند فائلیں اور چابیاں سارہ کو تھماتے ہوئے کہا،
"سارہ بیٹا، خیام کا بھی خیال رکھنا۔ ہماری تو یہ سنتا نہیں، شاید تمہاری بات مان لے۔"

سارہ نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا،
"آپ فکر نہ کریں بابا، میں سب سنبھال لوں گی۔"

اس کی نظر اچانک سامنے بیٹھے خیام پر پڑی۔ چہرہ سپاٹ تھا۔ جیسے کل کی کوئی بات ہوئی ہی نہ ہو۔ بس ایک پل کے لیے اس

نے نظریں اٹھا کر سارہ کو دیکھا، اور پھر دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

تب سارہ کی نظر دیوار پر لگی ایک تصویر پر گئی — ایک بے حد خوبصورت عورت، جو بالکل پشمینہ جیسی لگ رہی تھی جو کہ یقیناً پشمینہ کی امی ہوں گی۔۔سارہ نے نظریں چرائیں اور پشمینہ کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف چل دی۔

شہباز نے خیام کے قریب بیٹھتے ہوئے گہری سانس لی،
"خیام، اب میری بیٹی تمہارے حوالے ہے۔ اسے بہت خوش رکھنا،
کوئی دکھ نہ دینا۔ اور خبردار، اگر اسے کوئی نقصان پہنچایا۔"

خیام نے سر جھکایا،
"جی بابا۔"

یہ کہہ کر وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ پیچھے بیٹھے شہباز نے سرد آہ بھری،
"پتا نہیں یہ کب سدھرے گا۔۔۔"

دوسری طرف، سارہ اور پشمینہ نے مل کر سامان پیک کیا۔ جو چیزیں باقی تھیں، وہ خریدنے کے لیے پشمینہ اپنی دوست نمرہ کے ساتھ مارکیٹ چلی گئی۔

سارہ اپنے کمرے میں آئی تو دیکھا خیام صوفے پر بیٹھا اب بھی کام کر رہا تھا۔ وہ ایک نظر اسے دیکھ کر واش روم میں چلی گئی، وضو کیا اور جائے نماز بچھا کر ظہر کی نماز میں مصروف ہو گئی۔

خیام کی نظریں بے اختیار اس پر جا ٹھہریں۔ وہ سارہ کو پہلی بار اس طرح عبادت میں محو دیکھ رہا تھا — دنیا و ما فیہا سے بے نیاز، صرف اپنے رب کے حضور۔ چہرے پر عجیب سا اطمینان تھا۔

خیام نے کام چھوڑ دیا۔ نظریں بس سارہ پر جم گئیں۔
"کتنی خوبصورت نماز پڑھتی ہے یہ لڑکی..."
اس کے دل میں ایک نرم سی لہر اٹھی۔

پھر سارہ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ خیام کی نظریں ان سفید، پاکیزہ ہاتھوں پر جا ٹھہریں جو اللہ کے حضور بلند تھے۔
"کتنے پیار سے بنایا ہے اللہ نے اسے..."
دل نے سرگوشی کی،
"جو بھی دیکھے، دیکھتا ہی رہ جائے۔"

سارہ نے جب دعا مکمل کی اور جائے نماز اٹھانے لگی تو اچانک اسے محسوس ہوا جیسے کوئی مسلسل دیکھ رہا ہو۔ پلٹی تو خیام کی نیلی آنکھیں اس کی آنکھوں سے جا ٹکرائیں۔ دل ایک لمحے کو

ٹھہر گیا۔ سارہ نے جلدی سے نظریں چرائیں، جائے نماز سائیڈ پر رکھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

پیچھے خیام کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

اسی لمحے اس نے کاشان کو کال ملائی۔۔

"کبھی کبھی ایک نظر، ایک خاموشی، اور ایک لمحہ — دل کی دنیا بدل دیتا ہے۔"
کاشان کا فون بجتے ہی جیسے وقت پیچھے دوڑ گیا۔

"خیام یار! کیسے ہو؟ وہاں جا کر تو جیسے مجھے بھول ہی گئے ہو۔ آج کیسے یاد آ گیا؟"
کاشان نے کال اٹھاتے ہی سوالوں کی برسات کر دی۔

"بس بس... اب رُک بھی جاؤ، سانس لے لو یار! کیا ہو گیا ہے؟"
خیام نے ہنستے ہوئے کہا،
"میں ٹھیک ہوں، تم سناؤ!"

کاشان کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی — خیام اردو میں بات کر رہا تھا، وہ بھی ایسی نفیس اردو کہ دل خوش ہو گیا۔

"کب واپس آ رہے ہو؟ یار بہت یاد آ رہا ہے، اور یہاں کی حسین لڑکیاں بھی---"

کاشان حسبِ عادت مذاق سے باز نہ آیا۔

خیام کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا،
"ابھی واپسی کا ارادہ نہیں، کیونکہ... میں اپنی بیوی کے ساتھ ہوں۔"

"کیا؟ بیوی؟ تو نے شادی کر لی؟ اور مجھے بلانا تو دور، بتانا بھی
نہیں سمجھا؟ تجھ سے اللہ پوچھے گا خیام!"
کاشان کی آواز میں حیرت، غصہ اور دکھ سب کچھ تھا۔

"یار سب کچھ اچانک ہوا، ورنہ تُو تو میرے ساتھ ہوتا!"
خیام نے نرمی سے جواب دیا۔

"چلو خیر، یہ بتائیں ،بھابھی کیسی ہیں؟ کہاں کی ہیں؟ اور شادی کب
ہوئی؟"
کاشان اب خوش ہو چکا تھا۔

"نام ہے سارہ، اور شادی کو دو ہفتے ہو گئے ہیں--اور یہ وہی ہیں
جنہیں میں پچھلے سات سال سے ڈھونڈ رہا تھا۔باقی تفصیل وہاں آ
کر بتاؤں گا۔"
خیام نے بات کا رخ موڑا،
"یہ بتاؤ، دانیال کا کچھ پتا چلا؟"

کاشان فوراً سنجیدہ ہو گیا،

"کچھ دن پہلے ترکی میں تھا، اب سنا ہے لندن چلا گیا ہے۔ میرے
بندے اس کے پیچھے لگے ہیں۔"

خیام کی آواز سخت ہو گئی،
"کاشان، مجھے وہ آدمی جلد از جلد اپنے سامنے چاہیے۔ وہ بہت
خون بہا چکا ہے — معصوموں کا۔"

"فکر نہ کرو بھائی، وہ جلد آپ کے سامنے ہوگا۔"
خیام نے سر ہلا کر "اوکے" کہا اور کال بند کر دی۔

افطاری کی خوشبو

سارہ کچن میں کھڑی افطاری کی تیاری کر رہی تھی —
چکن بریانی، سموسے، کباب، فروٹ چاٹ، آئس کریم، اور جوس۔
اوون میں پیزا رکھا تھا، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ پشمینہ کو پیزا
بےحد پسند ہے۔

اتنے میں پشمینہ اور نمرہ واپس آئیں۔
"بھابھی! آپ کچن میں؟ آپ کی طبیعت ابھی ٹھیک نہیں..."
پشمینہ نے فکر سے کہا۔

"میں بہتر ہوں اب، اور سارا دن آرام بھی کیا ہے۔"
سارہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ مسکرا دی،
"افطاری اسپیشل ہوگی آج!"

پشمینہ شرارت سے بولی۔

خاموش نظروں کی گفتگو

افطاری بنانے کے بعد سارہ کمرے میں آئی۔ خیام موجود نہ تھا، اس نے سکھ کا سانس لیا۔
فریش ہو کر سیاہ فراک اور چوڑی دار پاجامہ پہنا، اور گیلے بال سکھانے لگی۔

تبھی خیام دروازے سے داخل ہوا —
اور جیسے وہ ایک پل رک گیا۔

سارہ کے چہرے پر معصومیت، لباس میں وقار، اور بالوں میں حسن تھا۔۔اتنے خوبصورت بال ماشاء اللہ ۔۔۔۔
خیام نظریں ہٹانا بھول گیا۔

سارہ مڑی، تو خیام کو دیکھ کر فوراً دوپٹہ سر پر لیا۔
خیام اس حرکت پر بےساختہ ہنس پڑا۔
سارہ شرم سے دوسری طرف منہ کر گئی۔

"کیا یہ انسان... ہنستا بھی ہے؟"
وہ دل ہی دل میں بولی۔

خیام بات کیے بغیر فریش ہونے چلا گیا،

اور سارہ جلدی سے حجاب کر کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

کچھ دیر بعد جب خیام واپس آیا،
تو آئینے کے سامنے کھڑا اپنی ہنسی کو دباتے ہوئے بس یہی سوچتا رہا —
"وہ لمحہ... کچھ خاص تھا..."

جب خیام افطاری کی میز پر آیا تو سب کی نظریں ایک لمحے کو ٹھہر گئیں۔
سیاہ کُرتے میں ملبوس، سفید رنگت اور ماتھے پر بکھرے بالوں کے ساتھ وہ کسی شہزادے جیسا معلوم ہو رہا تھا۔

شہباز صاحب حسبِ روایت سربراہی کرسی پر براجمان تھے۔ خیام اُن کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد پشمینہ، پھر نمرہ آ کر بیٹھیں۔ سارہ افطاری کا سامان رکھوا چکی تھی۔ وہ نمرہ کے پہلو میں بیٹھنے کو تھی کہ پشمینہ نے جلدی سے کہا:
"بھابھی! آپ وہاں بھائی کے ساتھ بیٹھ جائیں۔"

پشمینہ جانتی تھی کہ بابا کے سامنے سارہ انکار نہیں کرے گی، اس لیے سارہ نے غصہ پی کر ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجا لی اور خیام کے ساتھ والی کرسی پر جا بیٹھی۔

شہباز صاحب نے کھانے کی خوشبو محسوس کرتے ہی خوش دلی سے کہا:

"ارے واہ بیٹا، آج تو آپ نے سارے پسندیدہ کھانے تیار کر دیے!
"ویسے بھی ہم نوکروں کے ہاتھ کا کھا کھا کر بور ہو چکے تھے۔

سب مسکرا دیے۔ روزہ کھولتے ہی کھانے کی تعریف شروع ہو گئی۔

"!آہ... مزہ آ گیا۔ کھانا بہت لذیذ ہے"
شہباز صاحب نے خوشی سے کہا۔

"شکریہ!" سارہ نے مسکرا کر کہا اور بریانی کی پلیٹ اٹھا کر کھانے لگی۔
خیام بھی خاموشی سے بریانی کھا رہا تھا، لیکن اس کی نظریں سارہ کی ہر حرکت پر جمی ہوئی تھیں۔

سارہ نے اس کی نظروں کی تپش محسوس کی تو نظریں چرا کر پشمینہ کی طرف دیکھنے لگی، جو نمرہ اور بابا کے ساتھ گفتگو میں مشغول تھی۔ پھر اس نے نوکرانی کو اشارہ کیا کہ پیزا لا کر پشمینہ کے سامنے رکھ دے۔

پشمینہ کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی،
"!بھابھی! بہت شکریہ... آپ نے میرا پسندیدہ پیزا یاد رکھا"
پھر وہ پیزا سب کو پیش کرنے لگی۔

اتنے میں خیام کھانا ختم کر کے اٹھنے لگا تو پشمینہ نے شوخی سے کہا:
"بھائی! کہاں جا رہے ہیں؟ آپ کی پیاری بیوی نے پیزا بنایا ہے، آپ بھی کھائیں اور بتائیں کیسا بنا ہے؟"

خیام کی نظر سارہ سے ملی، جو اُسے جاتے دیکھ کر سکھ کا سانس لے رہی تھی۔
لیکن وہ خاموشی سے واپس بیٹھ گیا اور پیزا اٹھا لیا۔

"واہ بھابھی! آپ کے ہاتھ میں تو جادو ہے۔ کھانا لاجواب تھا، اور پیزا بھی کمال ہے، ماشاءاللہ!"
پشمینہ اور نمرہ بھی تعریف پر تعریف کرنے لگیں۔

پشمینہ نے شرارتی لہجے میں خیام کی طرف دیکھا:
"بھائی! آپ بتائیں نا، آپ کو کیسا لگا؟"

"ہمم... ٹھیک ہے۔" خیام نے سنجیدگی سے کہا۔

سارہ نے خونخوار نظروں سے اسے گھورا،
جو ساری پلیٹ صاف کر چکا تھا اور اب کہہ رہا تھا کہ بس ٹھیک ہے!

سب ہنسنے لگے —

سارہ شرم، غصے اور الجھن کے ملے جلے جذبات لیے جلدی سے
کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
تبھی اس کے فون پر امی کی کال آ گئی۔

"السلام علیکم امی! کیسی ہیں آپ؟ اور بابا کیسے ہیں؟"
سارہ کی آواز اداس تھی۔

"اللہ کا شکر ہے بیٹا، ہم دونوں ٹھیک ہیں۔ تمہارے بابا بھی پاس
بیٹھے ہیں، سب سن رہے ہیں۔ تم سناؤ، کیسی ہو؟"

"جی امی، میں بھی ٹھیک ہوں، اور باقی سب بھی خیریت سے ہیں۔"

"شکر ہے بیٹا۔ یہ بتاؤ، وہاں سب تمہارا خیال تو رکھتے ہیں نا؟"

"جی امی، یہاں سب بہت اچھے ہیں۔ پشمینہ میرے کمرے میں
کھانے پینے کی چیزیں لے آتی ہے۔ بابا بھی میرا حال پوچھتے
رہتے ہیں، مجھے کوئی کام نہیں کرنے دیتے۔ آپ پریشان نہ ہوں،
میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اللہ کا شکر ہے بیٹا، اب ہمیں سکون ملا ہے۔ ورنہ تمہارے بابا
بہت پریشان تھے۔"

"بابا! آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ آپ کی شہزادی بالکل ٹھیک ہے"
سارہ نے محبت سے کہا۔

"ویسے بابا اور پشمینہ دو دن بعد عمرہ پر جا رہے ہیں، مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔"

"ماشاءاللہ بیٹا! یہ تو بہت خوشی کی بات ہے، ہم بھی جلد آئیں گے۔"
دلاور کی پرشفقت آواز آئی۔

سارہ تھوڑا جھجکی، پھر پوچھنے لگی:
"بابا جان، بچے کیسے ہیں؟ میرے بارے میں پوچھتے ہوں گے نا؟"

دلاور نے تھوڑا توقف کیا، پھر نرمی سے بولے:
"بیٹا، بچے بالکل ٹھیک ہیں۔ تمھیں بہت یاد کرتے ہیں، لیکن... ہم نے انھیں لاہور بھیج دیا ہے مبین کے پاس۔ تمھیں پتا ہے، یہاں اُن کی جان کو خطرہ تھا۔ اس لیے ہمیں یہ قدم اٹھانا پڑا، وہ بھی تمھیں بتائے بغیر۔"

"بابا... آپ نے انھیں بھیج دیا؟ کم از کم ایک بار مجھ سے ملوا تو دیتے!"
سارہ کی آواز رندھ گئی،
"آپ جانتے ہیں، میں اُنہیں کتنا یاد کرتی ہوں!"
وہ رونے لگی۔

"بیٹا، سمجھنے کی کوشش کرو... اُن کی جان تمھاری خوشی سے بڑھ کر ہے۔ اب رونا بند کرو، میری جان۔ مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔"

اچھا ٹھیک ہے بابا، جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ میں اب سونے لگی"
"ہوں۔ اللہ حافظ۔
سارہ نے فون بند کر دیا اور آہستہ سے بستر پر لیٹ گئی۔
—— آنکھوں میں نمی لیے، وہ چھت کو دیکھتی رہی
جہاں یادوں کے سائے چپکے سے آن بیٹھے تھے۔۔۔
بچوں کے ساتھ گزرے ہر لمحے کو یاد کر کے رونے لگی۔۔

خیام کمرے میں آیا وہ ساری باتیں سن چکا تھا ۔۔ٹیبل پر لیپ ٹاپ سامنے رکھے کرسی کھینچ کر سردار اور دانیال کے کچھ آدمیوں کے بارے میں ڈیٹا نکالنے لگا جوکہ اس وقت پاکستان میں ہی لڑکیوں اور بچوں کی سمگلنگ کر رہے تھے ۔۔
پشمینہ دروازے پر دستک دے کر اندر آئی ۔۔
آو پشمینہ سارہ اسے پاس بلانے لگی ۔۔بھابھی آپ رو رہی تھی کیا ہوا ہے ۔۔سارہ کی سرخ آنکھیں دیکھ کر پوچھنے لگی ۔۔
کچھ نہیں ہوا میری جان آپ بتائیں کیا پوچھنے آئیں ہیں سارہ نے بات بدلنے کے لیئے کہا۔۔
کیا بھائی نے کچھ کہا پشمینہ نے خیام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو خیام نے فوراً نا میں سر ہلایا ۔۔۔
نہیں نہیں انھوں نے کچھ کہا دراصل بابا نے بچوں کو لاہور بھیج دیا ہے تو مجھے ان کی بہت یاد آ رہی تھی اسی لیئے رو رہی تھی

بھابھی اس میں رونے والی کیا بات ہے جب آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں تو بھائی سے کہہ دیجئے گا آپ کو بچوں کے پاس لے جائیں گے ---

پشمینہ نے سارہ کو آسان سا حل بتایا تو سارہ نے ہاں میں سر ہلایا اچھا اب بتاؤ کیا بات کرنی تھی --

بھابھی میں آپ کے اور بھائی آپ کے لیے میں وہاں سے کیا لے کر آؤ --پشمینہ نے خوشی سے پوچھا --

مجھے کچھ نہیں چاہیے ،بس دعا کرنا کہ اللہ جلد از جلد مجھے بھی اپنے گھر بلائیں---سارہ نے اپنے دل کی خواہش بتائی---

جی بھابھی انشاء اللہ آپ بھی بہت جلد جائیں گی -اپ کو پتا ہے آج مجھے امی کی بہت یاد آ رہی ہے آج وہ ہوتی تو کتنی خوش ہوتی ---

پشمینہ اداس سے لہجے میں بولی ،اچھا مجھے آپ قرآن کریم کے اور واقعات کے بارے میں بتائیں پلیز ---

میں نے خود پڑھنا شروع کر دیا ہے لیکن آپ کی آواز میں سننا چاہتی ہوں --

پشمینہ میری جان آپ کی امی ہمیشہ آپ کے پاس ہے، آپ بس ان کے لیے دعا کیا کرو-- ٹھیک ہے اب واقع سنانا ہے لیکن کہیں اور چلتے ورنہ آپ کے کھڑوس بھائی ڈسٹرب ہو نگے--

سارہ نے آہستہ سے کہا-تو پشمینہ زور سے ہنسنے لگی کھڑوس ہاہاہاہا ---بھائی کیا ہم یہاں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں ---؟؟

پشمینہ نے معصوم سی شکل بنا کر خیام سے پوچھا تو اس نے ہاں میں سر ہلایا---چلیں بھابھی اب بتائیں-

آج میں آپ کو ہمارے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی والدہ حضرت آمنہ کے بارے میں بتاتی ہوں۔۔
ایک بار جب بنو سعد کی خیمہ بستی سے واپس آئے تو ہمارے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کافی صحت مند تھے ،ڈوڑنے بھاگنے لگے تھے،حضرت آمنہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتیں،تو دل مسرت سے بے قابو ہو جاتا تھا ،لیکن کبھی کبھی انہیں جناب عبداللہ کی بھی یاد آجاتی کہ وہ زندہ ہوتے تو بیٹے کو دیکھ کر کتنے خوش ہوتے،ایسے موقع پر وہ غمگین ہو جاتی ،اپنے اکلوتے نورِ نظر کے مستقبل کے بارے میں ان کی سوچیں گہری اور بے قابو ہو جاتی تھی ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں ،چاچے اور تائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتے تھے ۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں سال میں داخل ہوئے تو جناب عبد المطلب ،محمد صلی اللہ علیہ وسلم ،حضرت آمنہ اور ان کی لونڈی ام ایمن کو مدینہ لے گئے،جس کا نام اس وقت یثرب تھا،وہاں عبد المطلب کے ننہال تھے۔انھوں نے اپنا پچپن وہیں گزارا تھا۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والد جناب عبداللہ نے بھی وہیں وفات پائی تھی ،ان کی قبر یثرب میں تھی۔۔۔
عبد المطلب اپنے بیٹے کی قبر دیکھنا چاہتے تھے ،اپنے پوتے اور بہو کو اس کے شوہر کی آخری آرام گاہ دکھانا چاہتے تھے ۔۔خیام اپنا کام چھوڑ کر سارہ کی باتوں میں گم بیٹھا تھا اتنی خوبصورت آواز ،اتنا پیارا لہجہ۔۔۔۔
۔جناب عبد المطلب نے مدینہ میں بنو عدی بن نجار کے ہاں قیام کیا۔وہ اپنے بیٹے کی قبر دیکھنے بھی گئے۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ، کو لے کر حضرت آمنہ نے اپنے شوہر کی وفات کے

بعد پہلی بار ان کی قبر پر آئی تھیں وہ بہت افسردہ اور غمگین تھیں ،جناب عبد المطلب اپنا دکھ چھپانے کی کوشش کرتے رہے---
مکہ کی نسبت مدینہ ایک سر سبز خطہ تھا،وہاں باغات تھے ،ہری بھری کھیتیاں تھیں ،پانی کے تالاب تھے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار پانی کے تالاب دیکھے تھے ۔بنی نجار کے بچوں کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مل کر تالاب میں نہایا کرتے اور تیرتے تھے،مدینہ میں ایک ماہ قیام کے بعد جناب عبد المطلب اپنی بہو اور پوتے کو ہمراہ لے کر واپس مکہ کی طرف روانہ ہوئے ۔اسی راستے سے جس سے قدیم زمانے سے مکہ اور مدینہ کے درمیان قافلے سفر طے کرتے تھے ---
جب آپ کا قافلہ ابواء کی وادی میں پہنچا تو حضرت آمنہ کی طبیعت ناساز ہونے لگی تو جناب عبد المطلب وہیں ٹھہر گئے اور ان کی طبیعت بہتر ہونے کا انتظار کرنے لگے لیکن ان کی زندگی کا سفر تمام ہو چکا تھا۔باپ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کو بھی سفر میں اپنے پاس بلا لیا تھا۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں باپ کی قبر دیکھ کر آرہے تھے اب یہاں اپنی والدہ کو قبر میں اترتے دیکھ رہے تھے اس وقت ہمارے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غم اور دکھ کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔جب لوگ قبر پر مٹی ڈال کر واپس ہوئے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی قبر سے لپٹ کر رونے لگے وہ بہت افسردہ تھے--
اماں! اماں !! آپ تو مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتی،آپ بولتی کیوں نہیں ،،آپ پوچھ رہے تھے مگر آپ کی والدہ تو وہاں پہنچ چکی تھی جہاں سے کوئی کسی سوال کا جواب نہیں دیتا--جناب عبد

المطلب اپنے یتیم پوتے کو لے کر مکہ واپس آئے ۔جناب عبد المطلب کا دل صدمے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا کہ اپنے یتیم پوتے کو باپ کی محبت اور چھاؤں فراہم کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے اب ماں کی مامتا اور آغوشِ محبت فراہم کرنا بھی ان کے زمہ آگیا۔۔

انھوں نے ماں اور باپ دونوں کا پیار دیا کبھی کوئی تکلیف نہیں ہونے دی۔۔جب کوئی جان سے پیارا دور ہو جائے تو انسان اللہ سے شکوہ کرنے لگ جاتا ہے ۔لیکن ہمارے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شکوہ نہیں کیا بلکہ ان کے لیے دعا کرتے تھے ،ہر مشکل میں صبر کرتے ،کوئی آپ کو تکلیف دیتا تو آپ چپ کر جاتے۔۔۔

'پشمینہ مصیبتیں صرف ہم پر ہی نہیں آتی ،یہ تو نبیوں جیسی ہستیوں پر بھی آئی ہیں ،یہ دنیا ہے ہی امتحان کے لیے یہاں دل لگانے کی ضرورت نہیں ہے بس اپنے اللہ سے دل لگائیں جب اللہ ساتھ ہوگا تو دنیا کی کوئی چیز آپ کو رسوا نہیں کر سکتی،،، آپ کو ہرا نہیں سکتی ، آپ کو غم بھی نعمت لگنے لگتے ہیں لیکن جب اللہ کا ساتھ نا ہوں تو دنیا کی کوئی بھی طاقت آپ کو تباہی ،رسوائی سے نہیں بچا سکتی، آپ کی قسمت میں صرف ذلت ہوگی

پشمینہ تو جیسے سانس روکے بیٹھی تھی ۔۔اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں بہترین دین صرف آپ کا ہے تو دنیا میں بہترین کردار پیش کرنا بھی آپ کی ذمہ داری ہے"۔۔۔

بھابھی آپ کا بہت شکریہ آپ کی باتیں سن کر ایک حوصلہ ملتا ہے
، اللہ تعالیٰ نے آپ کی آواز میں واقع کوئی جادو رکھا ہے کہ جو
سنتا ہے سنتا رہ جاتا ہے آپ بہت اچھی ہے بھابھی ---
پشمینہ نےگلے لگا کر کہا تو خیام یہ منظر دیکھتا رہا کہ واہ کیا
بات ہے بھابھی کے ساتھ اتنی محبت ہائے-- لگا کر کہا تو خیام یہ
منظر دیکھتا رہا کہ واہ کیا بات ہے بھابھی کے ساتھ اتنی محبت
ہائے--
پشمینہ سونے کے لیے چلی گئی تو سارہ سوچنے لگی
"کہانیاں زندگی جیسی نہیں ہوتیں -زندگی زیادہ عجیب ہے کبھی
کبھی زندگی انسان کو الجھا کر سلجھا اور کبھی سلجھا کر الجھن
میں ڈال دیتی ہے یہ کبھی آسان نا تھی اور نا ہوگی -"'پھر آنکھیں بند
کر کے سونے لگی ---
تو خیام کی آواز پر رک گئی ' آپ نے کھانا بنانا کہاں سے سیکھا
ہے '
کیوں؟ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں آپ کو تو پسند نہیں آیا--سارہ نے
منہ بنا کر کہا
نہیں ایسی بات نہیں ہے کھانا بہت مزے کا تھا اسی لیے پوچھ رہا
ہوں کہاں سے سیکھا ہے --خیام نرم مزاج میں بات کر رہا تھا تو
سارہ حیران ہوئی--
میں نے امی سے سیکھا ہے اگر کھانا اچھا تھا تو اس وقت منہ
کیوں بنا رہے تھے،کہہ کر اوپر کمفرٹر ڈال کر لیٹ گئی ---

وہ دراصل آپ کو تنگ کرنے میں مزہ آتا ہے خیام اسے غصہ
دلانے کے موڈ میں تھا--

ویسے ایک بات بتائیں ،سارہ نے اٹھ کر فوراً سوال کیا ۔۔
جی بولیں ،خیام کام ختم کر کے تابعداری سے بولتا اس کے پاس بیڈ پر آکر بیٹھ گیا ۔۔۔
آپ اردو کیوں نہیں بولتے ہمیشہ انگلش میں بات کرتے ہیں،حالانکہ اردو اچھی طرح آتی ہے آپ کو یہ سوال کافی دنوں سے اس کے ذہن میں تھا ۔۔۔
کیونکہ میں جب سکول تھا تب بھی انگلش ،دوستوں کے ساتھ انگلش پھر بزنس وہاں بھی انگلش ،گھر کم ہوتا تھا ویسے تو پہلے تھوڑی بہت آتی تھی لیکن اب صحیح سے آتی ہے لیکن اردو کم بولنی پڑتی ہے۔۔اسے دیکھ کر بتانے لگا ۔
اچھا۔۔۔سارہ بولی تو خیام ہنسے لگا ۔۔۔

ہاں بالکل ۔۔۔جب خیام اس کا ہاتھ پکڑنے لگا تو سارہ نے فوراً پیچھے کر لیا۔خیام کو سارہ کی یہ حرکت بالکل پسند نہیں تھی ۔۔۔
آپ مجھ سے دور کیوں بھاگتی ہیں آپ کا شوہر ہوں کوئی غیر نہیں ۔۔لہجہ تھوڑا سخت تھا۔۔
شوہر ہے لیکن زبردستی کے۔۔۔ ویسے بھی وہ بلڈنگ والی بات میں بھولی نہیں ہوں ۔۔ آپ جیسا جھوٹا انسان میں نے آج تک نہیں دیکھا پہلے تو آپ نے اپنے آدمی بھیجے جب ان سے کام نا ہوا تو سیدھی بلڈنگ جلا دی ۔۔۔سارہ کو بھی اذیت ناک وقت یاد تھا۔۔۔

خیام ،سارہ کے بالکل قریب آکر بولا...میں نے آپ سے پہلے بھی" کہا ہے کہ میں نے آگ نہیں لگائی اور میرے آدمی ضرور گئے

تھے آپ کے پاس ،لیکن میں اتنا گرا ہوا انسان نہیں ہوں کہ اپنے
کام کے لیئے بچوں کی جان کو خطرے میں ڈال دوں۔۔
مجھے آپ کے الفاظ پر زرا سا بھی یقین نہیں ہے نفرت ہے آپ"
سے ،اسکی آنکھوں میں دیکھ کر بولی
ایک دن ضرور یقین آئے گا آپ کو پتا چل جائے گا کہ وہ سب کس
نے کیا اور یہ نفرت بھی ختم ہو جائے گی ۔۔
یہ نفرت کبھی ختم نہیں ہوگی اور بہت جلد میں یہاں سے چلی جاؤں
گی آپ سے طلاق لے کر ۔۔۔
سارہ کے اندر نفرت کی آگ بھری ہوئی تھی ۔۔۔
میں آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتا لیکن آپ مجھے مجبور کر رہی
ہیں۔۔۔طلاق لیں گی آپ مجھ سے ،میں آپ کو چیلینج کرتا ہوں میں
ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گا اور یہ لفظ دوبارہ اپنی زبان سے مت
نکالنا ورنہ بہت برا ہوگا۔۔۔
خیام نے سارہ کا منہ زور سے پکڑا اور کہا،، یاد رکھیے گا میں
اپنی بات کا بہت سچا انسان، بلکہ آپ کے مطابق(جانور) ہوں ۔۔۔کہتا
"باہر چلا گیا ۔۔۔
پیچھے سارہ اپنے چہرے کو ہاتھ لگانے لگی جو کہ درد کر رہا تھا
یا اللہ کیسا جانور لکھ دیا ہے میری زندگی میں،روتے ہوئے
سوچنے لگی۔۔۔
خیام ہمیشہ کی طرح ویران سڑکوں پر کار دوڑاتا رہا اُسے سارہ پر
غصہ آ رہا تھا وہ اس سے دور جانے کی بات کیسے کر سکتی ہے
وہ تو" اس کے جینے کی وجہ تھی،،سارہ نے ابھی اس کا یہ جنون
نہیں دیکھا تھا اگر دیکھ لیتی تو خوف زدہ ہو جاتی ۔۔۔

ایک جگہ کار روک کر شراب کی بوتل کو ہاتھ پر مار کر ہاتھ زخمی کر لیا"دِماغ میں سارہ کے لَفظوں کی گُونج منہ پہ تَھپڑ کی طرح لگ رہی تھی اور وہ زور سے چیخنے لگا اس کی آواز ہر طرف گونج رہی تھی یہ اس کے غصے کو کم کرنے کا طریقہ تھا --

خیام چاہ کر بھی سارہ کو تکلیف نہیں دے سکتا تھا اسی لیے خود کو تکلیف دینے لگا پھر رات کو جب گھر آیا تو دو بج رہے تھے کچن میں سے فرسٹ ایڈ باکس نکال کر ہاتھ پر پٹی کی۔۔

سارہ ابھی جاگ رہی تھی کیونکہ لاکھ کوشش کے باوجود اسے نیند نہیں آ رہی تھی وہ تو سورہ یوسف کی تلاوت کرنے لگی۔۔

خیام کمرے میں آیا تو سارہ کو قرآن مجید پڑھتے دیکھ کر سامنے جا کر صوفے پر بیٹھ گیا اور اسے دیکھنے لگا جس کی سرخ آنکھیں گواہی دے رہی تھی کہ وہ ابھی تک روتی رہی ہے ۔۔سورہ یوسف پڑھنے کے بعد اسے لگتا تھا ۔۔کہ

"سگّے حسد کر سکتے ہیں۔

اپنے ہلاکت میں ڈال سکتے ہیں۔

غیر نجات دِلا سکتے ہیں۔

بِلا جُرم قید ہو سکتی ہے۔

پارسا پر تُہمت لگائی جا سکتی ہے۔

قریب ترین عزیز جُدا ہو سکتا ہے اور ہِجر کاٹا جا سکتا ہے۔

بِچھڑا ہوا مِل سکتا ہے اور ہر خواب پورا ہو سکتا ہے۔

دعائیں جلد یا بدیر ضرور قبول ہوتی ہیں ۔۔"

(بے شک ہر مُشکل کے بعد آسانی ہے" (القرآن"

صبر اور انتظار سے عاجز ہوں میرے مولا

میں اب اپنے حق میں کوئی معجزہ چاہتی ہوں۔۔کہہ کر قرآن مجید بند کیا۔
جب قرآن کو الماری میں رکھا تو خیام اس کے پاس آیا اور سوری کرنے لگا ۔۔۔
کیا کہا آپ نے سارہ کو اپنے کانوں پر یقین نا آیا تو دوبارہ پوچھا۔۔۔
میں نے کہا سوری ،آپ پر غصہ کرنے کے لیے ،خیام نے کان پکڑ کر بولا
مجھے نیند آرہی ہے۔۔۔سارہ نے رخ دوسری طرف کر لیا۔۔۔
لگتا ہے میری جنگلی بلی کو نیند نہیں آتی ۔۔۔

"مجھے جنگلی بلی کیوں کہہ رہے ہیں آپ خود ہے کھڑوس ۔۔"
سارہ کو ایک دم غصہ آیا۔۔۔
کیونکہ آپ جنگلی بلی ہوں جو ہر وقت کاٹنے کو دوڑتی ہے اور یہ کھڑوس کس کو بولا۔۔
آپ کو اگر میں کاٹنے کو دوڑتی ہوں تو آپ بھی ایک نمبر کھڑوس ،بدتمیز انسان ہے ۔۔۔سارہ بھی پھٹ پڑی اور جلدی سے بیڈ پر لیٹ کر کمفرٹر منہ تک ڈال کر سو گئی ۔۔

ہاہاہا چلو شکر ہے انسان تو کہا خیام بھی صوفے پر لیٹ کر کھڑوس لفظ پر ہلکا سا مسکراتے ہوئے سارہ کو سوتے دیکھتا رہا۔۔
جب خیام کو یقین ہوا کہ اب سارہ سو گئی ہے تو آٹھ کر سارہ کے پاس بیٹھا اور ماتھے پر بوسہ دیا،،میری جنگلی بلی

صبح سحری کے وقت سارہ کی آنکھ کھلی تو روزہ رکھنے کا' ارادہ کیا پھر فریش ہو کر باہر آئی جہاں نوکرانی کچن میں کھانا بنا رہی تھی تو سارہ کو دیکھ کر کہنے لگی...ارے بی بی جی آپ کو کچھ چاہیے تھا تو مجھے بتا دیتی-نہیں مجھے کچھ نہیں چاہیے بس میرے ایک کپ چائے اور پراٹھا بنا دو --ٹھیک ہے -تبھی پشمینہ اور شہباز سحری کے لیے ٹیبل پر آئے ،اسلام علیکم بابا --سارہ کچن سے نکل کر باہر آئی-وعلیکم سلام بیٹا آپ بھی روزہ رکھیں گی --جی بابا پہلے ہی بیماری کی وجہ سے نہیں رکھ سکی اور آج اٹھائیس روزہ ہے--لیکن بھابھی آپ کی دوائی کا کیا ہوگا---

وہ میں سحری اور افطاری کے ٹائم لے لوں گی --

اچھا چلیں پھر ٹھیک ہے ،سارہ بیٹا آپ جا کر خیام کو اٹھا دیں وہ ہمارے ساتھ ہی کھانا کھاتا ہے شہباز نے کہا تو پشمینہ ہنسی روکنے لگی----

سارہ کی بچی اب جاؤ ،صبح صبح پھر اس کھڑوس کا سامنا کرنا ہے دل میں سوچتی ہوئی کمرے میں آئی تو خیام روز کی طرح ،،، معصوم سی شکل وصورت بنائے سو رہا تھا

اب سارہ کو سمجھ نا آیا کہ اس کھڑوس کو کیسے اٹھائے--

پھر ہمت کر کے اسے کھڑوس کہہ کر اٹھانے لگی لیکن خیام پر کوئی اثر نہ ہوا تو اسے ایک شرارت سوجھی---

ٹیبل پر پڑی گھڑی پر دو منٹ بعد کا الارم لگا کر خیام کے کان کے پاس رکھ کر خود دروازے کے پاس کھڑی ہو گئی جب زور زور سے الارم بجا تو اس کی آواز سن کر خیام صوفے سے نیچے گر پڑا ----

جب سامنے دیکھا تو سارہ کھڑی تھی ۔یہ کونسا طریقہ ہے اٹھانے کا،،،،

آپ بہرے ہو گئے ہیں سنائی نہیں دیتا اب جلدی اٹھیں نیچے بابا سحری پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں کہہ کر باہر چلی گئی ۔

افف۔۔ مس سارہ آپ سچ میں جنگلی بلی ہیں جو ہر بات کا جواب جھٹ سے دیتی ہیں ۔۔

واہ کیا قسمت ہے میں لوگوں پر حکم چلاتا ہوں اور یہاں آپ مجھ پر حکم چلا رہی ہیں ۔۔جلدی سے اٹھ کر واش روم میں چلا گیا ۔۔

سارہ پشمینہ کے ساتھ باتیں کر رہی تھی اور شہباز اپنے دوست سے فون پر بات چیت کر رہے تھے خیام آکر شہباز کی ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا آج سارہ پہلے ہی پشمینہ کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی ۔۔۔

سب سحری کرنے لگے سارہ نے صرف آدھا پراٹھا اور ایک کپ چائے پی پھر سامان اٹھا کر کچن میں رکھنے کے بعد نماز پڑھنے کمرے چلی گئی تو خیام بھی کمرے میں آیا اور ہر روز کی طرح بیٹھ کر سارہ کو نماز پڑھتے دیکھنے لگا۔۔۔

یہ منظر ،اس کی زندگی کے خوبصورت ترین منظر میں سے تھا ' ایک عجیب سا سکون ملتا تھا اسے سارہ کو اللہ کے آگے سجدہ کیا دیکھتے ہوئے شاید وہ بہت خوش نصیب تھی جو کہ آج کے ڈپریشن بھرے دور میں بھی سکون سے رہتی تھی وجہ اللہ سے رابطے میں رہنا تھا ۔۔۔'

سارہ نماز سے فارغ ہو کر سو گئی تو خیام بھی سو گیا۔۔جب سارہ کی آنکھ کھلی تو دن کے دس بج رہے تھے جلدی سے فریش ہو کر

آئی اور بالوں کو سکھانے لگی پھر برش سے بار بار بالوں کو سیدھا کرتی اپنے بالوں کی وہ خاص طور پر حفاظت کیا کرتی تھیں کنگی کرنے کے بعد حجاب کرکے نیچے آئی ---

آج اس نے ڈارک گرین فراک پہنا ہوا تھا اور اس کے ساتھ بلیک حجاب کیا ہوا تھا ہاتھ میں ایک رنگ اور کلائی پر بہت نفیس سا بریسلٹ پہنے بہت خوبصورت لگ رہی تھی جب نیچے آئی تو شہباز ،پشمینہ اور ان کے ساتھ دو عورتیں اور دو مرد بیٹھے تھے تو شہباز نے بلایا---

آؤ بیٹا، پھر سب کو مشترکہ سلام کر کے پشمینہ کے ساتھ بیٹھ " گئی۔ تبھی خیام باہر سے آیا، مہمانوں کو دیکھ کر سلام کیا اور ساره کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"یہ ہے میری بہو، سارہ۔ اور سارہ، یہ میرے بڑے بھائی ہیں شیراز اور احمد، اور یہ دونوں میری بھابھیاں ہیں، رخسانہ اور فروہ۔"

"کیسے ہیں آپ سب؟" سارہ خوش دلی سے ان سے حال احوال پوچھنے لگی، تو وہ سب بھی سارہ کو دیکھتے رہ گئے۔

"ویسے شہباز بھائی، آپ کی بہو تو ماشاءاللہ بہت خوبصورت ہے، اور بولتی بھی بہت پیارا ہے۔ دونوں کی جوڑی اللہ سلامت رکھے، آمین!"

پھر سب باتوں میں مصروف ہو گئے تو خیام نے سارہ کی طرف جھک کر کہا:

"ویسے یہ سب لوگ جو آپ کی تعریف کر رہے ہیں، انھیں نہیں پتا
کہ آپ جنگلی بلی ہیں، جو منہ سے زہر بھی اگلتی ہے۔"
سارہ کا پارہ ہائی ہو گیا، تو اس نے خیام کو گھورتے ہوئے کہا:
"آپ یہ بھول گئے کہ جنگلی بلی نوچ بھی لیتی ہے!"

کہہ کر خیام کے بازو پر زور سے ناخن مارے، تو اس کے منہ سے زور سے آہ نکلی۔ سبھی چونک کر دیکھنے لگے کہ کیا ہو گیا ہے۔ سارہ نے معصوم سی شکل بنا کر اپنے شوہر کی طرف دیکھ کر پوچھا:
"خیام، کیا ہوا ہے آپ کو؟"

خیام اور پشمینہ اس کی ایکٹنگ دیکھ کر اش اش کر اٹھے۔

"وہ... دراصل مچھر نے کاٹ لیا ہے!" چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ سجا کر کہنے لگا، تو پشمینہ اور سارہ ہنسی دبائے بیٹھی رہیں۔ پھر کچن میں کام کا بہانہ کر کے چلی آئی اور زور زور سے ہنسنے لگیں۔

"افف بھابھی! کیا کمال کی ایکٹنگ کی ہے آپ نے، میں تو فین ہو گئی۔ ویسے بھائی کی شکل دیکھنے والی تھی۔"

پھر اسی طرح سارا دن مہمانوں میں گزرا۔ افطاری کے بعد سارہ کمرے میں آئی۔ خیام کو نہ دیکھ کر شکر ادا کیا۔ پھر امی سے بات کر کے عشاء کی نماز ادا کی اور جلدی سے بیڈ پر جا کر لیٹ

گئی، کیونکہ وہ خیام کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی خیام بدلہ ضرور لے گا، تو جان بچانے کے لیے جلدی سو گئی۔

جب خیام کمرے میں آیا تو وہاں صرف ایک لیمپ آن تھا، باقی سب لائٹس آف تھیں۔ پھر وہ واش روم میں کپڑے چینج کر کے باہر آیا، تو سامنے بیڈ پر سوئی سارہ کو دیکھا، جسے اے سی چلنے کے باوجود پسینہ آیا ہوا تھا۔ خیام نے آہستہ سے اس کا سر اٹھا کر حجاب اتارنے لگا، پھر حجاب سائیڈ پر رکھ کر اس کے بالوں کو دیکھنے لگا، جو کہ نہایت خوبصورت لگ رہے تھے۔ ہر روز کی طرح اس کے ماتھے پر بوسہ دے کر اس کے کان کے قریب جھک کر کہنے لگا:

"یہ جو میری پیاری سی بازو کو آپ نے نوچا ہے، اس کے لیے معاف کیا آپ کو۔"

سارہ آنکھیں بند کیے ہلکا سا مسکرا دی، تو خیام اٹھ کر صوفے پر جا کر سو گیا۔۔۔
سارہ نے آنکھیں کھول دیں۔ جب بھی وہ اس کے ماتھے پر بوسہ دیتا، سارہ کا دل فل سپیڈ سے دھڑکنے لگتا، اور چہرہ گلاب جیسا ہو جاتا تھا۔ پھر صبح جلدی اٹھنا تھا، اس لیے دوبارہ سو گئی۔

کچھ مراسم ہوتے ہیں ازل سے تحریر شدہ...
یوں ہی نہیں ہو جاتی ہیں نسبتیں، ہمدم...!!

صبح خیام کی آنکھ دروازے پر دستک سے کھلی، تو خیام بھاگ کر سارہ کے ساتھ بیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔ سارہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"جنگلی بلی، اب مجھے یوں ہی دیکھتی رہو گی یا دروازہ بھی کھولو گی؟"

سارہ نے جلدی سے سر پر دوپٹہ اوڑھا اور دروازہ کھولا، تو سامنے پشمینہ کھڑی تھی۔

""السلام علیکم بھابھی، اٹھ جائیں، ورنہ آخری روزہ رہ جائے گا!" اور ایک نظر اندر بیڈ پر لیٹے خیام کو دیکھتے ہوئے بولی، "اور بھابھی، انھیں بھی اٹھا دیں، وہ کیا بولتی ہیں آپ... ہاں! کھڑوس!" کہہ کر ہنستی ہوئی بھاگ گئی۔

سارہ نے دروازہ بند کیا اور ایک نظر خیام کو دیکھا، جو خونخوار نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ سارہ فوراً بھاگ کر واش روم میں گھس گئی۔

جب باہر نکلی، تو ہلکا نارنجی رنگ کا فراک پہنا ہوا تھا۔ خیام ابھی بھی سو رہا تھا۔ سارہ نے جلدی سے بال سکھائے اور سفید رنگ کا حجاب کر کے خیام کے سر کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

"کھڑوس، اٹھ جاؤ! بابا ویٹ کر رہے ہیں۔"

لیکن خیام نہ اٹھا، جیسے آپ کی مرضی--کہتے ہوئے سارہ کو ایک آئیڈیا آیا۔ اس نے ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھایا اور اس کے منہ پر انڈیل دیا۔ خیام فوراً اٹھ بیٹھا۔

یہ کیا حرکت ہے، جنگلی بلی!" وہ ابھی کہنے ہی لگا تھا کہ سارہ" زور سے دروازہ بند کرتی نیچے آ گئی، بابا کو سلام کیا اور خاموشی سے بیٹھ گئی۔

جب خیام نیچے آیا تو بابا کو سلام کرنے کے بعد سارہ کو گھورنے لگا۔ سارہ بنا کچھ کہے چپ چاپ کھانے لگی۔

پشمینہ سب سمجھ گئی تھی کہ بھابھی نے پھر کوئی نہ کوئی کارنامہ ضرور کیا ہے، جس کی وجہ سے بھائی اس طرح دیکھ رہے ہیں۔ وہ بھی ہنسی روک کر کھانے میں مصروف ہو گئی۔

پھر خیام اور شہباز اٹھ کر اپنے کمروں میں چلے گئے، تو سارہ سارا سامان سمیٹ کر پشمینہ کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی۔

ویسے بھابھی، آپ نے پھر کچھ کیا ہے نا، جو بھائی اس طرح آپ" کو گھور رہے تھے؟" پشمینہ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

:سارہ نے ہمیشہ کی طرح معصوم سی شکل بنا کر جواب دیا

وہ کھڑوس اٹھ نہیں رہے تھے... تو میں نے ان پر پانی ڈال دیا۔ اب" "!اتنی سی بات پر مجھے گھور رہے ہیں

پشمینہ حیران ہو گئی، "بھابھی، یہ آپ نے کیا کر دیا! ایسی حرکت "بھائی کو بالکل پسند نہیں۔ اب کیا ہوگا! بھابھی، آپ اپنی خیر منائیں۔

سارہ بھی پریشان ہو گئی، "یا اللہ! اب اس کھڑوس سے کون بچائے "گا؟

پشمینہ سے کہنے لگی، "کیا ابھی میں تمہارے پاس سو جاؤں؟ جب "بابا پوچھیں تو کہہ دینا میرے ساتھ کام کرتے کرتے سو گئی تھی۔
"ہاں بھابھی، ٹھیک ہے۔ سو جائیں۔"
دس بجے سارہ کی آنکھ کھلی تو پشمینہ سامنے بیٹھی قرآن مجید کی تلاوت کر رہی تھی سارہ اٹھ کر باہر آکر نیچے گارڈن میں بیٹھ گئی تو کچھ دیر بعد شہباز اور خیام باہر سے اندر آئے شہباز سارہ کے پاس بیٹھ گئے جبکہ خیام اندر چلا گیا ۔۔شکر ہے اللہ کا ۔۔ کھڑوس سے بچا لیا پھر بابا کے ساتھ باتیں کرنے لگی تھوڑی دیر بعد نوکرانی آئی۔۔۔
سارہ بی بی وہ خیام صاحب آپ کو اندر بلا رہے ہے تو سارہ کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا ۔۔پھر اٹھ کھڑی ہوئی
یا اللہ اب کیا ہوگا، اللہ آج بچا لیں آئیندہ نہیں کروں گی۔۔۔
پھر آہستہ سے دروازہ کھولا تو سامنے بیڈ پر خیام بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا چپ چاپ اندر آئی ۔۔

کیوں بلایا آپ نے ۔۔ہمت کر کے پوچھا تو خیام اس کے گرد دیوار پر ہاتھ رکھے کہنے لگا ،آپ کو کیا لگا ہے صبح والی حرکت میں بھول گیا ہوں ہاں۔۔۔۔
سارہ تو ڈر گئی یا اللہ آج بچا لیں لیکن شاید آج اس کی نہیں سنی گئی۔۔خیام اسے بازوں میں اٹھا کر واش روم میں آیا تو سارہ اچانک حرکت پر دیکھتی رہ گئی۔۔
آپ کو بہت شوق ہے نا دوسروں پر پانی ڈالنے کا کہہ کر،، اسے شاور کے نیچے کھڑا کر کے شاور چلا کر خود باہر آکر بیڈ پر مزے سے بیٹھ گیا۔۔۔ادھر سارہ مکمل بھیک چکی تھی تو زور سے چلا کر کہا۔۔۔
کھڑوس یہ کیا کر دیا پھر جلدی سے دروازہ بند کرکے کپڑے چینج کر کے باہر آئی جہاں خیام اسے مسکرا کر دیکھتا ہوا اور تپا رہا تھا۔۔۔
اب اس نے گرے کلر کا فراک پہنا ہوا تھا بال گیلے تھے خیام کو خونخوار نظروں سے دیکھ کر شیشے کے سامنے کھڑی ہو کر بال سکھانے لگی۔۔۔
خیام اس منظر میں قید ہوکر اسے بس دیکھتا ہی رہ گیا ۔۔اس کی سفید رنگت پر لمبے سیاہ سلکی بال،غصے کی وجہ سے سرخ ہوئی ناک غصے میں اور زیادہ کیوٹ لگ رہی تھی سارہ جلدی سے سفید رنگ کا حجاب کیے پیچھے مڑی۔۔۔
جہاں خیام اسے ہی دیکھ رہا تھا تو اس نے کشن اٹھا کر خیام کو دے مارا تو وہ ہوش میں آیا ۔۔اور اسے زیادہ غصے دلانے کے لیے ہنسنے لگا تو واقعی سارہ پارا ساتویں آسمان پر پہنچ گیا اور بہت سارے کشن اسے دے مارے پھر ٹھاہ کر کے دروازے کو بند کرتی

باہر چلی گئی تو پیچھے خیام اپنی جنگلی بلی کے غصے کو دیکھ کر ہنس پڑا۔
سارہ نیچے آئی تو آج بھی مہمان موجود تھے۔ پشمینہ نے آواز دی، تو وہ سلام کر کے اس کے ساتھ جا بیٹھی۔

"بھابھی، یہ سب ہماری پڑوسنیں ہیں۔ خاص طور پر آپ سے ملنے آئی ہیں۔" پشمینہ نے بتایا۔

"پشمینہ بیٹا، اپنے بھائی کو بھی بلا لاؤ۔ ہم بھی تو دیکھیں کہ دونوں کی جوڑی کیسی لگتی ہے۔" ایک آنٹی نے مسکرا کر کہا۔

پشمینہ فوراً خیام کو بلانے چلی گئی۔ وہ سلام کر کے آیا اور ایک الگ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ارے بیٹا، بیوی کے ساتھ بیٹھو نا۔ ہم بھی تو دیکھیں، کون زیادہ پیارا لگ رہا ہے۔" ایک اور آنٹی نے چھیڑا۔۔۔

خیام سفید شرٹ اور سیاہ پینٹ میں اپنی وجاہت کے ساتھ بے حد دلکش لگ رہا تھا۔ وہ اٹھ کر سارہ کے ساتھ آ بیٹھا، تو تمام عورتوں کے منہ سے بیک زبان "ماشاءاللہ" نکلا۔

"دونوں ہی بہت پیارے لگتے ہیں، ماشاءاللہ ۔ ہمیشہ خوش رہیں اور اللہ آپ کو اپنی جیسی خوبصورت اولاد عطا فرمائے۔" سب نے آمین کہا۔

پشمینہ ایک کونے سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ سارہ شرم سے نظریں جھکائے بیٹھی تھی جبکہ خیام ادھر اُدھر دیکھنے میں مصروف تھا۔ سارہ نے موقع دیکھ کر چائے کا بہانہ بنایا اور کچن میں چلی گئی۔ پشمینہ بھی اس کے پیچھے آ گئی۔

"کیا ہوا، بھابھی؟ آپ تو شرما گئی ہیں۔" پشمینہ نے شرارتی انداز میں کہا۔

"نہیں، نہیں... میں شرما نہیں رہی۔ بس یہ سوچ رہی ہوں کہ تمہارے بعد اس کھڑوس انسان کے ساتھ کیسے رہوں گی؟" سارہ نے لب دبا کر کہا۔

"پشمینہ، تمھیں پتہ ہے؟ کبھی کبھی وہ مجھے ویمپائر لگتے ہیں، جو ہر وقت خون پینے کو تیار رہتے ہیں! اور ہنستے ایسے ہیں جیسے ہنسنے پر ٹیکس لگتا ہو۔"

سارہ کی باتیں جاری تھیں کہ وہ یہ محسوس نہ کر سکی کہ اس کے بالکل پیچھے خیام کھڑا سب سن رہا تھا۔ پشمینہ نے آنکھوں سے اسے روکنے کی کوشش کی، مگر دیر ہو چکی تھی۔

"بھابھی، چھوڑیں نا، بھائی اتنے بھی برے نہیں ہیں۔" پشمینہ نے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

"نہیں پشمینہ، وہ انسان نہیں جن ہیں۔ جب بھی ان کا نام لیتی ہوں، سامنے موجود ہوتے ہیں!" سارہ نے کہتے ہوئے پیچھے دیکھا تو خیام کو سامنے کھڑا پا کر ایک دم چونک گئی اور جھٹ سے چائے بنانے لگی۔

خیام نے سنجیدہ لہجے میں کہا، "پشمینہ، ایک کپ کافی میرے روم میں بھجوا دینا۔" اور بغیر کچھ اور کہے واپس چلا گیا۔

سارہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا، "یا اللہ! کیا ضرورت تھی اتنا بولنے کی؟ اب کیا ہوگا؟"

اسے کچھ گھنٹے پہلے والا واقعہ یاد آیا، تو دل ہی دل میں "اللہ اللہ" کرنے لگی۔

جب خیام کمرے میں پہنچا، تو وہ سارہ کی باتیں یاد کر کے ہنسنے لگا۔

"اچھا تو جنگلی بلی میرے بارے میں یہ سب سوچتی ہے؟ آج ذرا کمرے میں آنا، پھر بتاتا ہوں۔" وہ لیپ ٹاپ کھول کر مصروف ہو گیا۔

کچھ دیر بعد پشمینہ کافی لے کر آئی اور خاموشی سے باہر چلی گئی۔

"سارہ نے فوراً پوچھا، "کھڑوس کا موڈ کیسا تھا؟

بھائی کا موڈ تھوڑا آف لگ رہا تھا، لیپ ٹاپ پر کام کر رہے تھے۔" "پھر میں باہر آ گئی۔

سارہ نے گہرا سانس لیا، گویا آج اپنے بچنے کی کوئی امید نظر نہ آ رہی ہو۔ چائے وغیرہ بنا کر وہ دوبارہ مہمانوں کے ساتھ جا بیٹھی۔ اتنے میں خیام اسے بلانے کے لیے آ گیا...

"سارہ، مجھے کپڑے نکال کر پریس کر دو۔" خیام نے آتے ہی کہا۔

سارہ نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور بےنیازی سے بولی، "کپڑے تو نوکر پریس کر دیتے ہیں۔ اور ویسے بھی، سب الماری میں رکھے ہیں۔" مگر دل ہی دل میں بڑبڑاتے ہوئے اٹھنے لگی۔

اتنے میں ایک آنٹی نے سارہ کو مخاطب کیا، "سارہ بیٹا، خیام تمہارا "خیال رکھتا ہے یا نہیں؟

سارہ کا دل چاہا کہ کھول کر بتا دے، کہ وہ کتنا کھڑوس، بے حس اور ضدی انسان ہے۔ مگر ماحول، رشتوں اور سب کی موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے، خیام کی طرف دیکھ کر نرم لہجے میں بولی، ""جی آنٹی، بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ بہت خدمت کرتے ہیں۔

اور ساتھ ہی دل ہی دل میں طنزیہ انداز میں اصل باتیں بھی دہرانے لگی:

(گردن دبا چکے ہیں)
(کپڑوں سمیت شاور کے نیچے کھڑا کر دیتے ہیں)
یاد آیا، ایک بار بریانی میں اتنی مرچیں ڈال دیں کہ آنکھوں سے)
(آنسو آ گئے، لیکن بابا اور پشمینہ کے سامنے کچھ کہہ نہ سکی
"اور بالکل تنگ نہیں کرتے" (حالانکہ ہر وقت پریشان کرتے ہیں!)

آنٹیوں کے منہ سے بے اختیار "ماشاءاللہ" نکل گیا۔

"واہ، آج کے دور میں ایسا شوہر ملنا واقعی خوش نصیبی ہے۔"

خیام ایک طرف بیٹھا اس کی اداکاری پر حیران رہ گیا۔ جیسے ہی مہمان رخصت ہوئے، سارہ تھکی ہوئی سی کمرے میں جا کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

پیچھے سے خیام کمرے میں داخل ہوا۔

کیوں بلایا ہے آپ نے؟" سارہ نے بغیر دیکھے پوچھا۔"

خیام نے الماری کھولی اور اس کے لیے ایک خوبصورت سرخ رنگ کا لانگ فراک نکالا۔ سارہ نے چونک کر دیکھا۔

"یہ میرے لیے ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

خیام نے مسکرا کر سر ہاں میں ہلا دیا۔

سارہ نے نرمی سے شکریہ کہا، پھر ندامت بھرے لہجے میں بولی، "لیکن میں یہ نہیں لے سکتی۔"

خیام کی طرف وہ فراک واپس بڑھاتے ہوئے کہنے لگی، "بس ایسے ہی..."

خیام نے نرمی سے فراک واپس لیتے ہوئے کہا، "اگر آپ پہن لیں گی تو مجھے اچھا لگے گا۔ یہ عید کا گفٹ ہے آپ کے لیے۔" اور فراک دوبارہ الماری میں رکھ کر خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

سارہ کچھ دیر تک وہی کھڑی رہی، نظریں الماری پر جمائے۔ پھر آہستہ سے آگے بڑھی، کپڑے نکال کر گود میں رکھ لیے اور بیٹھ کر اسے غور سے دیکھتی رہی۔

افطاری کے وقت وہ باہر آ گئی۔ نماز ادا کی، تھکن اتنی تھی کہ جلد ہی نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

کچھ دیر بعد خیام واپس آیا۔ اس کے ہاتھ میں سارہ کے لیے ایک اور تحفہ تھا، مگر جب سارہ کو پرسکون نیند میں پایا، تو گفٹ بیڈ کے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھ دیا۔

اس نے ایک نظر سارہ کو دیکھا۔ آج اس نے حجاب نہیں لیا تھا۔ خیام تھکن سے چور تھا، مگر ایک پل کے لیے اس کا چہرہ دیکھ کر تھمی ہوئی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آ گئی۔ پھر وہ بھی خاموشی سے سو گیا۔

عید کی صبح

صبح کی نماز کے بعد گھر میں عید کی رونقیں بکھر چکی تھیں۔ کچن میں طرح طرح کے پکوان تیار ہو رہے تھے—شاہی ٹکڑے، کھیر مکس، بریانی، کباب، پراٹھے، اور چاکلیٹ کیک۔ سارہ پورے انہماک سے ان سب میں مصروف تھی، پسینہ ماتھے سے بہہ کر گالوں تک آ چکا تھا لیکن لبوں پر ایک نرم سی مسکراہٹ تھی۔

پشمینہ اپنا سامان ترتیب دے رہی تھی، شہباز فون پر دوستوں سے ہنسی مذاق میں لگے ہوئے تھے ۔خیام اپنے کمرے میں کاشان سے کام کے متعلق بات کر رہا تھا۔ سارہ تھکن سے نڈھال ہو چکی تھی، جیسے ہی فارغ ہوئی تو سیدھی کمرے میں آکر بستر پر گر گئی۔

"اف اللہ! آج تو کام نے نچوڑ دیا۔ لیکن کوئی بات نہیں، پشمینہ اور بابا ایک ماہ بعد آئیں گے۔۔ان کے لیے اتنا تو کر ہی سکتی ہوں۔۔۔"

اس نے دل ہی دل میں سوچا، مگر اچانک ایک اداسی دل میں اترنے لگی۔
پشمینہ سے ایک بے ساختہ دوستی ہو گئی تھی، اب وہ جا رہی تھی، دل بوجھل ہونے لگا۔

اسی دوران خیام سفید کُرتے میں عید کی نماز کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ وہ اپنی تمام وجاہت کے ساتھ انتہائی دلکش لگ رہا تھا، مگر اس کی نیلی آنکھیں بار بار سارہ پر جا ٹھہرتیں—جو خاموش، تھکی تھکی اور اداس بیٹھی تھی۔

خیام نے لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھا، بیڈ پر آ کر اس کے قریب بیٹھا اور شرارت سے بولا:
"What happened today, why is the wild cat so sad?"
"آج کیا ہو گیا ہے جنگلی بلی کو؟ اتنی اداس کیوں ہے؟"

سارہ نے فوراً اسے گھورا، "آپ کو کیا پتہ اپنوں سے دوری کیسا دکھ دیتی ہے؟ میں پشمینہ سے ایک مہینہ کیسے دور رہوں گی؟ سوچ رہی ہوں آج ہی امی کے پاس چلی جاؤں، کچھ دن رہ کر آ جاؤں گی۔"

خیام نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور گہرے لہجے میں بولا:

"اپنوں سے جدائی کی تکلیف کیا ہوتی ہے، میں خوب جانتا ہوں۔ اور تم یہاں اکیلی نہیں ہو، میں ہوں تمھارے ساتھ۔ تم کہیں نہیں جا رہیں مجھے چھوڑ کر۔"

"لیکن میں فیصلہ کر چکی ہوں۔ میں آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ کچھ دن کی آزادی چاہیے۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے واش روم میں گھس گئی۔

خیام کا دل جیسے جلنے لگا ہو۔ وہ جانتا تھا کہ سارہ کی موجودگی اب عادت بن چکی ہے، اور اسی احساس نے اس کی بے قراری کو بڑھا دیا۔

واش روم سے نکلنے کے بعد سارہ نے سفید شرٹ اور گولڈن کام والا شرارہ پہنا، بال سکھانے کے لیے آئینے کے سامنے آ کر ہیئر ڈرائر چلانے لگی۔ خیام کچھ پلوں کے لیے ساکت ہو کر بس اسے دیکھتا رہ گیا۔
بنا میک اپ کے وہ ایسی حسین لگ رہی تھی جیسے حور زمین پر آ گئی ہو۔ ریشمی بال، کھلا لباس، نرمی بھرا پاکیزہ چہرہ۔۔۔۔

خیام خاموشی سے اس کے پیچھے آیا، کندھے پر تھوڑی رکھی، بانہوں میں سمیٹا اور بولا۔۔۔

"آج تو آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں، حسن آپ پر تمام ہو گیا ہے۔ میں آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گا، اپنی پیاری جنگلی بلی کو یہیں رکھوں گا... مجھ پر رحم کریں۔"

سارہ نے آئینے میں اس کی پرجذبات نظروں کو محسوس کیا، شرماتے ہوئے پلٹی اور خیام کے پیٹ پر زور کا مکا دے مارا۔ وہ درد سے پیچھے ہٹا، سارہ جلدی سے حجاب کرنے لگی۔

خیام مسکراتے ہوئے بولا،
"آج ان خوبصورت بالوں کو کھلا رہنے دو، حجاب نہ کرو۔"

سارہ کی آنکھوں میں ایک روشنی چمکی، لیکن اس کا جواب واضح تھا،
"میں اپنے اللہ کو ناراض نہیں کر سکتی۔"

خیام نے دل ہی دل میں اس پر فخر محسوس کیا۔ سارہ، پشمینہ کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

عید کا دن

گھر کے مرد عید نماز کے لیے جا چکے تھے۔ پشمینہ نے مہرون رنگ کا خوبصورت فراک پہن رکھا تھا۔ سارہ کے ساتھ مل کر مہمانوں کا استقبال کرنے لگی۔

چند عورتیں پیٹھ پیچھے چبھتے جملے بول رہی تھیں،
"لگتا ہے اس نے خیام سے دولت کے لیے شادی کی ہے، ورنہ
بھائی شہباز کو اتنی جلدی کیا تھی نکاح بھی چھپ کر کیا؟"

دنیا کے مسائل اتنے نہیں جتنے زبان کے زخم۔
"اگر ہم اپنی زبان کو روک لیں تو کئی دل زخمی ہونے سے بچ
جائیں۔ دوسروں کو طعنے دینے کے بجائے، اپنی خطاؤں پر
استغفراللہ کہنا بہتر ہے۔"

سارہ کچھ دیر کے لیے اوپر کمرے میں آرام کرنے چلی گئی۔ خیام
اور شہباز نماز پڑھ کر واپس آئے تو پشمینہ نے بابا اور بھائی کو
گلے لگایا۔

خیام، سارہ کو تلاش کرتا ہوا اوپر آیا۔ وہ صوفے پر آنکھیں بند کیے
بیٹھی تھی، اس نے آہستہ سے گجرے نکالے اور سارہ کے ہاتھوں
میں پہنائے، پھر اسے گلے لگایا:
"عید مبارک۔"

سارہ کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ خیام نے گھبرا کر اسے
خود سے الگ کیا، صوفے پر بٹھایا، خود فرش پر بیٹھ کر اس کے
ہاتھ تھام لیے:

"سارہ، کیا ہوا؟ رو کیوں رہی ہو؟ مجھے بتاؤ۔"

سارہ نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا:
"میں آپ سے کبھی محبت نہیں کر سکتی، کیونکہ میں ان کے سوا کسی کا سوچ بھی نہیں سکتی---
(خیام کے دل پر جیسے خنجر چلا ہو)
آپ محبت نا کریں بس مجھ پر بھروسہ کریں ، آپ کو رسواء نہیں کروں گا خدا کے لیے کسی اور ذکر نا کریں---
سارہ بنا جواب دیئے نیچے آئی اور شہباز کو گلے لگا کر عید مبارک کہا، انہوں نے سونے کی انگوٹھی تحفے میں دی۔

سارہ نے سب کے ساتھ کھانا کھایا، مگر نہ خود کچھ کھایا، نہ خیام نے۔

پشمینہ سارہ کو گلے لگا رہی تھی، پھر اپنے بابا سے مل کر انہیں الوداع کیا۔ خیام انہیں ایئرپورٹ چھوڑنے چلا گیا۔ پیچھے گھر ایک بار پھر تنہا ہو گیا—مگر اس بار تنہائی کچھ خالی، کچھ بوجھل، اور کچھ غیر یقینی سی تھی۔

دل کا آئینہ

سارہ قرآن پڑھ رہی ہوتی ہے، خیام احترام سے قریب آ کر بیٹھ جاتا ہے۔

خیام:

کب تک مجھ سے یہ فاصلہ رکھو گی؟ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے دل کی بات کہو۔

سارہ (خاموشی سے قرآن بند کرتی ہے):
دل کی بات سننا چاہتے ہو؟
تو سنو، ہر دن، ہر رات خود کو سمجھاتی ہوں کہ شاید تم برے نہیں ہو، شاید تم نے جو کیا، وہ کسی مجبوری میں کیا... مگر جب آئینہ دیکھتی ہوں، ایک سوال کرتا ہے —
"کیا یہ وہ چہرہ ہے جس نے اپنی مرضی سے ہاں کی تھی؟"

خیام (نظریں جھکاتے ہوئے):
نہیں... اور شاید یہی میری سب سے بڑی خطا تھی۔

سارہ:
خطا کا کفارہ صرف تلافی نہیں ہوتا، کچھ فاصلے، کچھ احساسات اور کچھ وقت بھی درکار ہوتے ہیں----
خیام:
آپ کو جتنا وقت لینا ہے آپ آرام سے فیصلہ کریں جلد بازی نا کریں---

نہیں کر سکتی ،مجھے ایسا شوہر چاہیے تھا جو دیندار ہو... آپ کا تو اسلام سے دور دور تک واسطہ نہیں، پہلے مجھے لگا شاید آپ اللہ کی طرف لوٹ آئیں گے لیکن میں غلط تھی،
میں ایسے انسان کے ساتھ ساری زندگی نہیں گزار سکتی---

بہت سوچنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا ہے، بابا کے آنے پر ان سے بات کروں گی۔۔ میں علیحدگی چاہتی ہوں۔"

خیام کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ وہ جانتا تھا کہ محبت زبردستی نہیں ہوتی۔۔۔ اس لیے خاموشی سے باہر چلا گیا ۔۔

جدائی کا لمحہ

سارہ سامان پیک کر رہی تھی، جب اچانک اس کی نظر خیام کی ٹیبل پر رکھی ایک سیاہ ڈائری پر پڑی۔ وہ ڈائری اس نے خاموشی سے بیگ میں رکھ لی۔ پھر واش روم گئی، وضو کر کے سیاہ رنگ کی شلوار قمیض اور سیاہ حجاب میں ملبوس، دل بوجھل کیے باہر نکلی۔ دروازے کے پاس رک کر ایک نظر خیام کی تصویر پر ڈالی، پھر وہیں کھڑی ہو کر سسکنے لگی۔

"پلیز مجھے معاف کر دیجیے گا... جان کر آپ کو تکلیف دے رہی ہوں، لیکن اس کے سوا میرے پاس کوئی راستہ نہیں تھا... مجھے بچوں کا بدلہ لینا ہے۔"

بیگ کندھے پر رکھا، شال اوڑھی اور دروازہ کھولا۔ باہر خیام اپنی کار میں اس کا منتظر تھا۔ جیسے ہی وہ باہر آئی، خیام نے دروازہ کھولا، اور خاموشی سے سارہ کو بیٹھنے کا اشارہ دیا۔ خود

ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ شاید وہ رو چکا تھا، شاید ابھی بھی ضبط کیے بیٹھا تھا۔

پورے راستے دونوں خاموش رہے۔

جب خیام نے سارہ کے گھر کے باہر گاڑی روکی، سارہ دروازہ کھولنے لگی تو خیام نے اس کا ہاتھ تھام کر رکنے کا اشارہ کیا۔

وہ کچھ لمحے سارہ کو دیکھتا رہا۔ شاید آخری بار، شاید کسی اندر کے طوفان کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر آہستہ سے سارہ کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر کچھ کہنا چاہا، لیکن الفاظ اس کے قابو سے باہر ہو گئے۔ صرف ایک آنسو، دھیرے سے اس کی آنکھ سے نکلا اور سارہ کی ہتھیلی پر گرا۔

"واقعی... کہنے والے کا کچھ نہیں جاتا... سہنے والا کمال کر جاتا ہے..."

سارہ نے دل پر پتھر رکھ کر خود کو سنبھالا، دروازہ کھولا اور باہر نکل گئی۔ خیام اسے اس وقت تک دیکھتا رہا، جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

پھر کار موڑی، گھر آیا، اکبر کو بلا کر کہا:

"آج ہی قطر کی ٹکٹ بک کرو۔"

خیام نے بیگ تیار کیا۔ اس بیگ میں وہ ڈائمنڈ رنگ بھی رکھ دی، جو اس نے سارہ کے لیے خریدی تھی۔۔

اکبر کو سارہ کے متعلق ضروری ہدایات دے کر خیام ائیرپورٹ روانہ ہوا۔ دو گھنٹے بعد قطر پہنچ کر ہوٹل کے اپنے مخصوص کمرے میں گیا۔۔۔۔
ہاں کاشان ہمیں مشن پر جانا ہے فوراً پہنچو ----

خیام اور کاشان دبے قدموں چل رہے ہیں، hallway، ہوٹل کا لائٹس مدھم ہیں۔ اچانک پیچھے سے کسی کے قدموں کی آواز آئی۔۔۔

کاشان (سہم کر):
خیّام! اگر یہ دشمن ہوا نا، تو یاد رکھنا... میں تم سے پہلے بھاگوں گا!

خیّام (غصے سے):
خاموش رہو، کسی کو شک نہ ہو!

عین اسی وقت پیچھے سے ایک آواز سنائی دی۔۔۔۔
"یار! تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو؟"
خیّام اور کاشان فوراً پلٹے...

کاشان (چیخ کر):
اماں کی دعا تھی ورنہ دل تو گیا تھا!

اذلان! تُو ہے؟ تُو کہاں سے آیا؟

اذلان (قہقہہ لگا کر):
سسپنس بنانے کا شوق ہے تم لوگوں کو؟
میں نیچے نان چنے کھا رہا تھا، اور تم دونوں ادھر جاسوس بنے پھر رہے ہو۔

خیّام (سخت لہجے میں):
اذلان، تمہیں پتا بھی ہے ہم کس مشن پر ہیں؟ یہاں دشمن چھپا ہوا ہے۔

اذلان (آنکھیں گھما کر):
ارے واہ، دشمن! تو کیا پلان ہے؟
کریں chai offer کریں گے یا knock کمرہ نمبر پوچھ کے گے؟

کاشان (مسکرا کے):
یہی تو پلان ہے... خیام دروازہ کھولے گا، میں dialogues لے گا! selfie ماروں گا، اور تُو
تاکہ بعد میں کہہ سکیں: "یہ تھا ہمارا پہلا اور آخری foolish mission!"

اذلان:

بس بھائی، یہ ناول نہ بناؤ... reality show start کرو، نام ہو:
"تین دوست، ایک دشمن، اور ایک plate chany کی!"

خیام (سَر پکڑ کر):
اللہ حافظ... مجھے دشمن سے زیادہ تم دونوں سے خطرہ ہے۔

کاشان:
کر لو بھائی... کم از کم وہ سنجیدہ تو ہو recruit تو پھر دشمن کو گا!!

قطر کے ایک ہوٹل میں رات کا وقت۔ دھند چھائی ہوئی ہے۔ تینوں دوست خاموشی سے انتظار کر رہے ہیں۔

اذلان (اپنی گھڑی پر نظر ڈال کر):
"اب تو وقت بھی گواہی دے رہا ہے، وہ آنے ہی والا ہے۔"

کاشان (آنکھیں سڑک پر جمائے):
"سائے لمبے ہو رہے ہیں... جیسے رات بھی اس کا انجام دیکھنا چاہتی ہو۔"

خیام (آہستہ اور گہری آواز میں):
"آج کی رات اُس کے گناہوں کا حساب لکھا جائے گا... میرے ہاتھوں سے۔"

اذلان (خیام کی طرف دیکھ کر):
"خیام، تمہیں اپنی حد یاد رکھنی ہوگی۔ انتقام میں ہم ظالم نہ بن
جائیں۔"

خیام (خاموشی سے اپنی جیب سے ایک تصویر نکالی جس پر خون
کے چھینٹے ہیں):
"یہ اُس بچی کی تصویر ہے... جسے اُس نے صرف اس لیے مارا
کیونکہ وہ سچ بولتی تھی۔"

کاشان (سخت لہجے میں):
"تو آج سچ بولے گا صرف تمہارا وار۔"

تبھی شمشاد گاڑی سے اترا —اس بات سے بے خبر کہ موت اُس
کے استقبال کو تیار ہے۔

خیام (سایہ سے باہر آتے ہوئے):
"تو آخر آ ہی گیا... تیری ہر چیخ اُس بچی کی خاموشی کا بدلہ
ہوگی۔"
شمشاد پیچھے ہٹا مگر خیام بجلی کی طرح جھپٹتا ہے۔ دردناک
آوازیں فضا میں گونجتی ہیں۔ خیام چاقو کے ایک ایک وار کے
ساتھ بولتا گیا—

"یہ اُس معصوم کے لیے ہے!"
(وار)

"!یہ اُس ماں کے لیے جس کی گود اجاڑ دی گئی"
(وار)
"!اور یہ... میرے رب کی عدالت سے پہلے، تیرے نفس کا حساب"

شمشاد زمین پر گر پڑا۔خیام گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے، آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے ہیں---

:(خیام (دھیمی آواز میں
"...انصاف مکمل ہوا"

انتقام کی دہلیز پر

ادھر، سارہ جب گھر پہنچی تو بابا کو دیکھتے ہی ان سے لپٹ گئی۔ ماں سے مختصر بات کی اور فوراً اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"پلوشہ، مجھے لگتا ہے ہماری بیٹی ٹھیک نہیں ہے۔ کچھ تو گڑبڑ ہے، ورنہ یوں بیگ لے کر کون آتا ہے؟" بابا نے تشویش سے کہا۔

پلوشہ نے نرمی سے جواب دیا، "ارے وہ اب اپنے گھر والی ہو گئی ہے۔ ذمہ داریاں زیادہ ہو گئی ہیں، بس تھکی ہوئی ہوگی۔ کچھ دن رہنے آئی ہے، اور کچھ نہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

کمرے میں پہنچ کر سارہ نے دروازہ بند کیا، اور ہاتھ منہ پر رکھ کر زاروقطار رونے لگی۔ خیام کا رونا، اس کا ٹوٹ جانا، اسے اندر سے ہلا گیا تھا۔خیام نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا،کچھ تھا جو سارہ بے چین کر رہا تھا اور سارہ بات سے انجان تھی ۔

"یا اللہ! میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا، آپ بھی مجھے معاف کر دیجیے..." اس نے آنسو صاف کیے اور آہستہ سے کہا، "لیکن مجھے بچوں کا بدلہ ضرور لینا ہے۔"

سارہ نے صباء کو یونیورسٹی بلایا، خود بیگ اٹھایا اور والدین سے یونیورسٹی کا بہانہ کر کے نکل گئی۔ پرنسپل روم میں صباء کا انتظار کر رہی تھی کہ دروازہ کھلا، صباء اور ایک عبایا پہنے، چہرے پر بلیک ماسک لگائے لڑکی اندر داخل ہوئیں۔

"شکر ہے تم آ گئی، صباء۔ اب جو کہا ہے، وہی کرنا ہے--"
صباء کچھ الجھن ہوئی---
"سارہ لیکن تم اس طرح کیوں جا رہی ہو؟"
کیونکہ خیام نے میری سیکیورٹی کے لیے اکبر کو میرے پیچھے بھیجا ہوا ہے---
صباء نے ہنستے ہوئے کہا:

"او اس کا مطلب خیام بھائی بہت محبت کرتے ہیں تم سے---"
آج سب پتا چل جائے گا ---سارہ نے فوراً رخ موڑ لیا----

جلدی سے اس لڑکی کا عبایا پہنا ،ماسک لگایا اور ایک گاڑی میں سوار ہو کر ایک پرانی، سنسان بلڈنگ کی طرف روانہ ہو گئی۔ پندرہ منٹ کے سفر کے بعد وہ گیٹ پر پہنچیں جہاں دو موٹے، بڑی مونچھوں والے گارڈ کھڑے تھے۔

"کہاں جا رہی ہو بی بی؟ کس سے ملنا ہے؟"

سارہ نے بیگ دکھاتے ہوئے کہا، "انجم صاحب کو مال دینا ہے۔

گارڈ ایک دوسرے کو دیکھ کر راستے سے ہٹ گئے۔ سارہ اندر گئی جہاں چار لوگ موجود تھے۔ اس نے سب کی پوزیشن نوٹ کی، پھر اس کمرے میں داخل ہوئی جہاں سفید شلوار قمیض پہنے ایک بدصورت، موٹا آدمی سگریٹ پی رہا تھا۔

مالک، یہ لڑکی مال لے کر آئی ہے۔" گارڈ نے بتایا۔"

"انجم نے اسے گھور کر دیکھا، "کیا لائی ہو لڑکی؟

سارہ نے پیسوں سے بھرا بیگ میز پر رکھا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ آواز میں سختی اور آنکھوں میں بجلی تھی۔

مجھے یہ بتاؤ، بچوں والی بلڈنگ کو جلایا تھا تو تم نے؟ کس کے" کہنے پر؟ اگر سچ بتایا، تو سارے پیسے تمہارے۔"

انجم نے طنزیہ انداز میں کہا، "تم کیوں پوچھ رہی ہو؟ مجھے بس پیسوں سے غرض تھی۔"

اچانک سارہ نے پرس سے پسٹل نکالی، جس پر سائلنسر لگا ہوا تھا۔ لمحوں میں اس نے تین گارڈز کے ماتھے پر فائر کیے، اور وہ تینوں اس کے قدموں میں مردہ پڑے تھے۔

انجم پیچھے ہٹ گیا، آنکھوں میں خوف اتر آیا۔

"مجھے نہیں پتا وہ کون تھے، اور تم کون ہو لڑکی؟"

سارہ دھاڑتی ہوئی بولی، "میں ان بچوں کی ماں ہوں! اور اگر نام نہیں بتایا، تو تمھاری حالت بھی یہی ہو گی!"

ڈر کے مارے انجم نے فوراً "دانیال" کا نام لیا۔ سارہ کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ آئی، پھر ایک فائر دل پر اور دوسرا سر پر مارا۔ کام ختم ہوتے ہی وہ تیزی سے کمرے سے نکلی، گارڈ کے اندر آنے سے پہلے بلڈنگ سے باہر نکل چکی تھی۔

ہوٹل کے اندر داخل ہوتے سب ورکرز الرٹ ہو گئے تھے انھوں نے خیام کو کبھی اتنا غصے میں نہیں دیکھا تھا ---
کمرے آتے ہی ٹھاہ کی آواز سے دروازہ بند کیا، پھر سب کچھ توڑنے لگا—شراب کی بوتلیں، پرفیوم، گلاس، شیشے، الماریاں...
کمرہ ملبے کا ڈھیر بن گیا۔

پھر انہی شیشوں پر ننگے پاؤں چلنے لگا۔

جسم زخمی، دل چور، آنکھیں سرخ، اور سانسیں بے ربط۔

ہوٹل کے ویٹر نے فوراً کاشان کو اطلاع دی۔

کاشان دوڑتا ہوا پہنچا۔ کمرہ کھولا تو زمین پر شیشے بکھرے ہوئے تھے، ہر طرف خون کے نشانات، اور بیچ میں خیام زخموں سے چور، شیشوں پر چل رہا تھا۔

کاشان نے شیشے ہٹائے، اور جھک کر خیام کو تھام لیا۔ جیسے ہی خیام نے کاشان کو دیکھا، بلک بلک کر رونے لگا۔

"کاشان... روک لو اسے... میرا دل پھٹ جائے گا... وہ چلی گئی تو خیام مر جائے گا...
اسے بتاؤ نا کاشان... خیام اس سے عشق کرتا ہے...
وہ کہتی ہے وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی... وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے... ایسا کیسے ہو سکتا ہے... وہ چلی جائے گی؟"

کاشان خاموش کھڑا، بس اسے تھامے، اس کی ٹوٹی ہوئی دنیا کے ملبے میں، دوستی کا سہارا دے رہا تھا...

"خدا کے لیے، اسے کہو میرے پاس واپس آ جائے... ورنہ میں مر جاؤں گا، یار!"
خیام نے کاشان کی شرٹ کو پکڑ کر تقریباً چیختے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی، آواز بھرا گئی تھی۔ "وہ کہتی ہے کہ میں جانور ہوں... میں انسان نہیں... میں مسلمان نہیں... وہ میرے ساتھ نہیں رہ سکتی..."

یہ منظر کاشان کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ شخص جو دنیا کے سامنے ایک طاقتور، بے رحم، اور خوفناک انسان کے طور پر جانا جاتا تھا، آج محبت کے سامنے ٹوٹ چکا تھا۔ اس کا ضبط، غرور اور وقار لمحوں میں بکھر گیا تھا۔

پھر یکایک خیام کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا، اور وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

کاشان فوراً ہوش میں آیا، قریب کھڑے ویٹر کو آواز دی، اور جلدی سے خیام کو گاڑی میں ڈال کر اپنے گھر لے آیا۔ ڈاکٹر پہلے سے منتظر تھا۔ خیام کو بیڈ پر لٹا کر کاشان نے اس کے پاؤں سے شیشے نکالنے شروع کر دیے۔ ڈاکٹر نے معائنہ کیا، انجیکشن لگایا اور اس کے پاؤں پر پٹی کرتے ہوئے کہا:

"شکر کریں کہ دماغ کی رگیں نہیں پھٹیں، ورنہ آج ان کا بچنا ناممکن تھا۔ ذہنی صدمہ شدید لگتا ہے۔ کوشش کریں کہ انھیں ہر قسم کی ٹینشن سے دور رکھیں ورنہ جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔ ابھی

نیند کا انجیکشن لگا دیا ہے، کچھ گھنٹے سکون سے سوئیں گے۔
"پھر کوئی نرم غذا دیں، کمزوری بہت ہے۔

یونیورسٹی آکر جلدی سے پرنسپل روم میں آئی تو عبایا اتار کر روتے ہوئے صباء کو دیکھنے لگی ---
صباء خیام سچ کہہ رہا تھا اس نے آگ نہیں لگائی یہ تو دانیال نے لگائی ہے جسے میں نے پوری یونیورسٹی کے سامنے منہ پر تھپڑ مارا تھا --
مجھے یقین نہیں آ رہا کہ وہ اتنی چھوٹی سی بات پر یہ سب کر سکتا ہے لیکن ان امیروں کا یہی تو مسئلہ ہوتا ہے یہ اندھے ہو جاتے ہیں طاقت کے نشے میں غریبوں کی جانیں ان کے لیئے کوئی حثیت نہیں رکھتی---
مجھے نقصان پہچانے کے لیے ان معصوم بچوں کی زندگیاں ختم کر دی،لیکن اب تم دیکھنا میں اسے کتنی اذیت ناک موت دوں گی---
صباء اسے گلے لگا کر چپ کروانے لگی اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے کہنے لگی۔
سارہ کھڑکی کے پاس کھڑی باہر یونیورسٹی کی چہل پہل دیکھ کر کہنے لگی--
صباء یہ سب میرے لیئے بھی آسان نہیں تھا لیکن مجھے کرنا پڑا"
میں مجبور تھی ۔اس رات جو کچھ ہوا تھا میں نہیں چاہتی کہ خیام کو پتا چلے اور وہ بھی گلریز کی طرح چھوڑ دے اور یہ لوگ بہت خطرناک ہیں کہیں خیام کو نقصان نا پہنچا دیں----

دوبارہ رسوا نہیں ہونا چاہتی اگر اسے پتہ چلا تو وہ مجھے چھوڑ دے گا ۔اس لیئے بہتر ہے میں خود ہی الگ ہو جاؤں کہہ کر آنسو صاف کرتی اپنی گاڑی میں بیٹھ کر تین بجے گھر پہنچی---

---

دلاور سامنے صوفے پر بیٹھے نیوز دیکھ رہے تھے سارہ کو دیکھا جو کہ ان کے پاس آکر بیٹھ گئی بیٹا کیسا رہا دن ---دلاور اس کے چہرے پر اداسی دیکھ کر پوچھنے لگے---

"بابا بہت تھک گئی ہوں کام زیادہ تھا لیکن اب آپ ساتھ ہیں تو ساری تھکاوٹ ختم ہو جائے گی ان کے ہاتھ پر بوسہ دے کر کہنے لگی--- تبھی پلوشہ ان دونوں کے لیئے چائے اور سموسے لے کر آئی --ارے کیا باتیں ہو رہی ہیں آپ دونوں میں --انھیں بات کرتا دیکھ کر کہنے لگی ---

"امی آپ بھی آ جائیں ہم بس یونیورسٹی کے بارے میں بات کر رہے تھے --پلوشہ سارہ کے قریب بیٹھ کر بولی --

سارہ بیٹا تمھارے سسرال میں تو سب ٹھیک ہے کافی پریشان لگ رہی ہوں ---؟

سارہ ان کو دیکھ کر مسکرا کر انھیں گلے لگا کر کہنے لگی "امی جان کس میں اتنی ہمت ہے کہ آپ کی بیٹی کو پریشان کریں ،بس آج کام زیادہ تھا اس لیے تھک گئی ہوں چائے پیتے ہوئے ماں سے کہنے لگی----

" بابا کل میں قطر جا رہی ہوں خیام کے پاس انھوں نے میری کل صبح کی ٹکٹ بک کروائی ہیں---

کیا---؟؟ لیکن سارہ بیٹا اتنے اچانک جانے کی وجہ پہلے تو ذکر نہیں کیا---

دلاور حیرانی کی ملی جلی حالات میں اسے دیکھنے لگے--
بابا دراصل مجھے بھی ابھی پتا چلا ہے تو اب مجھے پیکنگ کرنی ہے کہہ کر اپنے کمرے میں آ کر الماری سے کپڑے اور ضرورت کا سامان اٹھا کر بیگ میں ڈالا اور دل میں سوچنے لگی ---
یا اللہ مجھے معاف کر دیں اور امی بابا آپ بھی مجھے معاف کر دیں آپ سے جھوٹ بولنا پڑھا لیکن مجھے کسی بھی صورت جلد از جلد اس دانیال تک پہنچنا ہے ---
سارہ نے ایک ایک نمبر پر کال کی----
(ایک لڑکی نے کال اٹھائی)
اسلام علیکم سارہ ،،کیسی ہو ؟؟؟
(سارہ نے پوچھا---)
میں ٹھیک ہو اور تم کیسی ہو؟؟
میں ٹھیک ہو اور سارہ -مجھے انفارمیشن ملی ہے کہ دانیال کچھ دن پہلے لندن تھا لیکن اب ترکی آیا ہوا ہے---لڑکی نے انفارمیشن دی----
یہ تو بہت اچھی خبر ہے چلو کل ملاقات ہوتی ہے ایئرپورٹ پر---کہتے ہوئے سارہ نے کال کاٹ دی---
----
وادئ نیلم — سردیوں کی ایک تاریک رات

نمازِ عشاء کے بعد سارہ عبادت کی کیفیت میں گم تھی، دل و دماغ میں سکون تھا۔ لاہور میں ایک قریبی عزیز کے انتقال کے باعث اُس کے والدین شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ سردی کی لپیٹ میں لپٹا نیلم کا موسم کچھ اور ہی خاموشیاں سناتا تھا۔

سارہ اپنے کمرے میں، لیمپ کی مدھم روشنی میں، اپنے پسندیدہ ناول "پیرِ کامل" میں کھوئی ہوئی تھی، جب اچانک باہر سے کچھ غیر معمولی آوازیں آنے لگیں۔ وہ چونکی، ناول سائیڈ پر رکھا، اور احتیاطاً اپنی گن سنبھالتے ہوئے کمرے سے باہر نکلی۔ باہر مکمل اندھیرا تھا، کچھ دیکھنا ممکن نہ تھا۔

"کون ہے وہاں؟" سارہ نے آواز لگائی، مگر اُس کی آواز میں ہلکی سی لرزش چھپی ہوئی تھی۔ جیسے ہی وہ لائٹ آن کرنے کے قریب پہنچی، کسی نے پیچھے سے اُس کے بالوں کو دبوچا، گن اُس کے ہاتھ سے چھین کر دور پھینک دی، اور اُس کے منہ پر پٹی باندھ دی گئی۔ سارہ کے قدم لڑکھڑا گئے۔ وہ اس اچانک حملے کے لیے بالکل تیار نہ تھی۔

اسے بے ہوش کیا گیا اور ایک گاڑی میں ڈال کر جنگل کی طرف لے جایا گیا۔۔۔

سارہ کی آنکھ کھلی تو خود کو ایک جھونپڑی میں پایا۔ جیسے ہی نظر اُٹھی، سامنے اُس کے چچا اور چچی، گل بانو، کھڑے تھے، چہروں پر عجیب سی سفاک مسکراہٹ تھی۔ دل میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔

"چچا! آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟" سارہ نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"!چچا نے سخت لہجے میں کہا، "آج تیرا قصہ ختم کرنے آئے ہیں

گل بانو کی آواز سن کر سارہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

لیکن میں نے آپ لوگوں کا کیا بگاڑا ہے؟" سارہ نے روتے ہوئے" کہا۔

چچا نے گرج کر کہا، "پہلے تیرے ماں باپ کی وجہ سے سب کے سامنے ہمیں برا بنایا، اور اب تُو نے میرے بیٹے سے شادی سے انکار کر کے ہمارے وقار پر دھبہ لگایا۔ تیرے دادا نے بھی ساری "!جائیداد تیرے نام کر دی

یہ سب دادا کی مرضی تھی۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔" سارہ نے بہ" مشکل کہا۔

گل بانو نے زور دار تھپڑ مارا۔ "بدتمیز لڑکی! آج تیرے غرور کو مٹی میں ملا دیں گے۔ تیرے ماں باپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل "!نہیں رہیں گے

سارہ کی سانس حلق میں اٹک گئی۔ "نہیں! نہیں۔۔۔ آپ ایسا مت کریں! خدا کے لیے مجھے چھوڑ دیں! آپ کو جو چاہیے میں دے دوں "!گی

چچا نے سرد لہجے میں کہا، "جائیداد تو ویسے بھی ہماری ہو جائے گی، مگر تُو اب زندہ نہیں بچے گی۔"

چچا نے دروازہ کھولا اور کچھ اجنبی مرد اندر داخل ہوئے۔ اُن کی شکلیں ڈاکوؤں جیسی تھیں۔

گل بانو نے کہا، "ہمارے جانے کے بعد یہ لڑکی تمھاری مرضی ہے، جو چاہو کرو۔" یہ کہہ کر وہ باہر چلی گئی۔

سارہ چیخی، روئی، گِڑگڑائی، "ایسا نہ کریں! اللہ کا واسطہ ہے، مجھے چھوڑ دیں!"

اُسی لمحے اُس کی زبان سے نکلا، "یا اللہ! میری عزت کی حفاظت فرما! مجھے یہاں سے نکال، میں تیری پناہ مانگتی ہوں!"

"اللہ پر یقین کامل ہو تو معجزے ہوتے ہیں۔"

ایک آدمی نے جیسے ہی سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا، اُس کی ہاتھ کی پشت میں ایک چاقو پیوست ہوا۔ چیخ کی آواز گونجی۔ سارہ نے چونک کر دیکھا — چاقو پر "KK" کندہ تھا۔

دوسرا آدمی ابھی گن نکال ہی رہا تھا کہ ایک نقاب پوش شخص نے اُسے سیدھے ماتھے پر گولی مار دی۔ چند لمحوں میں دونوں ظالم زمین پر ڈھیر ہو گئے۔

ساره نے کانپتی نگاہوں سے اُس شخص کو دیکھا — نیلی آنکھیں، ماتھے پر بکھرے بال، چہرے پر سیاہ ماسک۔

ک۔۔کون ہو تم؟" ساره نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔"

آپ کا محافظ!" اُس نے مختصر جواب دیا، اور ساره کو باہر نکلنے" کا اشارہ کیا اور خود اس سے فاصلے پر آگے بڑھتے ہوئے کار کا دروازہ کھولا۔۔۔
ساره جب اندر بیٹھی تو اسے پانی بوتل دی جو ساره نے ایک ہی سانس میں ختم کی۔ کار سیدھا ساره کے گھر کے سامنے رکی۔تو ساره حیران ہوئی کہ اسے میرے گھر کے بارے میں کیسے پتا ہے۔۔؟؟

آج کے بعد کوئی آپ کو تنگ نہیں کرے گا۔ اور بہتر ہے کہ یہ" واقعہ اپنے گھر والوں کو نہ بتائیں،" وہ شخص بولا۔

ساره کو اُس چہرے میں کچھ جانا پہچانا سا محسوس ہوا۔ مگر وہ کہاں ملی تھی یہ آنکھیں؟ وہ چہرہ؟

میری جان اور عزت بچانے کا شکریہ،" ساره نے کہا اور گھر کے" اندر چلی گئی۔۔۔
رات گزر چکی تھی، مگر ساره کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ وہ بار بار پانی پی رہی تھی، کبھی کھڑکی سے باہر دیکھتی،

کبھی دروازے کو لاک ہونے کی تسلی کرتی۔ آج کی رات اُس کی زندگی بدل چکی تھی۔ جسم تو محفوظ تھا، مگر دل ابھی بھی لرز رہا تھا۔

وہ بار بار اُس نقاب پوش شخص کا چہرہ یاد کرتی، جو اُس کی جان بچا کر خاموشی سے چلا گیا تھا۔
"آپ کا محافظ۔۔"
یہ الفاظ سارہ کے دل میں کسی عجیب سی حدت سے گونج رہے تھے۔

" یہ کون ہو سکتا ہے kk... ؟ کوئی مجھے کیسے جان سکتا ہے؟؟
میرے گھر کے حالات؟ میری مشکلات؟"

اگلی صبح سارہ نے خود کو مضبوط ظاہر کیا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ ماں باپ کے سامنے ہنستی رہی، گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتی رہی، مگر دل میں سوالوں کا طوفان چل رہا تھا۔

کئی دن گزر گئے۔

ایک دن وہ اپنی یونیورسٹی سے واپس آ رہی تھی، جب اُسے اپنی گاڑی کے وِنڈ شیلڈ پر ایک لفافہ نظر آیا۔ اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ لفافے پر صرف ایک حرف لکھا تھا:
"S"

سارہ نے اردگرد دیکھا — کوئی نظر نہ آیا۔ اُس نے جلدی سے لفافہ کھولا۔

اندر ایک مختصر پیغام تھا:

"جو سمجھتے ہیں آپ کمزور ہو، وہ بھول گئے ہیں کہ تمہاری حفاظت اُس کے ذمے ہے جو ہر جگہ موجود ہے۔"
"KK"
سارہ کی انگلیاں کپکپانے لگیں۔

"یہ شخص کون ہے؟ آخر کیوں میری مدد کر رہا ہے؟ اور کیسے؟"
ساره کو یاد آیا وہ چاقو جس پر "KK" کندہ تھا۔ دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے خود سے بولی:

"اگر تم سن رہے ہو... تو واپس آؤ۔ میں تمھیں جاننا چاہتی ہوں۔ شکریہ کہنا چاہتی ہوں — دل سے۔"

اس لمحے کھڑکی سے باہر ایک سایہ سا حرکت کرتا نظر آیا۔ جیسے کوئی اُس کی موجودگی کا جواب دے رہا ہو — خاموشی سے----
----
صباء نے سارہ کے سامنے چٹکی بجائی تو ماضی سے نکلی۔۔

"کب سے آواز دے رہی ہوں کہاں گم ہو ۔۔اسے شکوہ کن نظروں
!!!اسے دیکھنے لگی ۔۔۔
سارہ جلدی سے آنکھوں کا کنارہ صاف کرتی ہنستے ہوئے بولی
!!!کہیں نہیں تم کب آئی۔۔۔
میں بس ابھی جب تم اپنے خیالوں میں گم بیٹھی تھی۔سارہ کیا تم
اپنے ماضی کو نہیں بھول سکتی اسکے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں
پکڑ کر کہنے لگی ۔۔۔
سارہ جانتی ہے کہ صباء سے اس کی کوئی بات چھپی نہیں رہ
سکتی۔۔۔
آہستہ سے اٹھ کر کھڑکی کے سامنے جا کھڑی ہوئی، جہاں سے
چاند پورے آب و تاب سے چمک رہا تھا۔

"صباء! کچھ چیزوں کو بھلانا ہمارے بس میں نہیں ہوتا، ہم چاہ کر
"بھی نہیں بھلا سکتے۔۔۔

بیڈ پر بیٹھی صباء کی طرف منہ موڑ کر وہ بولنے لگی۔
"صباء، شاید تم خوش نصیب ہو۔ تمھاری زندگی میں ایسا مشکل
"وقت نہیں آیا۔۔۔

تبھی صباء کا زوردار قہقہہ پورے کمرے میں گونجنے لگا۔ سارہ
حیرت سے اسے دیکھتی رہی۔

"کیا ہو گیا ہے صباء؟ پاگلوں کی طرح کیوں ہنس رہی ہو؟ میں نے
!کوئی لطیفہ تھوڑی سنایا ہے"

صباء کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں اور آنسو بہہ رہے تھے۔
"سارہ، تم نے لطیفہ ہی تو سنایا ہے۔ تمھیں جو کہانی میں نے سنائی تھی وہ یہ تھی کہ میری امی مجھے بہت برا بھلا کہتی تھی اور میرے ماں باپ ایک حادثے میں مارے گئے اور میں یہاں اسماء کے پاس آئی،،،
سارہ میں کسی امیر ماں باپ کی بیٹی نہیں ہوں؟ ... آج میں تمھیں ایک اصلی کہانی سناتی ہوں..."

لاہور کے ایک علاقے میں شکیل احمد رہتے تھے، جو کہ نہایت نرم مزاج لیکن اصولوں کے سخت پابند تھے۔ ان کا گھر، جس میں دو کمرے، ایک کچن، باتھ روم اور ایک چھوٹا سا صحن تھا، وہ اپنی بیوی سمیرہ اور تین بچوں (دو بیٹے اور ایک بیٹی) کے ساتھ رہتے تھے۔

شکیل احمد کی ایک کریانے کی دکان تھی، لیکن آہستہ آہستہ وہ کام بھی بند ہو گیا۔ پھر انہوں نے دکان کرایے پر دے دی، جس سے ہر مہینے پندرہ ہزار روپے آتے، اور اسی سے گزر بسر ہوتا۔

ان کے دونوں بیٹے اسکول میں کافی مقبول تھے، لیکن مہنگائی کی وجہ سے کسی اچھے اسکول میں داخلہ نہ لے سکے۔ ان کی بیٹی نور، جو بھائیوں سے چھوٹی تھی، نہایت خوبصورت، نرم طبیعت اور لمبے سیاہ بالوں والی لڑکی تھی۔ اسے بھی پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ بچپن سے ہی اس کا خواب تھا کہ وہ آرمی میں جائے یا ڈاکٹر

بنے۔۔اسکول سے کبھی چھٹی نہ کرتی کہ ایک دن بھی کام رہ گیا تو اپنے خواب کیسے پورے کرے گی؟

میٹرک میں اچھے نمبرز لیے، لیکن فرسٹ ایئر میں جب داخلہ لیا تو گھر کے حالات بگڑنے لگے۔ دونوں بھائی تعلیم میں بہترین تھے لیکن نوکری نہیں ملی۔ شکیل احمد کو اپنی اولاد سے محبت ضرور تھی، مگر ان میاں بیوی کی روزانہ کی لڑائیاں بچوں کو خوفزدہ کر دیتیں۔ کبھی روٹی لیٹ ملنے پر، کبھی چائے اچھی نہ ہونے پر، لڑائی معمول بن چکی تھی۔
"تم جانتی ہو، بروکن فیملی کیا ہوتی ہے؟"

یہ جملہ اکثر صباء کے ذہن میں گونجتا تھا۔ جیسے کوئی اندر سے اسے دہراتا ہو، بار بار، خاموشی سے۔

بروکن فیملی...
یعنی وہ گھر جہاں ہر روز ماں باپ کی تلخ آوازیں دیواروں سے ٹکرا کر بچوں کے کانوں میں زہر گھولتی ہیں۔
جہاں والدین اپنی ذات کی جنگ میں اتنے الجھ جاتے ہیں کہ بچوں کے جذبات، ان کی معصوم خواہشیں اور ان کے خوف کہیں سنائی ہی نہیں دیتے۔
بچے... جو بظاہر ٹھیک لگتے ہیں، مسکراتے بھی ہیں، اسکول بھی جاتے ہیں، لیکن ان کے اندر کہیں نہ کہیں ایک خاموش جنگ چل رہی ہوتی ہے۔
ایسی جنگ، جو دنیا کو دکھائی نہیں دیتی۔

یہی ہوتی ہے بروکن فیملی—ادھوری محبتوں کا ایسا زخم، جو اندر ہی اندر سڑتا رہتا ہے، کبھی ناسور بن کر اور کبھی آنسو بن کر آنکھوں سے ٹپک جاتا ہے۔

ایسے بچے اندر ہی اندر خود سے جنگ لڑتے ہیں، مگر دنیا کو کچھ ظاہر نہیں ہونے دیتے۔
وہ محبت کے بغیر جینا سیکھ لیتے ہیں۔
انھیں فرق نہیں پڑتا کہ کوئی ان سے پیار کرتا ہے یا نہیں۔

اور حیرت کی بات یہ ہے کہ...

ایسے والدین، جو خود اپنی زندگی میں کبھی بھی مکمل نہ ہو سکے، وہی اپنے بچوں سے مکمل ہونے کی توقع رکھتے ہیں۔
بچوں پر وہ بوجھ لاد دیا جاتا ہے جو کبھی خود نہ اٹھا سکے۔
یہی "پرفیکٹ بننے" کی خواہش ان بچوں کو توڑ دیتی ہے۔
انھیں خود سے نفرت ہونے لگتی ہے، کیونکہ وہ اپنے ماں باپ کی امیدوں پر پورا نہیں اتر سکتے۔

یہی بچے، ایک دن...
پرفیکٹ بننے کی ضد میں نکل پڑتے ہیں—دنیا کو دکھانے کے لیے کہ وہ سب کچھ کر سکتے ہیں، سب سنبھال سکتے ہیں۔
مگر دل کے اندر وہی ٹوٹ پھوٹ، وہی خوف، وہی چیخیں گونجتی رہتی ہیں۔

یہی ہے بروکن فیملی۔
"ایک ایسا زہر، جو دھیرے دھیرے نسلوں میں اتر جاتا ہے..."

بچوں کو باہر لے جانے یا گلے لگانے جیسے جذباتی لمحات صرف عید کے دن میسر آتے۔ ان کی ماں سلائی کڑھائی کر کے گزارا کرتی تھیں۔ لڑائی جھگڑوں کا اثر بچوں پر ہوتا۔ کبھی شکیل احمد گھر چھوڑ دیتے، تو کبھی ان کی بیوی میکے چلی جاتیں۔ پیچھے رہ جاتی نور، جو پندرہ سال کی عمر میں سارا گھر سنبھالتی، کالج بھی جاتی، اور تنہائی میں روتے ہوئے اللہ سے فریاد کرتی:

"یا اللہ! یہ کیسی زندگی ہے؟ میں تو نماز بھی پڑھتی ہوں، روزے رکھتی ہوں، قرآن کی تلاوت بھی کرتی ہوں۔ کسی سے بدتمیزی نہیں کرتی۔ ماں باپ کی ہر بات مانتی ہوں۔ پھر بھی... میری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟"

عید پر صرف نانا کے گھر جا کر اسے خوشی ملتی، لیکن نانا نانی کی وفات کے بعد وہاں بھی جانا بند ہو گیا۔ پھر دادا دادی پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ رہ گئیں پھوپھیاں، جو عید پر بھی نہ ملتیں۔ ان سب باتوں نے نور کو توڑ کر رکھ دیا۔ ماں باپ کی لڑائیاں، خاندان کا بکھرنا، دوستوں کی کمی، اور والدہ کی طعنہ زنی:

"اپنے باپ کی طرح کام چور ہے، ایک دن ضرور بھاگ جائے گی، تب میرے کلیجے کو ٹھنڈک پڑے گی..."

سترہ سال کی وہ لڑکی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
"یا اللہ! میری ماں ہی میرے کردار پر شک کر رہی ہے؟"

اس نے کبھی گھر سے باہر قدم نہیں رکھا تھا، لیکن اپنی ہی ماں کی زبان سے ایسی باتیں سن کر وہ اندر ہی اندر مرنے لگی۔ دعا مانگنا چھوڑ دیا۔ زندگی میں اب کوئی مقصد باقی نہ رہا۔" کچھ لوگ زندگی گزارتے ہیں، کچھ لوگوں کو زندگی گزارتی ہے "اس کی زندگی بھی ایسے ہی تھی بے معنی،
کوئی حاصل نہیں،چپ چاپ کام کرنا ،باتیں سننا ،کبھی بھوکی تو کبھی کھانا کھا کر روتے ہوئے سو جانا۔رات کو وہ نماز پڑھنے کے بعد بیٹھ کر قرآن کریم پڑھنے لگی تو اس کے سامنے سورہ وَالضُّحَى آئی ---~
سورہ والضحی" کا نزول بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی" ہی کیفیت میں ہوا تھا جب وحی کچھ وقت کے لیے بند ہو گئی تھی اور وہ غمگین ہو گئے تھے۔ اس کا پہلا حصہ ہی اس نور کے دل کا سہارا بنتی گئی:

> "وَالضُّحَى، وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى، مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى"
قسم ہے چاشت کے وقت کی، اور رات کی جب وہ چھا جائے، نہ"
"تمہیں تمہارے رب نے چھوڑا ہے، نہ وہ ناراض ہوا ہے۔
یہ آیات نور کے لیے جواب ہیں، اس کی دعاؤں کا، اس کے آنسوؤں کا، اور اس کے سجدوں کا۔

(اے پیغمبر!) قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی)
(اور رات کی جب اُس کا اندھیرا بیٹھ جائے)
کہ تمہارے پروردگار نے نہ تمہیں چھوڑا ہے، اور نہ ناراض ہوا)
---(ہے
اور یقینا آگے آنے والے حالات تمہارے لئے پہلے حالات سے بہتر)
(ہیں
اور یقین جانو کہ عنقریب تمہارا پروردگار تمہیں اتنا دے گا کہ تم)
"(خوش ہو جاؤ گے

یہ آیات پڑھتے ہی اسے ایک سکون ملنے لگا کہ اللہ ہمیشہ اس کے ساتھ ایسے برے حالات میں میں وہ اللہ سے باتیں کرتے ہوئے مسکرانے لگے جاتی اللہ اسکا واحد دوست تھا ،ہے اور رہے گا۔ سورۃ والضحی کی آیتیں دل میں گونج رہی تھیں۔ نور کی آنکھوں سے آنسو بہتے جا رہے تھے، مگر دل میں ایک عجیب سی ٹھنڈک بھی اترنے لگی تھی۔ جیسے رب نے بہت عرصے بعد اسے اپنی طرف بلایا ہو، اور کہا ہو:

"مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى"
"نہ تیرے رب نے تجھے چھوڑا ہے، نہ وہ ناراض ہوا ہے۔"

اگلے کچھ دن نور نے خاموشی سے گزارے۔ جیسے دل میں کوئی فیصلہ پک رہا ہو، جیسے وہ اب مزید خود کو ختم ہوتے نہیں دیکھنا چاہتی۔ ایک دن، جب گھر میں پھر لڑائی کی شدت بڑھ گئی،

صباء نے خاموشی حجاب کیا، اپنے پرانے نوٹس، قرآن، اور ایک چھوٹا سا بیگ اٹھایا۔ وہ نکل گئی۔

سڑک پر چلتے ہوئے نہ راستے کا ہوش تھا، نہ وقت کا۔ رات گہری ہو چکی تھی، اور سردی بھی بڑھ گئی تھی۔ اسی لمحے ایک سفید گاڑی اس کے پاس آ کر رکی، اور ایک باوقار، نرم چہرے والی خاتون باہر آئیں۔

"بیٹا، سب خیریت ہے؟"
وہ عورت اسماء تھیں—ایک یتیم خانے کی نگران، جن کا دل انسانوں کے درد کے لیے تڑپتا تھا۔

نور نے کچھ لمحے کے لیے خاموش رہ کر صرف ایک جملہ کہا،
"میرے پاس کچھ نہیں بچا..."

اسماء نے اسے فوراً اپنی گاڑی میں بٹھایا، ایک کمبل اوڑھایا، اور اپنے ادارے لے آئیں۔ اگلے دن صباء کو صاف کپڑے، گرم ناشتہ، اور محبت ملی—وہ سب کچھ جو اس نے برسوں میں کھو دیا تھا۔

رفتہ رفتہ اسماء کو پتا چلا کہ ذہین ہے، مطالعہ کرتی ہے، اور اندر ایک دنیا چھپی ہے۔ اسماء نے اُسے اسکول میں داخل کروایا تو نور نے آسماء سے کہا کہ وہ اپنا نام تبدیل کرنا چاہتی ہے تو اسماء نے اس کا نام صباء رکھ دیا، پھر کالج جب یونیورسٹی میں سیکنڈ ایئر کر رہی تھ...

ی تو اس کی ملاقات سارہ سے ہوئی ،،یہاں سے ان کی بے مثال دوستی کی شروعات ہوئی۔۔صباء دن رات محنت کرنے لگی، اور اس کے دل میں ایک نئی چاہ پیدا ہوتی ہے:
"میں ان لوگوں کی مدد کروں گی جو ماں باپ کی بدسلوکی کا شکار ہیں، جو اندر سے ٹوٹ چکے ہیں۔"

ادھر خیام کی طبیعت خراب ہوئے دو دن گزر چکے تھے۔
کاشان نے اسے سہارا دے کر اٹھایا، زبردستی جوس پلایا، اور خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔
خیام کا چہرہ زرد اور آنکھیں بجھی ہوئی تھیں۔ وہ بےحس و حرکت بیٹھا رہا، جیسے جسم میں جان ہی نہ ہو۔
نیند میں بھی وہ صرف ایک ہی نام پکار رہا تھا...اسے خواب آتے جس میں سارہ مسکرا کر کہتی ہے۔۔۔
آؤ خیام ہم مل اللہ کی راہ پر چلیں ۔۔۔خیام بے چین ہو کر رہ گیا ۔۔
سارہ کا قرآن پاک کی تلاوت کرنا،روزہ رکھنا ،نماز میں سکون ہونا ۔۔۔یہ سب کچھ خیام کو سوچنے پر مجبور کر دیا گیا کہ کیا وہ واقعی غلط راہ پر تھا۔۔
" سارہ... سارہ..."۔۔۔تم نے مجھے الجھا دیا ہے۔۔"
"میں تم سے اس لیے نہیں ملا کہ تم میرے نصیب میں تھیں، میں تم سے اس لیے ملا کہ تم نے مجھے میرے رب تک پہنچایا۔"
کاشان مسلسل کوشش کر رہا تھا کہ خیام کا موڈ بہتر ہو، لیکن خیام جیسے کسی اور ہی دنیا میں گم تھا۔
وہ اپنے نفس کے خلاف لڑ رہا تھا،ایسی جنگ جس میں وہ خدا کی طرف لوٹ کر آئے گا ۔۔

دو دن گزر چکے تھے، اور اس نے سارہ کو یاد کیا اور کاشان سے کہا مجھے کوئی سورت پڑھ کر سناؤ میرا دل بے چین ہے---

جب کاشان نے سورہ یٰسین کی تلاوت سنایی تو خیام کو لگا جیسے کسی نے جلتے دل پر مرہم لگایا ہو---

----

وقت گزرتا گیا۔ صباء نے نفسیات (Psychology) میں ماسٹرز کیا، اور پھر ایک معروف ادارے میں سائیکالوجسٹ کے طور پر کام شروع کر دیا۔
اسماء کو دیکھ کر لگتا کہ صباء سگی اولاد ہو اور صباء کو ایسے لگا جیسے وہ اس کی سگی ماں ہوں شفیق اور مہربان جو کہ پوری دنیا کے سامنے اس کے ساتھ کھڑی رہی--- ایک کامیاب لڑکی بن کر دنیا کے سامنے آئی وہ لڑکی جس کی گھر میں کوئی قدر نہیں تھی جو منحوس کہلائی جاتی تھی--
آج دنیا اس کے جیسے بننے کی خواہش مند ہیں یہ سب اسے اللہ کی ذات پر کامل یقین اور اسماء کی ان تھک محنت کی بدولت ملا تھا۔
صباء اب اسماء کو امی بلاتی تھی ان دونوں کا پیار سب کے مثال تھا صباء کو اسلام آباد کی یونیورسٹی میں جاب کی آفر ملی تو صباء اور اسماء وہیں اسلام آباد شفٹ ہو گئی---
وہاں بچوں کے پاس اسماء کی دوستی رہتی تھی اور صباء وغیرہ ہر مہینے ان سے ملنے جاتے اور ایک دو دن ان کے ساتھ گزارتے ،اسماء نے صباء کو اتنا پیار دیا کہ وہ اپنے دردناک ماضی کو

بھولنے لگی وہ کون تھی اور کیا تھی اب بس اسے وہی یاد تھا جو اللہ نے عطا کیا ہے---

مگر...کبھی کبھی رات کے وقت، جب وہ کسی ماں کو بچے پر چلاتا سنتی، یا کوئی مریض ماں کے طعنوں کا ذکر کرتا—تو صباء کو اپنی ماں کی آوازیں یاد آتیں:
"مفت کی روٹیاں توڑتی رہے گی!"
"تم بھی اپنے خاندان کی لڑکیوں کی طرح بھاگ جائے گی!"

ان لمحوں میں وہ کانپنے لگتی، دل کی دھڑکن بے قابو ہو جاتی، اور وہ دیوار سے لگ کر بیٹھ جاتی۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔
اسماء اب بھی اس کی زندگی میں تھیں۔ وہ اس کے قریب بیٹھ کر اسے دعا کا کہتی تھیں، قرآن کی آیتیں پڑھ کر دم کرتی تھیں، اور کہتی تھیں:

"صباء، تم رب کی خاص بندی ہو... جسے اللہ نے بچا لیا، سنوار دیا، اور اب اس کے بندوں کے درد کا مرہم بنایا ہے۔"

صباء دھیرے سے مسکرا دیتی، مگر اس کی آنکھوں میں وہ درد اب بھی جھلکتا تھا۔
کیونکہ کچھ زخم شاید کبھی مکمل نہیں بھرتے—لیکن وہ دوسروں کو زخموں سے نکالنے کا حوصلہ ضرور دے جاتے ہیں۔

جب صباء بات مکمل کی تو سارہ اسے لگا کر رو پڑی ---
تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا صباء،کیا میں تمھاری دوست نہیں تھی؟؟
صباء نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا:
سارہ میں ڈرتی ،میں کمزور نہیں ہونا چاہتی تھی--
سارہ نے اسے اپنے پاس بیٹھ کر اسے کہا ---آئندہ مجھ سے جھوٹ بولا تو میں ناراض ہو جاؤ گی---
پکا اب کچھ نہیں چھپاؤں گی---صباء نے ہنس کر کہا اور باہر رات کے اندھیرے میں چمکتے ہوئے تارو دیکھنے لگی--
لیکن صباء تمھارے ماں باپ کہاں کیا تمھیں کچھ پتا ہے؟؟؟جب میں اسماء امی کے پاس گئی تھی تو کچھ سالوں بعد ان کو اپنے گھر والوں کے بارے میں بتایا ہر مہینے ان کو پیسے بھیجا کرتی ہوں ،میں نے اپنا نام تبدیل کرکے صباء کروا دیا تھا اب سب مجھے اسی نام سے جانتے ہیں --

سارہ نے اس کی حالت کو سمجھتے ہوئے مزید کچھ نا کہا --
صباء نے اس کے چہرے سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا یار ایک تو تم روتی بہت زیادہ ہوں ،،،
پتا نہیں خیام بھائی کیسے برداشت کرتے ہوں گے --سارہ مسکرانے لگی وہ بہت کھڑوس انسان ہے---
اچھا سارہ میں تو تمھیں یہ پرس واپس کرنے آئی تھی جو تم آفس میں ہی بھول کر آگئی ہو اور تم نے یہاں آکر باتوں میں لگا دیا اب مجھے گھر جانا چاہیے باہر ڈرائیور ویٹ کر رہا ہوگا--امی میرا

انتظار کر رہی ہوگی ٹھیک ہے خدا حافظ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی---
سارہ اسے کھانے کے لیے بلاتی رہ گئی مگر وہ بھاگ گئی سارہ کافی دیر صباء کی باتوں کو یاد کرتے ہوئے نیند کی آغوش میں گم ہو گئی -

----

اسی رات، جب کاشان کمرے میں بے خبر سو رہا تھا، خیام اچانک اٹھا۔
ننگے پاؤں، خاموش قدموں سے ہوٹل سے باہر نکلا۔
سرد فرش پر قدم رکھتے ہوئے وہ سڑک پار کر کے ایک قریبی مسجد کی طرف بڑھا۔

مسجد کے دروازے پر رکا، آسمان کی طرف نظر کی، اور پھر آہستگی سے اندر داخل ہو گیا۔
سب لوگ نماز پڑھ کر جا چکے تھے، مسجد میں اب صرف خاموشی کا بسیرا تھا۔

اس کے پاؤں پر پٹیاں بندھی تھیں، جن سے ہلکا ہلکا خون رس رہا تھا۔
دروازے کے قریب ہی ایک سفید داڑھی والے بزرگ نے اسے آتے دیکھا، تو ہاتھ کے اشارے سے قریب بلایا۔

خیام آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھ کر ان کے قریب جا بیٹھا۔
بزرگ مسکرائے اور نرمی سے گویا ہوئے:

"برخوردار... دل پر زخم لگے تو خدا یاد آیا؟"

خیام نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔
اسے حیرت ہوئی کہ ان بزرگ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ اندر سے زخمی ہے؟

"...ایسے مت دیکھو بچے، بہت جلد تمہیں سب سمجھ آ جائے گا"
وہ نرمی سے بولے، "میرا نام سلیمان ہے، میں اس مسجد کا امام ہوں۔"
عشقِ خدا میں خود

پھر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے گویا ہوئے:
"...کیا ہی اچھا ہے کہ ہم اُس ذات کی طرف رجوع کریں
اور اس سے دوستی کا رشتہ قائم رکھیں، جس کے ہاتھ میں زندگی ہے، بیماری ہے، صحت ہے،
وہی ہے جو کسی کو غنی بناتا ہے، اور کسی کو محتاج۔"

خیام نے نظریں جھکا لیں۔
وہ اپنے ماضی کے لمحے لمحے کو یاد کر رہا تھا۔

...کیا کچھ نہ کیا تھا اس نے
مگر کبھی سجدے میں نہیں جھکا، کبھی رب کی طرف رجوع نہیں کیا۔

لیکن جب سے سارہ اس کی زندگی میں آئی تھی، کچھ بدلنے لگا تھا۔

جب وہ قرآن کی تلاوت کرتی، تو خیام کی روح تک سکون اترتا تھا۔
مگر اب... اب تو وہ خود کو مسلمان کہنے کے لائق بھی نہیں سمجھتا تھا۔

"میں تو قابل ہی نہیں ہوں،" خیام نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا،
"دس سال سے کوئی نماز نہیں پڑھی، نا روزہ رکھا، نا زکوٰۃ دی۔
کوئی نیکی نہیں کی... اللہ مجھ سے کیوں پیار کرے گا؟"

سلیمان صاحب نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مسکرا کر کہا:

"وہ صرف عبادت گزاروں کا رب نہیں...
وہ ندامت والوں کا بھی رب ہے، بیٹا۔
تم نے زندگی میں ضرور کوئی ایسی نیکی کی ہے جو اللہ کو پسند آئی،
تبھی تو اُس نے تمہیں اپنی طرف کھینچ لیا۔"

پھر وہ تلاوت کرنے لگے:

سورۃ النساء – آیت 146-147

مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی، سنور گئے،
اللہ سے مضبوط تعلق جوڑ لیا،
اور دین کو اللہ کے لیے خالص کر لیا،
تو وہ مؤمنوں کے ساتھ ہوں گے،
اور عنقریب اللہ مؤمنوں کو عظیم اجر عطا فرمائے گا۔

"یہ اللہ کا گھر ہے،" سلیمان صاحب بولے،
"یہاں صرف مسلمان ہی نہیں، ہر مذہب کے لوگ اپنے مسائل لے کر آتے ہیں،
اور نجات پا کر جاتے ہیں۔
اور تم تو مسلمان ہو، امتِ محمد ﷺ سے ہو۔
اگر دل سے توبہ کر لو، تو اللہ پہاڑ جیسے گناہ بھی معاف کر دیتا ہے،
کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے۔"

پھر انہوں نے نرمی سے پوچھا،
"کیا نام ہے تمھارا، برخوردار؟"

خیام: اللہ کہتا ہے وہ قریب ہے، تو پھر میرے دل میں یہ خالی پن کیوں ہے؟
امام سلیمان:
"خالی پن اُس وقت ہوتا ہے جب دل دنیا سے بھرنے لگتا ہے۔
اللہ قریب ہے، مگر تُو نے کان دنیا کے شور میں لگا دیے۔
خاموشی میں آ، سجدے میں گر،

"دل خود کہے گا—"وہ یہیں ہے"۔

خیام..." وہ آہستہ سے بولا۔"

"میں توبہ کرنا چاہتا ہوں،"
خیام نے نظریں جھکا کر کہا، "اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں
مسلمان نہ بنا، تو وہ میرے ساتھ نہیں رہ سکتی۔"

سلیمان صاحب نے غور سے اسے دیکھا،
"مطلب... تم خود کو اُس کے لیے بدلنا چاہتے ہو؟"

سوال ایسا تھا کہ خیام چند لمحے خاموش ہو گیا۔
پھر آہستگی سے بولا،
"کیا مطلب؟"

"خود کو اللہ کے لیے بدلنا ہے، یا لڑکی کے لیے؟"

خیام نے کچھ دیر سوچا، پھر نظریں اوپر اٹھا کر بولا،
"اللہ کے لیے۔"

"وہ کہتی ہے، جس کو اللہ مل جائے،
اللہ اُس کی محبت بھی ضرور ملوا دیتا ہے... اگر وہ سچا ہو۔"

خیام کی آواز تھر تھرا گئی،

"اس نے بھی اللہ کے لیے مجھے چھوڑ دیا،
کہتی ہے کہ میں آپ کو راضی کرنے کے لیے اللہ کو ناراض نہیں
کر سکتی۔"

سلیمان صاحب مسکرائے۔
"پھر مبارک ہو، برخوردار...
اللہ نے تمہیں بیداری کی پہلی سیڑھی چڑھنے کی توفیق دی ہے۔

صبح نماز کے بعد سورۃ الرحمٰن کی تلاوت کر کے نیچے آئی،
جہاں دلاور اور اس کی امی ٹیبل پر اس کے انتظار میں بیٹھے
تھے۔ وہ ان کے ساتھ ناشتہ کرنے لگی۔
پھر ان سے مل کر صباء کے ساتھ ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہوئی۔
راستے میں صباء نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:
"سارہ! تم نے انکل آنٹی سے جھوٹ بولا ہے کہ تم قطر جا رہی ہو،
سچ کیوں نہیں بتایا کہ ترکی جا رہی ہو؟ اور اگر خیام بھائی کو
انھوں نے بتا دیا تو کیا ہوگا؟"

سارہ نے موبائل پر کچھ کام کرتے ہوئے جواب دیا:
"صباء، کچھ نہیں ہوگا۔ اگر بابا نے خیام کو بتا دیا تو اسے لگے گا
کہ میں اسے سرپرائز دینے آ رہی ہوں، اسی لیے نہیں بتایا....
ویسے بھی ایک دو دن کے بعد وہاں سے سیدھا قطر چلی جاؤں
گی، تاکہ کسی کو شک نہ ہو۔ بس تم دعا کرو کہ مجھے دانیال جلد
مل جائے۔"

ان شاءاللہ سارہ، سب کچھ ٹھیک ہوگا،" صباء نے کہا"
سارہ نے مسکرا کر کہا:
صباء ،تمھیں یاد ہے ہماری عطرت سے دوستی کس طرح ہوئی تھی---
ہاں وہ دن کیسے بھول سکتی ہوں---صباء بھی مسکرائی اور خوبصورت دن یاد آیا---

----

تمہیں پتا ہے، واصف علی واصف فرماتے ہیں:

"وہ خود ہی دل پیدا فرماتا ہے، خود ہی دلبر پیدا فرماتا ہے اور خود ہی دلبری کا خالق ہے، بلکہ وہ خود ہی سرِ دِلبراں ہے۔ محبت کوشش یا محنت سے حاصل نہیں ہوتی، یہ عطا ہے، یہ نصیب ہے، بلکہ بڑے ہی نصیب کی بات ہے---"

زمین کے سفر میں اگر کوئی چیز آسمانی ہے تو وہ محبت ہی ہے۔
تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے تمہیں اس لیے چھوڑا کہ تم اللہ سے دور ہو،تمھیں اللہ سے محبت نہیں تھی---
اور دیکھو بیٹا! وہ تمہیں چھوڑ نہیں رہی، بلکہ اللہ کی طرف بلا رہی ہے۔

پتا ہے، مرد کے لیے سب سے بڑی خوش نصیبی کیا ہے؟
اس کی زندگی میں آنے والی عورت کا دیندار اور باحیا ہونا۔
،کیونکہ اگر عورت دیندار ہو تو دنیا و آخرت سنور جاتی ہے

اور اگر وہ صرف دنیا داری جانتی ہو تو وہ آپ کی دنیا و آخرت دونوں کو لے ڈوبتی ہے۔

خیام کو جیسے جھٹکا لگا.. وہ مجھے جان بوجھ کر یہ کہہ رہی تھی کہ میں اصل زندگی کی طرف آؤں۔

دیکھو بیٹا! اچھی لڑکیوں کو اپنی حدود میں رہنا چاہیے۔
اگر وہ اپنی حدود سے نکل جائیں تو وہ لڑکیاں تو رہتی ہیں،
مگر اچھی نہیں رہتیں۔
آپ کو شکر ادا کرنا چاہیے، زندگی بہت مختصر ہے،
اور آپ کے اگلے سفر کا آغاز ہو چکا ہے۔ مبارک ہو!

"کیونکہ وہ جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔"

جب بھی دل کرے، آ جانا،
اللہ کے گھر کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔
دل اداس ہو تو سجدے میں گر کر
اللہ سے اپنے دکھ سکھ بانٹ لینے چاہئیں،
وہ اپنے بندے کی بات بہت غور سے سنتا ہے۔

کافی وقت ہو گیا ہے، اب تمہیں جانا چاہیے۔
تمہارا دوست فکر مند ہو گا۔

اللہ حافظ، کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

تو خیام بھی "اللہ حافظ" کہہ کر باہر آ گیا۔

— یونیورسٹی کا کیفے ٹیریا
دوپہر کا وقت۔ سارہ اور صباء ایک کونے میں بیٹھ کر نوٹس دیکھ رہی ہوتی ہیں۔

صباء (مسکرا کر): سارہ، آج ہمیں دوست بنے پورے پانچ مہینے ہو گئے۔

سارہ (مسکرا کر): واقعی؟ وقت کتنا تیزی سے گزر گیا نا؟ لگتا ہے جیسے کل ہی تمہیں پہلی بار دیکھا تھا۔

صباء (چھیڑتے ہوئے): اور تم نے تب سوچا ہوگا، "کیا عجیب سی لڑکی ہے، اتنا بولتی ہے!"

سارہ (ہنستے ہوئے): بالکل! اور اب تمہاری آواز سنے بغیر دن مکمل نہیں ہوتا۔

(اسی دوران ایک دبلی پتلی، باحجاب لڑکی کیفے میں داخل ہوئی،، اس کے ہاتھ میں فائلز تھی اور نظریں جگہ تلاش کر رہی ہیں۔ وہ گھبراہٹ سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی)

صباء (سرگوشی میں): لگتا ہے کوئی نئی اسٹوڈنٹ ہے۔

سارہ (نرمی سے): آؤ اسے بلاتے ہیں۔

سارہ (آواز دے کر): ہیلو! اگر آپ چاہیں تو ہمارے ساتھ بیٹھ سکتی ہیں۔

(لڑکی تھوڑا سا مسکرائی اور ان کی طرف آئی)

عطرت (نرم لہجے میں): شکریہ، میں نئی ہوں یہاں۔ میرا نام عطرت ہے۔ میں ترکی سے آئی ہوں----

ہاتھ بڑھاتے ہوئے) میں صباء، اور یہ سارہ۔ بیٹھیں نا، خوش آمدید۔)

عطرت (بیٹھتے ہوئے): شکریہ! مجھے لگا تھا کہ نئے ملک میں شاید ایڈجسٹ کرنا مشکل ہوگا، لیکن آپ دونوں سے مل کر دل خوش ہو گیا۔

سارہ: ترکی تو بہت خوبصورت ملک ہے۔ تم کب تک یہاں رہو گی؟

عطرت: چند مہینے۔ یہاں ایک ریسرچ پروگرام کے لیے آئی ہوں۔ مسکراتے ہوئے) مگر اب لگتا ہے یہ چند مہینے بہت اچھے) گزریں گے۔

صباء (ہنستے ہوئے): بس اب تم ہماری ٹیم کا حصہ ہو! تین کی طاقت الگ ہی ہوتی ہے۔

سارہ: بلکل! اور ہماری پہلی شرط یہ ہے کہ ہر جمعرات چائے ہماری طرف سے!

عطرت (ہنستے ہوئے): اور ترکش قہوہ میری طرف سے!

(تینوں ہنسنے لگتی ہیں، اور ایک نئی دوستی کا آغاز ہوتا ہے، جس کی جڑیں اگلے کئی ماہ میں گہری ہو جاتی ہیں...)

گاڑی ایئرپورٹ کے سامنے آہستگی سے آ کر رکی۔

وہ باہر نکلی اور خاموشی سے سارہ کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔
جب تک سارہ کی پرچھائیں نگاہوں سے اوجھل نہ ہوئی، وہ وہیں کھڑی رہی۔
پھر آہستگی سے پلٹی، کار کا دروازہ کھولا اور یونیورسٹی کے لیے روانہ ہو گئی۔

سامنے ہی کاشان گارڈز کے ساتھ اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں پہنچا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔
خیام کو گلے لگا لیا،
"یار! کہاں چلے گئے تھے؟ میں پریشان ہو گیا۔"

"ہاں، میں ٹھیک ہوں۔ مسجد آیا تھا۔۔۔"

کاشان نے اس کے پیروں سے نکلتے خون کو دیکھا اور اشارہ کیا۔
گارڈ کار لے آیا، تو خیام کو اندر بیٹھا کر خود گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اسے گھر لے آیا۔

اسے صوفے پر بیٹھا کر، اس کے پاؤں پر پٹیاں کرتے ہوئے بولا:
"خیام بھائی... وہ... ایک بات بتانی ہے۔"
کاشان ڈرتے ڈرتے بول رہا تھا۔
ہاں، بولو۔" خیام سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔"

"وہ... اس بچوں والی بلڈنگ میں جس نے آگ لگائی تھی،
اس کا نام انجم ہے۔ یہ کرائے پر لوگوں کو مارتا ہے۔
"دو دن پہلے کسی نے اس کے اڈے پر جا کر اسے مار دیا۔۔۔
کس نے مارا ہے؟" خیام لیپ ٹاپ پر کام کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔"

نہیں بھائی، کوئی پتا نہیں چلا۔"
بس اس کے کمرے میں لگے کیمرے سے پتا چلا ہے کہ ایک عورت تھی،
چہرے پر ماسک پہنے آئی۔ پھر ان دونوں میں کافی دیر بات ہوئی۔
پھر وہ اسے مار کر چلی گئی۔۔۔
پولیس کو بھی پتا نہیں چلا کہ وہ کون تھی۔
ویسے بھائی، کتنی عجیب بات ہے،
ہمارے پاکستان کے ایک بڑے شہر میں،

ایک غنڈے کے اڈے پر ایک اکیلی عورت جا کر اسے مار دیتی ہے
"اور پھر بڑی چالاکی سے وہاں سے نکل بھی جاتی ہے---

"ہمم... ایسا کون ہو سکتا ہے؟ جلد پتا چل جائے گا---"

"اچھا بھائی، اس دانیال کا پتا چلا ہے؟"
آج کل وہ ترکی میں عیاشیاں کرنے گیا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں"
"کیا حکم ہے بھائی؟

،خیام نے لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھا
:ٹیبل سے کافی اٹھا کر پی، اور کہنے لگا
کل صبح ترکی کی ٹکٹ کروا دو، ہم کل وہیں جا کر ملتے ہیں"
"دانیال سے۔

لیکن بھائی، ابھی آپ کے پاؤں کے زخم گہرے ہیں اور بخار بھی"
تیز ہے۔
"آپ رہنے دیں، میں سب سنبھال لوں گا۔
کاشان کو اس کی طبیعت کی فکر ستا رہی تھی۔

نہیں، مجھے خود مارنا ہے دانیال کو۔"
"!اس نے سارہ کو بہت تکلیف دی ہے
کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔
پیچھے کاشان بس ایک آہ بھر کر رہ گیا---

تبھی خیام نے اسے کمرے میں بلایا۔
وہ جلدی سے اٹھ کر کمرے میں آیا،
جی بھائی، کیا بات ہے؟ آپ نے بلایا؟" کاشان نے پوچھا۔"

خیام سامنے بیڈ پر بیٹھا، سر بیڈ سے لگائے، نڈھال سا کہنے لگا:
اذلان کہاں ہے؟؟
کاشان: بھائی وہ ایک آپریشن کے لیے گیا ہوا ہے حورم کے"
ساتھ....
خیام:اچھا مجھے لگتا ہے حورم پسند کرتی ہے اذلان کو---!!!
کاشان:ہاں لگتا ہے لیکن اذلان تو اسے ایک دوست کی حیثیت سے
دیکھتا ہے---

خیام:ہاں بالکل!! کاشان مجھے بے چینی ہو رہی ہے۔
مجھے سورہ رحمن پڑھ کر سناؤ۔
مجھے سکون چاہیے۔"
کہتے ہوئے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا۔

کاشان اس کی بات سن کر خوشی خوشی اس کے پاس بیٹھ گیا---
اور سورہ رحمن کی تلاوت کرنے لگا---
کاشان کی آواز بہت خوبصورت تھی۔
جیسے جیسے وہ پڑھ رہا تھا، خیام کی روح تک لگی آگ پر ٹھنڈ
پڑنے لگی،
اور وہ نیند میں ڈوبتا چلا گیا۔

اسے سوتا دیکھ کر، کاشان بھی وہیں موجود صوفے پر سو گیا۔

سارہ جیسے ہی ترکی کے ایئرپورٹ پر اتری، تو ایک لمحے کے لیے بس رکی رہ گئی۔
چاروں طرف کا منظر کسی خواب کی مانند تھا۔

"واقعی ترکی جنت کا ایک ٹکڑا ہے،" وہ دل ہی دل میں بولی،
"اور ابھی تو بہت کچھ دیکھنا باقی ہے۔"

وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی ہوئی آگے بڑھی،
جہاں اس کی پرانی دوست عطرت — سفید رنگت، بھورے بال جو کندھوں تک آتے تھے،
اور وہی ہنستا ہوا چہرہ — کئی سالوں بعد اس کے استقبال کے لیے موجود تھی۔

سات سال بعد کا ملن... جذبات بے قابو ہو چلے تھے۔
عطرت نے سارہ کو دیکھتے ہی آنکھوں کی نمی چھپائے بغیر اسے گلے لگا لیا۔

"سارہ! کیسی ہو؟ باقی سب کیسے ہیں؟ میں نے تمہیں بہت یاد کیا!"
وہ بنا سانس لیے سوالات پر سوالات کرتی چلی گئی۔

سارہ ہلکے سے مسکرائی، اور خود کو سنبھالتے ہوئے عطرت کو خود سے الگ کیا۔
پھر اُسے نرمی سے گاڑی کی پِیسنجر سیٹ پر بٹھایا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

راستے میں عطرت اسے ترکی کے خوبصورت مقامات کے بارے میں بتاتی رہی۔
دو گھنٹوں کے سفر کے بعد وہ ایک خوبصورت، لکڑی کے بنے گھر کے سامنے آ کر رکی۔

گھر کے سامنے چھوٹا سا باغیچہ تھا، جہاں رنگ برنگے پھول بہار کا پیغام دے رہے تھے۔
دروازہ کھولتے ہی اندر کا سارا ماحول لکڑی کی مہک سے معطر محسوس ہوا۔
فرنیچر بھی مکمل لکڑی کا تھا۔

ان دنوں ترکی کی فضا میں ہلکی ہلکی خنکی گھلی ہوئی تھی۔
سارہ تھکن سے چور، آتے ہی صوفے پر ڈھیر ہو گئی۔

عطرت اندر آئی، ہاتھ میں گرم قہوہ اور ترکی کی مشہور مٹھائیاں لیے۔
سارہ نے صرف قہوہ پیا، اور پھر عطرت کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر کمرے میں چلی آئی۔

کمرہ سادہ، مگر بے حد پرکشش تھا۔

عطرت نے مسکراتے ہوئے کہا:
"آج سے یہ کمرہ تمہارا ہے۔ جب بھی ترکی آؤ، میرے پاس ضرور آنا۔ اب چلو، تھوڑا آرام کر لو، پھر خوب ساری باتیں کریں گے۔"

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔
سارہ نے بستر پر سر رکھا اور پلک جھپکتے ہی نیند کی وادی میں کھو گئی۔

"وہ خاموشی سے اس کی جانب کھنچی چلی آتی تھی... اور وہ ہر بار فرض کی دیوار کھڑی کر دیتا تھا۔۔۔"

دھوپ تیز تھی اور فضا میں ایک عجیب سا سکوت تھا۔ اچانک بارود کی بو کے ساتھ دھماکوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ ایک چھوٹے سے گاؤں پر دہشت گردوں نے حملہ کر دیا تھا۔ چیخ و پکار، گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور زخمیوں کی آہیں فضا کو چیر رہی تھیں۔

تبھی دور سے فوجی گاڑیوں کا قافلہ گرد اُڑاتا ہوا نزدیک آیا۔ ان میں سے ایک گاڑی رکی، اور دروازہ کھلتے ہی ایک بلند قامت، دبلی پتلی لیکن مضبوط بدن والی لڑکی تیزی سے باہر نکلی۔ خاکی وردی میں ملبوس، چہرہ گرد و غبار سے اٹا ہوا، مگر اس کی

آنکھوں میں ایک خاص چمک تھی—اعتماد کی، رحم کی، اور فرض کی۔

یہ کیپٹن ڈاکٹر حورم تھی۔

اس کے نقوش کمال کے حسین تھے—پتلے خمیدہ ہونٹ، گلابی رنگت، ستواں ناک، اور آنکھوں میں جیسے سمندر کی گہرائی چھپی ہو۔ پیشانی پر پسینے کی بوندیں جھلک رہی تھیں، مگر وہ کسی شہزادی کی طرح باوقار لگ رہی تھی۔ سادہ سی چوٹی میں بندھے بال اس کے سخت وجود میں نسوانیت کی جھلک دے رہے تھے۔

میڈیکل یونٹ، فوراً پوزیشن سنبھالو!" حورم نے آواز دی۔"

اس نے زخمیوں کو گھسیٹ کر محفوظ مقام پر منتقل کرنا شروع کیا، اپنی بندوق کندھے سے لٹکائے، اور دوسرے ہاتھ میں پٹیوں، سرنجوں اور دوائیوں سے بھرا بیگ تھامے وہ ایک ایک فرد کا زخم دیکھ رہی تھی، خون صاف کر رہی تھی، اور انہیں تسلی دے رہی تھی۔

گھبراؤ مت، کچھ نہیں ہوگا، میں ہوں نا یہاں!" وہ ایک بچے کو" اپنے زانو پر لٹا کر مرہم لگا رہی تھی۔

اچانک گولیوں کی بوچھاڑ قریب ہوئی، اس نے جھک کر زخمی کو ڈھالا، اور پھر پیچھے سے آتے ایک دہشت گرد کو اپنی ریوالور سے نشانہ بنایا۔ وہ نہ صرف مسیحا تھی، بلکہ مجاہدہ بھی۔

اس کی بہادری نے نہ صرف زخمیوں کو زندگی دی، بلکہ دشمن کے حوصلے بھی پست کیے۔

"وہ جو تمھاری ہر خاموشی پڑھ لے، اُسے مت آزماؤ... اسے تھام لو---"

رات کے آٹھ بجے سارہ کی آنکھ کھلی۔ فریش ہو کر نماز پڑھی اور نیچے آئی، جہاں عطرت کھانا بنا رہی تھی۔

"واہ میڈم! آج تو بڑی جلدی جاگ گئیں! خیام بھائی تو شاید روز بھوکے آفس جاتے ہوں گے!" عطرت نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"ایسی بات نہیں، گھر میں جلدی اٹھ جاتی ہوں، سفر کی تھکن ہے بس،" سارہ نے صفائی دی، تو عطرت نے مزید چھیڑنا شروع کر دیا۔

"ہاں، کیونکہ خیام بھائی ساتھ نہیں نا! اگر ہوتے تو آپ ابھی خدمت میں لگی ہوتیں۔ ویسے کبھی ان کے لیے کھانا بنایا؟"

"ہاں، بنایا ہے... اور انہیں پسند بھی آیا تھا،" سارہ کے منہ سے بےاختیار نکل گیا، تو عطرت ہنس پڑی۔ سارہ شرمندہ ہو کر بولی، "افف، کیا ضرورت تھی سب کچھ بتانے کی!"

"اچھا، آج کیا پکا رہی ہو؟ مجھے تو سخت بھوک لگی ہے، اور لگتا نہیں تم کچھ خاص پکا سکتی ہو!" سارہ نے شرارت کی۔

"تمھارے لیے شامی کباب اور چکن بریانی بنائی ہے۔ یقین کرو، کھا کر فین ہو جاؤ گی!" عطرت نے فخر سے کہا۔

سارہ نے پہلا چمچ منہ میں ڈالا اور حیرت سے بولی، "واہ! یقین نہیں آ رہا یہ تم نے بنایا ہے، تھینکس ڈیئر!"

سارہ کی تعریف پر باقاعدہ جھک کر شکریہ ادا کیا، جس پر سارہ ہنس پڑی۔

پھر سارہ نے عطرت کو پچھلے سات سالوں کی کہانی سنائی۔
عطرت نے گلے لگایا اور کہا،
"سارہ، خیام جیسا ہمسفر ملنا خوش نصیبی ہے۔ شکر کرو، شکوہ نہیں۔ تمھیں ایسا محافظ، دوست اور قدردان ملا ہے جس پر سجدہ شکر بنتا ہے۔ اور تم اسے چھوڑنے کی دھمکی دے آئیں؟"

"کبھی ہم دعاؤں سے کچھ پا تو لیتے ہیں، مگر جب وہ چیز اپنی اصلیت دکھاتی ہے تو تکلیف ہی ملتی ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ اللہ پر چھوڑ دو۔"

"محبتیں اور مان نصیب والوں کو ملتے ہیں۔ دل میں جگہ بنانے میں وقت لگتا ہے، مگر دل سے اترنے میں ایک لمحہ کافی ہے۔ اپنی زبان اور کردار کی حفاظت کرنے والے ہی خالق و مخلوق کے محبوب ہوتے ہیں۔"

عطرت کی باتیں سارہ کو اندر تک جھنجھوڑ گئیں۔
اسے احساس ہوا کہ خیام واقعی خاص ہے۔ اُس نے ہمیشہ عزت کی، خیال رکھا، کبھی زبردستی نہیں کی۔

"میں واقعی ناشکری کرتی رہی، اپنی انا میں خیام کو دکھ دیا۔ اب معافی مانگنی ہو گی،" سارہ نے شرمندگی سے سوچا۔

تب عطرت نے کندھے سے پکڑ کر کہا:
"کل صبح جا کر معافی مانگ لوں گی،" سارہ نے نظریں جھکا کر کہا۔

عطرت نے گلے لگا کر کہا، "تمہارا فیصلہ بہت اچھا ہے۔ چلو، تھوڑی دیر باہر چلتے ہیں، ترکی دکھاتی ہوں!"

سارہ نے حجاب اور شال لی، اور عطرت کے ساتھ ترکی کی سیر کو نکل گئی۔

دھماکوں کے تھمنے کے بعد بھی فضا میں گولہ بارود کی بو رچی ہوئی تھی۔ ایمبولینسیں اور میڈیکل جیپس ایک کے بعد ایک پہنچ رہی تھیں۔ زخمیوں کو پٹیوں سے باندھا جا چکا تھا، لیکن کچھ کی حالت نازک تھی۔

اسی دوران ایک مضبوط قامت، چوڑے شانے اور سلیقے سے پہنی ہوئی وردی میں ایک افسر میدان میں داخل ہوا۔ اس کی نظریں آس پاس کے حالات کو بھانپتے ہوئے تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔ چہرہ گندمی، آنکھوں میں گہرائی، اور انداز میں غیرمعمولی وقار تھا۔ یہ تھے کیپٹن ڈاکٹر اذلان۔

اس نے جونہی ایک زخمی سپاہی کو کراہتے دیکھا، فوراً جھک کر اس کی نبض چیک کی اور حورم کو آواز دی:

"کیپٹن حورم! ہمیں اس مریض کو فوری IV کی ضرورت ہے، بی پی خطرناک حد تک لو ہے!"

حورم نے پیچھے مڑ کر دیکھا، اور لمحہ بھر کو رکی۔

"کیپٹن اذلان؟ آپ یہاں؟"

اذلان ہلکا سا مسکرایا، لیکن چہرے پر سنجیدگی نمایاں رہی۔
"فرض کی پکار ہے، ہم کہاں رکنے والے!"

وہ دونوں ایک لمحے کو ایک دوسرے کی موجودگی سے تقویت پا چکے تھے، مگر یہ وقت جذبات کا نہیں تھا۔ انہوں نے بغیر وقت ضائع کیے کام شروع کر دیا۔

حورم نے اسے میڈیکل بیگ تھمایا اور بولی:
"یہ بچے کی سانسیں دھیمی ہو رہی ہیں، میں اسے سنبھالتی ہوں، آپ ادھر والے مریض پر توجہ دیں۔"

اذلان نے اثبات میں سر ہلایا:
"تم اب بھی ویسی ہی ہو، ذمہ داری میں سب سے آگے۔"

حورم نے نظریں جھکائے مسکرا کر کہا:
"ہم دونوں ایک ہی مشن پر ہیں، اذلان... زندگی بچانے کا۔"

جنگ کے شور میں، ان دو جانثاروں کا خاموش مکالمہ بھی گویا کسی عبادت سے کم نہ تھا۔ وہ ڈاکٹر تھے،سپاہی تھے ---

----

"محبت کی ایک نئی تعریف سیکھی — ترکی کی گلیوں میں، تیرے
خیالوں کے ساتھ!"

سارہ خیالات میں گم کھڑی تھی کہ عطرت نے اسے بازو سے پکڑ
کر گاڑی میں بٹھایا اور کہا، "چلو، کچھ مزیدار کھانے چکھاتے
ہیں۔"

ترکی کی سیر کے دوران،
ایک چیز جو آپ کو مسحور کرے گی، وہ یہاں کا روایتی کھانا ہے۔
استنبول شہر بہت سے ریستورانوں کا گھر ہے۔۔
جو ترکی کھانوں کی ایک وسیع رینج پیش کرتے ہیں۔

"استنبول ٹورسٹ پاس" آسانی سے حاصل کر کے
آپ ان مشہور ریستورانوں میں جا سکتے ہیں،
جہاں نہ صرف بہترین ذائقہ ملتا ہے،
بلکہ قدرتی اور تاریخی مناظر بھی سیر کا مزہ دوبالا کر دیتے ہیں۔

عطرت اسے یہ سب بتا رہی تھی،
اور سارہ کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی خواب میں ہے۔
ترکی اس کے خوابوں کا نام تھا، اور آج وہ خواب حقیقت بن چکا
تھا۔۔۔

پہلا اسٹاپ تھا چی کوفتے — شانلیورفا سے شروع ہونے والا یہ
مشہور فاسٹ فوڈ اب پورے ترکی میں مقبول ہے۔ اگرچہ اصل میں

یہ کچا گوشت ہوتا ہے، آج کل اسے بغیر گوشت، بلگور، ٹماٹر پیسٹ، پیاز، لہسن، اور مصالحوں سے تیار کیا جاتا ہے۔ عطرت نے مسکراتے ہوئے ایک ٹکڑا ہوا میں اچھالا اور کہا، "اگر چھت سے چپک جائے تو تیار ہے!" سارہ حیرت سے ہنس دی۔

اگلا اسٹیشن تھا کوکورچ بفٹ — بھیڑ کے آفل سے تیار کردہ مصالحے دار ساسیج جو آدھی روٹی میں پیش کی جاتی ہے۔ جب اسے لکڑی کی آگ پر پکایا جاتا ہے تو خوشبو ہی کافی ہوتی ہے۔ مرچ، زیرہ اور تائیم جیسے مصالحے اس کا ذائقہ دوبالا کر دیتے ہیں۔ سارہ نے پہلا نوالہ لیا اور بس خاموش ہوگئی، صرف ذائقے محسوس کرتی رہی۔

استنبول کے چند مقامات دیکھنے کے بعد جب وہ دونوں رات دو بجے گھر پہنچیں تو اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔ سارہ ہر رات خیام کو یاد کرتی —کیسا ہوگا،کیا کر رہا ہوگا، وہ اس کی زندگی کا ایک قیمتی احساس تھا

خیام صبح چار بجے تیار ہو کر صوفے پر بیٹھا کام کر رہا تھا کہ دلاور انکل کی کال آ گئی۔ خیام فوراً اٹھا اور کال اٹینڈ کرتے ہوئے بولا، "السلام علیکم انکل! کیسے ہیں آپ؟"

دلاور نے سلام دعا کے بعد پریشانی سے سارہ کے بارے میں پوچھا، "وہ کل صبح قطر کے لیے نکلی تھی، ابھی تک اس کا نمبر بند جا رہا ہے۔"

خیام کے چہرے پر پریشانی نمودار ہوئی لیکن خود کو سنبھالتے ہوئے بولا، "جی انکل، وہ پہنچ گئی ہے، سفر کی تھکان کی وجہ سے آرام کر رہی ہے۔"

دلاور نے سکون کا سانس لیا، "ٹھیک ہے بیٹا، جب اٹھ جائے تو ہماری بات کروانا۔"

اوکے انکل اللہ حافظ ---

کال ختم کر کے خیام صوفے پر بیٹھتے ہی پسینے میں بھیگ گیا۔ کاشان نے پریشان ہو کر پوچھا، "بھائی، سب خیریت ہے؟"

خیام گھبرا کر بولا، "انکل کہہ رہے ہیں سارہ قطر گئی، لیکن وہ یہاں نہیں پہنچی۔ کہیں کچھ...؟"
کاشان فوراً بولا، "نہیں، ایسا کچھ نہیں، میں لوکیشن ٹریس کرتا ہوں۔" وہ لیپ ٹاپ کھول کر فلائٹس کی تفصیل چیک کرنے لگا، لیکن سارہ کا نام کہیں نہیں تھا۔

تبھی خیام کو صباء کا خیال آیا۔ جلدی سے کال کی۔ صباء نے حیرت سے فون اٹھایا،
"ہیلو؟ کون؟"

"میں خیام، سارہ کہاں ہے؟ دلاور انکل پریشان ہیں!"

صباء فوراً بولی، "وہ ترکی گئی ہے اپنی دوست کے پاس، انکل کو نہیں بتایا، وہ ٹھیک ہے۔"
یہ کہہ کر کال کٹ گئی۔ صباء بھی گھبرا گئی کہ اب سب خیام کو پتا چل چکا ہے۔

خیام نے فوراً ترکی کی فلائٹس چیک کیں، سارہ کا نام دیکھ کر "الحمدللہ " کہا اور کاشان کے ساتھ ترکی روانہ ہو گیا۔

رات کو خواب میں اسے بچے نظر جو کہ ایک خوبصورت باغ میں بیٹھے تھے ہر طرف سبزہ تھا اور سب بچے بہت خوش تھے--
تبھی بچوں نے سارہ کو پکارا:
"سارہ آپی ہم یہاں بہت خوش ہیں--"آپ پریشان نا ہوا کریں---
سارہ فجر کے لیئے اٹھی، مصلے پر بیٹھتے ہی سارہ زاروقطار رونے لگی----

یا اللہ میرے بچوں کو وہاں بہت خوش رکھنا ---آمین پھر سورۂ رحمٰن کی تلاوت کی

نو بجے فریش ہو کر نیچے آئی تو عطرت ناشتہ لگا کر انتظار کر رہی تھی۔
"آؤ سارہ، ناشتہ کرو، پھر میں تمھیں ڈیسپینا ٹورن ہوٹل چھوڑ کر آفس جاؤں گی۔"

سارہ اسے الوداع کہہ کر ہوٹل میں داخل ہوئی۔
ڈیسپینا ٹورن، استنبول کا 1946 میں قائم ہونے والا تاریخی ہوٹل، مقامی اور غیر ملکیوں میں یکساں مقبول ہے۔
ہوٹل لوگوں سے بھرا تھا۔ سارہ نے بلیک پینٹ، وائٹ شرٹ، براؤن کوٹ اور حجاب اور بلیک ماسک پہن رکھا تھا—سنجیدہ مگر باوقار۔

اس نے دانیال کی لوکیشن چیک کی، جو قریب ہی تھا۔ کاؤنٹر سے پتا چلا وہ روم 35 میں ہے۔
لفٹ سے اوپر جا کر آہستہ سے دروازہ کھولا۔۔۔۔

کمرہ نیم تاریک تھا، صرف لیمپ کی مدھم روشنی دانیال کے بے خبر چہرے پر پڑ رہی تھی۔ وہ سکون سے نیند کی گہری وادی میں گم تھا، جیسے دنیا کے ہر گناہ سے آزاد ہو۔ مگر آج اُس کے گناہوں کا حساب تھا۔

سارہ آہستہ قدموں سے آگے بڑھی۔ براؤن کوٹ کے نیچے چھپی سائلنسر لگی گن اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی سانسیں بھاری ہو چکی تھیں، آنکھیں سرخ تھیں۔ وہ ایک لمحے کو رکی، دانیال کے چہرے کو دیکھا۔
اچانک بچوں کی ہنستی ہوئی آوازیں، مسکراتے چہرے، ان کی موج مستیاں، اور پھر... وہی جلی ہوئی لاشیں، خون میں لت پت ننھے بدن—سب کچھ آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگا۔

اس نے ہتھیار اٹھایا۔
پہلی گولی۔
دانیال کا بدن جھٹکا کھا گیا۔
ایک بچی کی ہنسی اُس کے کانوں میں گونجی۔ "آپی، جب میں بڑی ہو جاؤں گی تو ڈاکٹر بنوں گی!"
گولی کے ساتھ خواب بکھر گئے۔

دوسری گولی۔
ایک اور جھٹکا۔
ایک بچہ زور سے قہقہہ لگا رہا تھا، "میں سپر ہیرو بنوں گا، سب کو بچاؤں گا!"
اس کی ہنسی کا گلا گھونٹا جا چکا تھا۔

تیسری، چوتھی، پانچویں گولیاں۔
ہر وار پر سارہ کی روح کانپتی، لیکن ہاتھ نہیں رُکتے۔
"تم نے ان کے معصوم خواب مارے تھے... اب تمھیں ہر خواب کا حساب دینا ہوگا۔"

چھٹی سے نویں گولی۔
دانیال اب تڑپ رہا تھا، پر چیخ نہ سکا۔ سائلنسر نے آواز چھین لی، جیسے ان بچوں سے ان کی آوازیں چھین لی گئی تھیں۔

دسویں گولی۔
خاموشی۔ جیسے وقت رک گیا ہو۔

دانیال کا بدن ساکت ہو چکا تھا۔

سارہ نے پسٹل نیچے کی، چند لمحے کھڑی رہی۔
"ان سب کے لیے جو بول نہ سکے... یہ تمھارا انصاف تھا۔"

پھر وہ پلٹی، دروازہ کھولا اور باہر نکلی تو سامنے خیام اور کاشان کو آتے دیکھ کر چونکی۔
"خیام یہاں؟"
وہ فوراً پیچھے کی طرف بھاگی۔ خیام نے سارہ کو پہچان لیا، کاشان کو اندر جانے کا اشارہ دے کر خود سارہ کے پیچھے لپکا۔

سارہ بھاگتی رہی، گلیوں میں چھپتی، آخرکار اسے لگا کہ خیام چلا گیا۔
لیکن اگلے لمحے اس نے بازو سے پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا، چہرے سے ماسک ہٹا دیا۔

خیام اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ کان میں کاشان کی آواز آئی:
"دانیال مر چکا ہے۔"

"اوکے، ایورن ہوٹل پہنچو، میں آ رہا ہوں۔"
کال بند کر کے وہ سارہ کو دیکھتا رہا—یقین نہ آیا، یہ وہی سارہ ہے، جسے وہ نازک اور بے ضرر سمجھتا تھا۔
لیکن آج وہ اس کی آنکھوں میں ایک نئی آگ، ایک نئی سچائی دیکھ رہا تھا۔

سب لوگ جدھر وہ ہیں ادھر دیکھ رہے ہیں"
"ہم دیکھنے والوں کی نظر دیکھ رہے ہیں

سارہ کو اپنے چہرے پر اُس کی غضب ناک نگاہیں اور سانسوں کی گرماہٹ محسوس ہوئی تو وہ اس کے ہاتھ سے بازو چھڑا کر بھاگنا چاہتی تھی، لیکن خیام نے اس کی بازو پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے اُسے گاڑی میں بٹھایا اور ایورن ہوٹل پہنچ گیا۔

سارہ کو بازو سے پکڑ کر اندر لے جانے لگا۔ جب کمرے میں پہنچے تو سامنے کاشان کھڑا اُن کا انتظار کر رہا تھا۔ خیام نے اُسے باہر جانے کا اشارہ کیا اور سارہ کو بیڈ پر بٹھا کر خود اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ سارہ چہرہ نیچے کیے مسلسل رو رہی تھی۔ خیام نے نرمی سے اُس کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اوپر کیا تو دیکھا کہ اُس کی آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ ہو چکی تھیں۔

،خیام نے نرم لہجے میں اُس سے پوچھا
آپ یہاں کیوں آئیں؟ اور وہ بھی مجھے یا گھر والوں کو بتائے"
"بغیر؟

"وہ... مجھے دانیال سے بدلہ لینا تھا، اس لیے آئی۔ میں نے کسی کو نہیں بتایا کہ پریشان نہ ہو جائیں۔ میں خود ہینڈل کر سکتی تھی،" وہ سسکیوں میں بولی۔

"تو اس کا مطلب ہے، میری باتوں کی آپ کی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں؟" اب کے لہجے میں سپاٹ پن تھا۔

"نن... نہیں، میں نے ایسا نہیں کہا۔ میں آپ کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی،" سارہ نظریں جھکائے بولی۔

"اچھا! تو آپ مجھے مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتی تھیں؟ اور اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو میرے پاس کیا بچتا؟ ہاں، بولیں؟"
خیام کھڑا ہو کر چلّایا۔ اس کے لہجے میں سختی آ گئی تھی۔

"لیکن کچھ ہوا تو نہیں نا؟ سب ٹھیک ہو گیا ہے،" سارہ اپنی ضد پر قائم تھی۔

"اگر ہوٹل میں کوئی آپ کو دیکھ لیتا تو؟ اگر میں وقت پر نہ پہنچتا تو؟ آپ جانتی ہیں، دانیال کے والد سیاست میں ہیں، وہ اپنے بیٹے کے لیے کچھ بھی کر سکتے تھے!"
خیام کی آواز بلند ہوئی تو سارہ بھی ڈر کر کھڑی ہو گئی۔

"آپ کو سمجھ کیوں نہیں آتی؟ میری زندگی کا کل سرمایہ آپ ہیں! اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو خیام مر جاتا!"

خیام نے اُس کے دونوں بازو تھام کر روتے ہوئے کہا۔ سارہ کو اپنے بازوؤں پر آگ سی تپش محسوس ہوئی۔ خیام کا رونا اُسے اندر تک ہلا گیا تھا۔

سارہ نے کانپتے ہاتھوں سے خیام کے کندھے پر ہاتھ رکھا، "آئی ایم سوری... آئی ایم سوری..." وہ ہچکیوں میں روتے ہوئے بولی۔

اسی لمحے اُسے احساس ہوا کہ خیام بخار میں تپ رہا ہے، تبھی وہ زمین پر گر پڑا۔

سارہ نے فوراً اس کا سر اپنی گود میں رکھا، چہرے پر ہاتھ رکھ کر چیخ کر بولی،
"خیام، اُٹھ جائیں پلیز! اب کوئی غلطی نہیں کروں گی"

اسی لمحے کاشان بھاگتا ہوا روم میں آیا۔ خیام کو بےسدھ پڑا دیکھ کر فوراً سمجھ گیا کہ اُس کے پاؤں کے زخم بگڑ چکے ہیں۔ اُس نے جلدی سے خیام کے جوتے اتارے تو دیکھا، پاؤں خون سے بھیگے ہوئے تھے۔

سارہ نے کاشان کی طرف ناسمجھی سے دیکھا۔ کاشان نے فوراً ٹیبل کی دراز سے پٹیاں نکال کر زخموں پر لپیٹیں، پھر اُسے اُٹھا کر سارہ کو ساتھ لیے گاڑی میں آیا۔

سارہ نے خیام کا سر گود میں رکھا ہوا تھا اور مسلسل اُسے ہوش میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے رو رہی تھی۔

کاشان بھی پریشانی میں کبھی پیچھے خیام کو دیکھتا، کبھی آگے سڑک پر۔ اندھا دھند گاڑی چلاتے ہوئے اسپتال پہنچا، جہاں اسٹاف پہلے سے ہی اسٹریچر لیے موجود تھا۔

انہوں نے خیام کو جلدی سے اسٹریچر پر لٹایا اور اندر لے گئے۔ کاشان سارہ کو ساتھ لے کر روم کے باہر بیٹھ گیا۔ سارہ روتے روتے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

رات کا وقت، دونوں ڈیوٹی سے فارغ ہو کر اسپتال سے نکلے۔۔ اذلان اپنی کار میں حورم کو ڈراپ کر رنے آیا۔۔۔ گاڑی میں ہلکی ہلکی سانسوں کی آواز، سڑک سنسان ، باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔۔۔۔

اذلان (نرمی سے): "آج تم کافی تھک گئی ہو، تمہیں سیدھا گھر جانا چاہیے۔۔"

حورم (ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ): "ہاں، بس جسم تھکا ہے دل تو تمھارے ساتھ ہمیشہ تازہ رہتا ہے۔"

اذلان (ذرا چونک کر): "کیا کہا؟"

حورم (ہلکی آواز میں): "کچھ نہیں... بس یہ کہ تمہاری کمپنی اچھی لگتی ہے۔"

گاڑی تھوڑی دیر خاموشی سے چلتی ہے۔ حورم دل کی دھڑکنوں کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتی ہے----

حورم (دل جمع کر کے): "اذلان، میں کچھ کہنا چاہتی ہوں... اصل میں... میں تم سے محبت کرتی ہوں۔"

اذلان نے ایک لمحے کے لیے بریک پر ہلکا سا پیر رکھا جیسے وقت رک گیا ہو۔ وہ حورم کی طرف دیکھے بغیر بولا:

اذلان (آہستگی سے): "حورم... تم بہت اچھی دوست ہو... اور میں تمہیں ہمیشہ ایک دوست کے طور پر ہی دیکھتا ہوں۔"

[حورم کی آنکھیں نم ہو گئیں، مگر اس نے مسکرا کر خود کو سنبھالا۔]

حورم (دل ہی دل میں): "کاش تم جان سکتے اذلان کہ تمہاری آواز، تمہاری سنجیدگی، تمہاری خاموش مسکراہٹ... سب کچھ میرے دل کو چھو جاتا ہے۔ تمہارے چہرے کی شرافت، تمہاری آنکھوں کی سچائی... میں تو تمہاری خوبصورتی کے صدقے روز دل ہی دل میں اتارتی ہوں۔"

اذلان (نرمی سے): "میری زندگی میں بہت کچھ ہے جو ابھی مکمل نہیں... محبت کی جگہ نہیں۔ لیکن تم جیسی دوست میری خوش نصیبی ہو۔"

حورم (ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ): "دوستی بھی کم تو نہیں... شاید کسی دن تمھیں میری خاموشی میں میری دعا کی شدت محسوس ہو۔"

[گاڑی حورم کے گھر کے سامنے رُک گئی۔ وہ دروازہ کھول کر اتری، پیچھے مڑے بغیر بولی:]

حورم: "شکریہ اذلان، مجھے چھوڑنے کے لیے نہیں... میری زندگی کا حصہ بننے کے لیے، چاہے دوست ہی سہی۔"

"محبت کی وہ شام

آنکھوں میں آنسو، لبوں پر سکوت،
دل میں طوفان، سانسوں میں ہجوم۔

وہ لمحہ جہاں لفظ ہار گئے،
خامشی کی زبان بولی، پیار پکار گئے۔

گرمی تھی جذبات کی، بدن تھا لرزتا،
خیام کی آنکھوں میں اک عشق برستا۔

سارہ کی سسکیاں، معذرت کا بیان،
پر دل تھا زخمی، اور خواب تھے ویران۔

"اگر تم کو کچھ ہو جاتا؟"
اک جملہ، جو سینہ چیر گیا۔

نہ چیخ تھی، نہ واویلا،
بس اک دل کا ہار جانا تھا۔

پاؤں لہو لہو، عشق بے ہوش،
اور سارہ کی گود میں، ایک بےقرار جوش۔

"محبت صرف لفظ نہیں، وہ دعا بھی ہے،
کبھی آنکھوں سے بہتی، کبھی خامشی میں سنا کرتی ہے۔"

کاشان نے سارہ کو چپ کروایا، "بھابھی، پلیز روئیں نہیں، بھائی کو کچھ نہیں ہوگا۔ بس دعا کریں۔"

سارہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر رونے لگی، "یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے... یا اللہ پلیز، خیام کو ٹھیک کر دے۔"

کاشان نے اُسے کرسی پر بٹھا کر پانی پلایا، "بھابھی، اگر آپ روئیں گی تو خیام بھائی مجھے نہیں چھوڑیں گے۔"

تبھی ڈاکٹر آ گیا، "بخار اور بھوکا رہنے اور پاؤں کے زخم کی وجہ سے طبیعت خراب ہوئی تھی، اب حالت بہتر ہے، تھوڑی دیر میں روم میں شفٹ کر دیں گے۔"

سارہ نے سکھ کا سانس لیا اور بار بار شکر ادا کرنے لگی۔۔۔ پھر کاشان سے پوچھا، "بھائی۔۔۔ یہ خیام کے پاؤں پر اتنے گہرے زخم کیسے آئے؟"

کاشان نے نظریں جھکاتے ہوئے سب کچھ بتایا تو سارہ ندامت سے رونے لگی، دل چاہا کہ کہیں چھپ جائے۔ آخر وہ خیام کو اتنی تکلیف کیسے دے سکتی تھی؟

کاشان جانتا تھا سارہ کو اپنی غلطی کا احساس ہے، اس لیے اُسے رونے دیا، پھر سامنے بیٹھ کر بولا،
"شاید آپ خیام بھائی کے ماضی کو نہیں جانتیں، وہ دکھوں سے بھرا ہے۔ لیکن جب سے آپ آئے ہیں، وہ بدل گئے ہیں۔ پاگلوں کی طرح آپ سے محبت کرتے ہیں، خود کو بھول چکے ہیں۔ پچھلے کچھ دنوں سے کچھ نہیں کھایا، بس میں زبردستی کافی اور دوائی دیتا رہا۔ آپ ہی انہیں سنبھال سکتی ہیں، ورنہ دیر ہو جائے گی۔"

یہ کہہ کر وہ تھوڑا دور جا کر اپنے آنسو صاف کرنے لگا۔۔۔

سارہ کے ذہن میں طوفان تھا۔ جب تک خیام کو روم میں شفٹ کیا گیا، وہ نماز پڑھتی رہی۔ دعا میں ہاتھ اٹھائے تو آنسو بہنے لگے۔

"یا اللہ! میری نیت بری نہیں تھی، میں صرف بچوں کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ خیام کو تکلیف دینا مقصد نہیں تھا، لیکن سب برباد کر دیا۔ پلیز مجھے معاف کر دے، تُو میرا بیسٹ فرینڈ ہے، مجھ سے ناراض مت ہو۔ خیام کو صحت و لمبی زندگی عطا کر، اور اس کے غم میرے حصے میں لکھ دے۔ آمین۔"

یہ کہہ کر وہ آنسو صاف کرتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئی۔

صباء آج بھی حسبِ معمول یونیورسٹی کے معاملات سنبھال رہی تھی۔ کبھی فائلز، کبھی طلبہ کی شکایات، کبھی اسٹاف کے معاملات—جیسے سب کچھ اسی کے کندھوں پر تھا۔ وہ اپنے انداز میں سب کچھ پرسکون رکھے ہوئے تھی، مگر اندر ہی اندر تھکن بڑھتی جا رہی تھی۔

وہ اپنی فائلیں سنبھالے باہر نکلی تو یونیورسٹی کے قریب ایک درخت کے نیچے ایک چھوٹا سا بچہ نظر آیا۔ بوسیدہ کپڑوں میں

ملبوس، ننگے پاؤں، اور نظریں آسمان کی طرف... وہ جیسے کچھ سوچ رہا تھا۔

صباء نے آہستہ سے اس کے پاس جا کر پوچھا،
"بیٹا، یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ گھر نہیں جانا؟"

بچے نے معصومیت سے سر اٹھایا، آنکھوں میں عجیب سا سوال تھا،
"باچی، ہم یتیم ہیں؟ کیا اللہ ہمیں بھول جاتا ہے؟"

صباء کا دل جیسے لرز گیا۔ لمحے بھر کو الفاظ اس کے لبوں پر ٹھہر گئے۔ پھر وہ جھک کر بچے کے پاس بیٹھ گئی، اس کے گال پر نرمی سے ہاتھ رکھا اور کہا،
"نہیں پیارے، اللہ کبھی کسی کو نہیں بھولتا۔ جو بچے یتیم ہوتے ہیں، اللہ ان کو اپنے خاص بندوں کے ذریعے سنبھالتا ہے۔ تمہارا باپ دنیا میں نہیں، مگر تمہارا رب ہمیشہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہی تمھیں ماں، باپ، دوست، سب کچھ دے گا۔ تم خاص ہو، کیونکہ اللہ تمہیں خود اپنے قریب رکھتا ہے۔"

بچے کی آنکھوں میں ایک روشنی سی جاگی، جیسے اُسے اپنے سوال کا وہ جواب مل گیا ہو جس کی تلاش میں وہ تپتی دھوپ میں بیٹھا تھا۔

گھر آتے ہی صباء کے سر میں درد شروع ہو گیا۔ تھکن اور گرمی کی شدت سے جسم کانپنے لگا، مگر اُس کے دل میں عجیب سی گرمی، عجیب سی روشنی بھر چکی تھی۔

اُس نے فائلز رکھیں، پانی پیا، اور جیسے ہی اپنے کمرے میں پہنچی تو وضو کیا۔ نماز کا کپڑا اوڑھا، اور سجدے میں گر پڑی۔

"یا رب، میں کچھ نہیں... یہ سب تو تیرا کرم ہے۔ میں کیسے تیرا شکر ادا کروں؟ اس بچے کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھا، میں تو خود تیری محتاج ہوں... تُو مجھے اپنی رضا میں رکھ، میری تھکن بھی تیری امان ہے، اور میری زندگی بھی۔"

آنسو سجدے کی جگہ کو بھگو چکے تھے۔ صباء کا جسم کمزور ہو رہا تھا، مگر اُس کی روح پہلے سے زیادہ طاقتور لگ رہی تھی۔

خیام آنکھیں بند کیے لیٹا تھا، ہاتھوں میں برنولے لگے تھے۔ سارہ اس کے قریب بیڈ پر بیٹھی، اس کے چہرے پر صدیوں کی تھکن اور زردی دیکھ کر دل گرفتہ ہو گئی۔ اس نے چند آیات پڑھ کر پھونک ماری تو خیام نے آہستہ سے آنکھیں کھول دیں۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟" سارہ نے نرمی سے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" خیام نے دھیمی آواز میں جواب دیا، مگر نظریں سارہ پر جم گئیں۔ آنکھیں سوجھی ہوئی، ناک سرخ، چہرے پر

اداسی چھائی ہوئی۔ وہ کہیں سے پہلے والی سارہ نہیں لگ رہی تھی۔

"کیا آپ ٹھیک ہیں؟" خیام نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی، اور سوری... میں نے آپ کو بہت دکھ دیے۔ جب سے آپ کی زندگی میں آئی ہوں، صرف تکلیف ہی دی ہے۔" سارہ نے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"اٹس اوکے، مائی وائف... آپ کی ہر خطا معاف ہے۔" خیام نے اس کا ہاتھ تھاما تو سارہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"آپ مجھے کیوں معاف کر رہے ہیں؟ آپ کا حق ہے مجھے سزا دیں۔" وہ شکوے کرنے لگی۔

خیام اسے کیسے سمجھاتا کہ جب کوئی چہرہ دل میں اتر جائے، تو نظر بدل جاتی ہے، کائنات بدل جاتی ہے۔ محب کو محبوب کی کوئی خامی محسوس ہی نہیں ہوتی۔ اس کا ستم بھی کرم لگتا ہے، اس کی پسند ہی محب کی پسند بن جاتی ہے۔ اور محبت کرنے والے جدائی کے سوا کسی قیامت کو قیامت نہیں سمجھتے۔

"اب رونا بند کریں، ورنہ مجھے کچھ ہو گیا تو؟" خیام نے شوخی سے کہا، "آپ کی سزا یہ ہے کہ روز مجھے کھانا بنا کر کھلائیں گی۔"

سارہ کو یاد آیا، خیام نے کئی دنوں سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ وہ فوراً اٹھنے لگی، "اچھا، میں ابھی کھانا بنا کر لاتی ہوں۔"

خیام نے اسے روک لیا، "نہیں، مجھے گھر جانا ہے۔ یہاں دم گھٹ رہا ہے۔"

"ابھی نہیں، دو دن آرام کریں، پھر چلیں گے۔" سارہ نے نرمی سے کہا۔

"نہیں، ابھی جانا ہے۔" خیام نے ضد کی اور کاشان کو بلا لیا، "کاشان، چلیں گھر!"

وہ برنولے نکالنے لگا تو کاشان تیزی سے آیا، "بھائی! ابھی آرام کریں۔"

خیام اٹھنے لگا تو سارہ نے ہاتھ سے روکا، "ایک شرط پر، آپ اپنا خیال رکھیں گے، اور کاشان بھائی آپ کو ویل چیئر پر لے کر جائیں گے۔"

کیا؟ میں الحمدللہ چل سکتا ہوں، اپاہج نہیں ہوں!" خیام نے احتجاج" کیا، لیکن سارہ کے سامنے ہار ماننا پڑی۔

جب وہ ماسک لگائے ویل چیئر پر بیٹھا تو کاشان مسکرا کر بولا، "ہائے! کیا دن آ گئے، جو ڈون دشمنوں کی ٹانگیں توڑتا تھا، آج خود "بیٹھا ہے۔

اپنی بکواس بند کر! ورنہ تیرا وہ حال کروں گا کہ اُٹھ نہ سکے گا۔"" خیام نے غصے سے کہا۔

کاشان بھی کہاں رکنے والا تھا، "ضرور، پہلے خود تو ٹھیک ہو "جائیں۔

سارہ دونوں کی نوک جھونک سن کر ہنس پڑی۔ خیام اور کاشان کار کی فرنٹ سیٹ پر اور سارہ پیچھے بیٹھ گئی۔ رات نو بجے وہ ہوٹل واپس پہنچے۔ سارہ اور کاشان نے مل کر خیام کو سہارا دے کر کمرے میں پہنچایا

مکہ مکرمہ کی رات کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ ستارے جیسے آسمان پر ٹھہر گئے ہوں، اور ہوائیں بھی تلبیہ کی صداؤں سے لبریز ہو چکی ہوں۔ حرمِ کعبہ کے اردگرد روشنیوں کا ہالہ پھیلا ہوا تھا، مگر سب سے روشن مرکز، وہ سیاہ غلاف میں لپٹا مقدس کعبہ تھا،

جس کے گرد دنیا بھر سے آئے ہوئے زائرین لبیک اللہم لبیک کی صدا میں طواف کر رہے تھے۔

پشمینہ سیاہ عبایا میں ملبوس، آنکھوں میں آنسو لیے اپنے والد شہباز خان کے ساتھ مطاف کے کنارے کھڑی تھی۔ ان دونوں کی نظریں خانہ کعبہ پر جم چکی تھیں۔

"بابا جان، یہ وہی جگہ ہے نا جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدم رکھے تھے؟" پشمینہ کی آواز لرز رہی تھی۔

شہباز خان کی آنکھیں بھی بھیگی ہوئی تھیں۔ "ہاں بیٹی، یہ وہی زمین ہے جہاں ہر قدم پر رحمت برستی ہے، اور ہر آنکھ اللہ کے جمال کی متلاشی ہوتی ہے۔"

پشمینہ نے ہاتھ اٹھا لیے، لبوں سے سسکیوں کے درمیان دعائیں نکلنے لگیں۔ "یا اللہ! میرے دل کو ایسا بنا دے کہ کبھی تجھ سے غافل نہ ہو۔ میرے گناہوں کو معاف کر دے اور میرے بابا کو اپنے حفظ و امان میں رکھ۔"

شہباز خان نے بھی طواف شروع کیا۔ ان کے چہرے پر سکون، عاجزی اور روحانی طمانیت کی جھلک تھی۔ وہ دونوں خانہ کعبہ کے گرد چلتے گئے۔ قدم آہستہ مگر دل بےتاب، ہر چکر میں آنکھوں سے اشک رواں، لبوں پر ذکرِ الٰہی۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے، پشمینہ نے حضرت ہاجرہ کی عظیم قربانی کو یاد کیا۔ "بابا، کیا ماں ایسی ہی ہوتی ہے؟" اُس نے بےاختیار پوچھا۔

شہباز خان رک گئے، بیٹی کا ہاتھ تھاما، "ہاں پشمینہ، ماں تو وہ ہوتی ہے جو تپتی زمین پر بھی امید اور دعا کا دامن نہ چھوڑے۔"

پشمینہ کی آنکھوں سے پھر آنسو بہہ نکلے، دل کسی اور ہی دنیا میں پرواز کر چکا تھا—جہاں بس اللہ کا گھر، اور اس کا ذکر باقی تھا۔

بعد از عمرہ جب وہ دونوں زمزم پی رہے تھے، شہباز خان نے آہستہ کہا، "پشمینہ، یہاں آ کر احساس ہوتا ہے کہ ہم کتنے چھوٹے اور ناتواں ہیں، اور ہمارا رب کتنا بڑا، کتنا مہربان۔"

پشمینہ نے خاموشی سے سر ہلایا، دل میں ایک نئی روشنی، ایک نئی طاقت جاگ چکی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی خیام نے لمبی سانس لی، جیسے قید سے آزادی ملی ہو۔ دیوار پر لگی پرانی تصویر پر اس کی نظر ٹھہری—ایک وقت تھا جب اس تصویر میں خوشیاں بسی تھیں۔

سارہ نے خاموشی سے اس کی حالت دیکھی، دل میں شکر ادا کیا کہ وہ زندہ اور سلامت ہے۔

"بیٹھ جائیں یہاں، میں پانی لاتی ہوں۔" سارہ نے نرمی سے کہا۔

"تم بیٹھو، مجھے خود لینے دو۔" خیام نے کہا، مگر ابھی قدم ہی بڑھایا تھا کہ چکر آ گیا۔ سارہ فوراً آگے بڑھی اور اسے سہارا دیا۔

"اسی لیے کہا تھا، آرام کریں۔ ضد سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔" سارہ کی آواز میں فکر تھی۔

کاشان نے مسکرا کر کہا، "بھابھی ٹھیک کہہ رہی ہیں، بھائی اب آپ ہیرو نہیں مریض ہیں۔"

خیام نے گھور کر دیکھا، "بس کر، ورنہ پھر سے وارڈ میں پہنچا دوں گا۔"

سب کے لبوں پر ہنسی آ گئی، اور ماحول کچھ نرم ہوا۔

کاشان ضروری کام کا کہہ کر باہر چلا گیا ۔۔
سارہ نے جلدی سے سوپ تیار کیا، اور خیام کے سامنے رکھا۔
"یہ سزا یاد ہے نا؟ روز کھانا کھلانا پڑے گا۔"

خیام نے چمچ ہاتھ میں لیا، پھر سارہ کی طرف دیکھ کر بولا، ""تمہارے ہاتھ کا پہلا نوالہ، میرے لیے سب سے بڑی شفا ہے۔

سارہ نظریں جھکا کر مسکرائی۔ دل میں اک سکون سا اترنے لگا تھا۔ شاید درد کے بعد، اب سکون کا موسم آ گیا تھا

کھانے کے دوران وہ پوچھنے لگا، "اس غنڈے انجم کو بھی آپ نے ہی مارا تھا نا؟ جو دانیال سے پیسے لے کر بلڈنگ میں آگ لگانے "آیا تھا؟

"سارہ نے نظریں جھکا کر جواب دیا، "جی، میں نے ہی مارا تھا۔

خیام حیران ہوا، "آپ کو ڈر نہیں لگا؟ اور گن چلانا آپ کو کیسے آتا ہے؟" وہ اب تک یہ سب جان نہیں پایا تھا۔

سارہ نے دھیرے سے کہا، "جب میں پندرہ سال کی تھی، بابا جب آرمی سے ایک مہینے کی چھٹی پر آتے تو مجھے ٹریننگ دیتے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں اپنا خیال خود رکھ سکوں۔ انہی کی وجہ سے میں نے آرمی کی مکمل ٹریننگ حاصل کی... اور اسی کی بدولت "آج میں اپنا بدلہ لے سکی ہوں۔

خیام نے ہنستے ہوئے کہا، "واہ! مطلب میری بیوی آرمی میں ہے؟ اب تو مجھے بچ کے رہنا چاہیے، کہیں ہاتھ پاؤں نہ تڑوا بیٹھوں!"

سارہ بھی ہنس پڑی، "ایسی کوئی بات نہیں ہے!"

باتوں باتوں میں خیام نے ایک پلیٹ بریانی اور پانچ کباب صاف کیے۔ سارہ کو اچھا لگا کہ وہ تسلی سے کھا رہا ہے۔

پھر وہ کپڑے چینج کرنے چلی گئی۔ سیاہ شلوار قمیض پہن کر شیشے کے سامنے کھڑی ہوئی، حجاب اتارا، بالوں میں ناریل کا تیل لگایا اور انہیں کنگھی کرنے لگی۔

خیام سفید پینٹ اور سیاہ ٹی شرٹ پہنے، مسلسل اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

سارہ نے شیشے میں سے اسے دیکھا اور پوچھا، "کیا ہو گیا ہے؟ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

خیام نے نرمی سے جواب دیا، "ماشاءاللہ، ہمیشہ کی طرح بہت خوبصورت لگ رہی ہو، اسی لیے دیکھ رہا ہوں۔"

سارہ نے شرماتے ہوئے رخ موڑ لیا، "آپ نہ دیکھیں، میں کنفیوز ہو رہی ہوں!"

"میں تو دیکھتا رہوں گا،" خیام نے شرارتی انداز میں کہا۔ اسے ہمیشہ سارہ کو چھیڑنے میں مزہ آتا تھا۔

سارہ جلدی سے بیڈ کی دوسری طرف گئی اور کمفرٹر منہ تک اوڑھ کر سو گئی۔ خیام کو اس کی حرکتیں کبھی کبھی چھوٹے بچوں جیسی لگتی تھیں۔ پھر وہ بھی تھکن کی وجہ سے سو گیا۔

....

صبح کی روشنی ابھی پوری طرح پھیلی نہ تھی جب سارہ کی آنکھ کھلی۔ سامنے خیام نماز میں مصروف تھا۔ سارہ نے پہلی بار اسے اس طرح عبادت کرتے دیکھا۔ واقعی سچ کہتے ہیں، اگر کسی مرد کی اصل خوبصورتی دیکھنی ہو تو اسے سجدے میں دیکھو۔ سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس، اپنے رب کے حضور جھکا خیام، سارہ کو بے حد خوبصورت لگا۔

سارہ وضو کرکے باہر آئی تو خیام دعا مانگ رہا تھا۔ اس نے سارہ کو اپنے قریب بلایا، اس کا ہاتھ تھاما اور اپنی دعا میں شامل کرلیا۔

"یا اللہ! تیرا شکر ہے میرے مالک، ہر نعمت کے لیے۔ میں واقعی خوش نصیب ہوں کہ تُو نے مجھے اتنی باحیا اور نیک دل بیوی عطا کی۔ یا اللہ! سارہ جیسی پیاری بیوی کے لیے تیرا لاکھ لاکھ

شکر۔ اسے کبھی مجھ سے جدا نہ کرنا، یہ میری زندگی ہے۔ ہمیں ہمیشہ اپنے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما، آمین!"

سارہ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہہ نکلے۔ خیام نے اسے گلے لگا کر چپ کروایا۔

"اب آئندہ آپ نہیں روئیں گی، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ ہر چیز کے لیے، میری زندگی میں آنے کے لیے، میری فیملی کو اتنا پیار دینے کے لیے، اور مجھے اللہ سے جوڑنے کے لیے، بہت بہت شکریہ... روحِ من!"

بعد میں سارہ نے نماز ادا کی۔ اس کا دل جو کل تک شکووں سے بھرا تھا، آج مکمل شکر میں ڈھل گیا۔ وہ بے حد خوش تھی۔

ناشتہ جلدی جلدی ختم کیا۔ پھر خیام نے اسے بتایا،
"ابھی کچھ دیر میں ہم قطر جا رہے ہیں، آپ انکل، آنٹی سے بات کر لیں۔ وہ پریشان ہوں گے۔"

سارہ کافی دیر ان سے اور صبا سے بات کرتی رہی۔ وہ خیام کو روکنا چاہتی تھی کیونکہ اس کی طبیعت ابھی مکمل ٹھیک نہیں ہوئی تھی، لیکن وہ بھی ضدی تھا۔ بالآخر دونوں قطر کے لیے روانہ ہوگئے۔

جب وہ قطر پہنچے تو ایک ڈرائیور کار لیے منتظر تھا۔ راستے میں اونچی اونچی عمارتیں، سرسبز پودے اور کجھور کے درخت ہر طرف نظر آ رہے تھے۔ صفائی اتنی کہ جیسے کسی نے زمین پر قدم بھی نہ رکھا ہو۔

:خیام راستے میں سارہ کو قطر کے بارے میں بتانے لگا

"قطر کا دارالحکومت دوحہ ہے۔ یہ صرف جدید عمارتوں، عجائب گھروں، ساحلوں اور انسانوں کے بنائے جزیروں تک محدود نہیں، بلکہ یہاں کا حسن اس میں ہے کہ یہ ترقی کرتے ہوئے بھی اپنے ورثے سے جُڑا ہوا ہے۔ یہاں ایک طویل، خوبصورت ساحلی لکیر ہے، اور سارا سال دھوپ کی فراوانی۔ قطر ایک ایسی منزل ہے جہاں جدیدیت اور ثقافت ایک ساتھ چلتے ہیں۔"

دوحہ اور اس کے گرد و نواح کی سیر

دوحہ کے علاوہ قطر میں کئی چھوٹے شہر اور قصبے آباد ہیں۔ کچھ بندرگاہی شہر ہیں جبکہ دوسرے تیل اور گیس کی صنعت کے باعث اہمیت رکھتے ہیں۔ اس علاقے کی تاریخ، قدرتی inlets، جزائر، مینگروز، سنہری ریت، اور نیلے سبز پانی ایک دلکش منظر پیش کرتے ہیں۔

الخور، قطر کے شمال میں واقع ایک اہم شہر ہے، جو الخور و الٹھاکیرہ میونسپلٹی کا دارالحکومت بھی ہے۔ یہ قطر کی تیل و گیس کی صنعت کا ایک اہم مرکز ہے۔ 1972 میں قائم ہونے والا یہ شہر ابتدا میں موتی اور ماہی گیری پر انحصار کرتا تھا، مگر آج یہ دوحہ کے بعد قطر کا نمایاں ترین شہر بن چکا ہے۔

سارہ، حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات میں خیام کی باتیں سن رہی تھی۔ خیام نے اسے پورا دن دوحہ کی سیر کرائی، اور شام سات بجے سوق وقف کے ایک خوبصورت لکڑی کے ریستوران میں لے آیا۔ یہاں انہوں نے قطر کے دو روایتی پکوان آرڈر کیے: سلونا اور مدروبہ۔

سلونا قطر کا ایک روایتی کھانا ہے، جو مختلف گوشت (گائے، بکری یا مچھلی) کے ساتھ تیار کیا جاتا ہے۔ اس میں لہسن، ادرک، ٹماٹر، آلو، گاجر اور کبھی کبھار اوبرجین بھی شامل ہوتے ہیں۔ یہ عام طور پر شوربے والی شکل میں پیش کیا جاتا ہے اور خاندانی تقریبات میں بہت مقبول ہے۔ بہترین سلونا سوق وقف اور پرل قطر میں دستیاب ہے۔

مدروبہ ایک چاول کا گاڑھا دلیہ ہے، جو دودھ، مکھن، الائچی اور چکن کے ساتھ تیار ہوتا ہے۔ اسے آہستہ آہستہ پکایا جاتا ہے تاکہ وہ گاڑھا اور ذائقے دار ہو جائے۔ یہ قطر کی مخصوص ڈشوں میں شمار ہوتی ہے، اور خاص طور پر غیر ملکیوں میں مقبول ہے۔

پہلے پہل سارہ کو مدروبہ کی شکل عجیب لگی، لیکن جیسے ہی اس نے چکھا، سارا دن کی تھکاوٹ اُتر گئی۔ وہ شوق سے کھانے لگی۔

آخر میں، خیام نے اُسے قنات کوارٹر لے جایا — وینس سے متاثر یہ علاقہ بحیرہ روم کا ایک خوبصورت ٹکڑا لگتا ہے، جو دوحہ کے حسن میں اور اضافہ کرتا ہے۔

قنات کوارٹیر کی کینڈی رنگ عمارات اور محراب والے پلوں سے جڑی فیروزی نہریں گویا کسی خواب کی تعبیر تھیں۔ خیام نے سارہ کا ہاتھ تھاما، سیڑھیوں پر بیٹھا اور نرم سروں میں "جو تو میرا ہمدرد ہے..." کی دھن چھیڑ دی۔ سارہ دم بخود ہو کر اسے دیکھتی رہ گئی، اس کی انگلیوں سے نکلنے والی دھن نے آس پاس کے لوگوں کو بھی اپنے سحر میں لے لیا۔ جب دھن ختم ہوئی تو تالیوں کی گونج میں خیام کو داد ملی۔

پھر دونوں قنات کوارٹیر کے بوتیک، کیفے اور ساحلی راستوں پر گھومتے، ساحل پر جا بیٹھے۔ ریت میں انگلیوں سے نقش بناتے، کافی پیتے، وہ رات کو آنکھوں میں قید کرتے رہے۔ خلیج عرب کے نیلگوں پانی نے گویا ان کے دلوں میں سکون انڈیلا۔ سارہ خیام کے کندھے پر سر رکھے خاموش تھی، اور خیام ہر لمحے کے لیے اللہ کا شکر گزار۔

رات گئے ہوٹل واپس پہنچے تو اٹھارہ منزلہ نیلے شیشوں سے بنی عمارت نے سارہ کو مسحور کر دیا۔ کائنات کی اس حسین جھلک کو دیکھ کر سارہ نے محسوس کیا کہ یہ کائنات نہ صرف جمال کا آئینہ ہے بلکہ انسان کی باطنی کیفیات کی مظہر بھی۔ وہ تھکی ہوئی تھی، نماز پڑھ کر کپڑے بدلے بغیر ہی سو گئی۔ خیام نے نماز ادا کی، سورۃ رحمٰن کی تلاوت کی اور سارہ کے ماتھے پر بوسہ دے کر کمفرٹر اوڑھایا۔

اگلے دن کا آغاز قطر نیشنل لائبریری سے ہوا۔ خیام نے بتایا کہ یہاں ہر زبان میں دنیا کی کتابیں ترجمے کے ساتھ رکھی گئی ہیں اور یہ جگہ اس کی پسندیدہ پناہ گاہ ہے۔ پھر وہ الشقاب گئے، جہاں سارہ نے خوبصورت عربی گھوڑے دیکھے۔ خیام نے اس کے لیے ایک سفید گھوڑا منگوایا، سارہ کو بٹھایا اور پارک میں چکر لگوائے۔

پھر دوحہ کویسٹ، قطر کا پہلا تھیم پارک، ان کا اگلا پڑاؤ تھا۔ سارہ نے تھرل رائیڈز کی بجائے گھوڑے کی سواری کو ترجیح دی۔ دوپہر کو دونوں نے مقامی ڈش "کوسا مہشی" کھائی، جو گوشت یا چنے سے بھری سبزیوں کا روایتی عربی کھانا ہے۔ خیام نے وضاحت کی کہ یہ ہر ذائقے اور ہر ڈائٹ کے لیے موزوں ہے۔ کھانے کے بعد کافی پی کر وہ ویلاجیو مال شاپنگ کے لیے نکل پڑے ---

----

ویلاجیو مال میں داخل ہوتے ہی ایسا لگا جیسے اطالوی شہر وینس میں آ گئے ہوں۔ پانی کی نہر کے کنارے دکانیں، ریستوران، اور لوگوں کا ہجوم تھا۔ خیام نے شرارت سے کہا، "کہیں مجھے بھول نہ جانا"، تو سارہ ہنس دی۔

مال کو دوحہ کا سب سے خوبصورت اور پرتعیش مال مانا جاتا ہے۔ خیام سارہ کو بازو سے تھام کر ایک بوتیک پر لے آیا جہاں خوبصورت نیٹ اور نفیس کام والے فراکس سجے تھے۔ خیام نے اشارہ کر کے وہ سارے فراک پیک کروا دیے جنہیں سارہ نے چھوا تھا۔ پھر جیولری شاپ سے ایک گرین اور وائٹ ڈائمنڈ سیٹ، ایک نفیس سفید رنگ، اور پشمینہ کے لیے نیکلس خرید لیا کیونکہ وہ جانتا تھا سارہ کو سادگی پسند ہے۔

بعد ازاں وہ اس مال کی سکیٹنگ رنک، سنیما، کیفے، چار جہتی پارک گھومتے رہے۔ پھر کشتی کی Aspire تھیٹر اور مشہور سیر کی۔ شروع میں سارہ گھبرائی، مگر جلد ہی نیلا پانی اور تیرتی مچھلیاں اسے بھا گئیں۔

امام عبدالوہاب مسجد بھی دیکھنے گئے، جو اپنی سادگی اور شاندار تاریخ کے باعث دل موہ لیتی ہے۔ وہاں عشاء کی نماز پڑھ کر واپس ہوٹل آئے۔ سارہ نے سورہ ملک کی تلاوت کی اور سو گئی، خیام کام میں مصروف ہو گیا۔

اگلی صبح خیام نے ناشتہ تیار کیا۔ سارہ نے والدین اور صباء سے بات کی، نماز پڑھی اور پھر واصف علی واصف کی کتاب دل، دریا، سمندر پڑھنے لگی۔ ایک اقتباس پر ٹھٹھک گئی:

"محبت عقیدوں سے نہیں، انسانوں سے ہوتی ہے۔ اگر پیغمبرؐ سے محبت نہ ہو، تو خدا سے محبت ممکن نہیں۔"

یہ پڑھ کر خیام یاد آیا — وہ جو ہر وقت سارہ کی خوشی میں خوش اور دکھ میں اس کا محافظ بن جاتا۔ آج سارہ نے دل سے مانا کہ خیام جیسا ہمسفر نصیب ہونا واقعی خوش نصیبی ہے۔

شکر الحمدللہ! اے میرے رب، میں اس لائق نہ تھی، پر تو نے مجھے بہت عظیم نعمت سے نوازا۔

تبھی خیام کمرے میں آیا اور سارہ کا ہاتھ تھام کر مسکراتے ہوئے بولا،
"چلیں، آج آپ کو ایک بہت خاص جگہ لے کر جانا ہے۔"

سارہ بنا کچھ کہے خاموشی سے اس کے ساتھ چل دی۔ شام کے وقت دونوں ایک دلکش جگہ پر پہنچے جہاں سبزہ قالین کی مانند بچھا ہوا تھا، اور راستے کے دونوں جانب قطاروں میں کھلے گلاب اپنے رنگوں اور خوشبوؤں سے ماحول کو مہکا رہے تھے۔ سامنے

ایک خوبصورت لکڑی کا بنا ہوا گھر تھا جس کے دروازے پر "SK" کنندہ تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی سارہ کی نظر ٹیبل پر رکھی سفید رنگ کی خوبصورت میکسی، سفید ہیلز اور ایک نفیس تاج پر پڑی، جس میں باریک ہیرے جڑے تھے۔ حیرت سے سارہ نے خیام کی طرف دیکھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" سارہ نے ہلکی سی حیرانی میں پوچھا۔"

خیام مسکرایا، "یہ سب آپ کے لیے ہے۔ جلدی سے اوپر روم میں جائیں اور تیار ہو جائیں... ایک خاص سرپرائز ہے آپ کے لیے۔"

سارہ حیران مگر خوش تھی۔ خیام نے اس کے ہاتھ میں ڈریس تھمایا اور خود ایک طرف ہو کر اذلان کو کال کرنے لگا۔
ہاں اذلان کیا رپورٹ ملی ہے---؟
اذلان: خیام بھائی ،،آپ کو کل ہی انگلینڈ جانا پڑے گا۔سب ڈاکٹرز کی میٹنگ ہے---
"...اچھا ٹھیک ہے، میں کل وہاں جاتا ہوں"
یہ کہہ کر کال ختم کی ہی تھی کہ سارہ نیچے سیڑھیاں اترتی نظر آئی۔

خیام وہیں ٹھٹک گیا۔

ہلکا سا میک اپ، سُرخ لپ اسٹک، کھلے ہوئے سیاہ ریشمی بال، سر پر تاج، وہ کسی پریوں کی سرزمین سے اُتری شہزادی لگ رہی تھی۔ خیام نے اپنے دل کو سنبھالتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھایا۔ سارہ نے شرارت سے مسکرا کر ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

دونوں آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے گھر کے پچھلے حصے میں آئے، جہاں ہر طرف دیئے جل رہے تھے۔ ان دیوں کے درمیان سفید پردے لگے تھے جن پر رنگ برنگے پھولوں کی سجاوٹ تھی۔ بیچ میں ایک میز اور دو کرسیاں تھیں۔

یہ وہی خواب تھا جو سارہ نے کبھی دل میں بسایا تھا، آج حقیقت بن کر اس کے سامنے تھا۔
وہ اسی لمحے میں کھوئی کھڑی تھی کہ خیام نے چٹکی بجائی اور اُسے کرسی پر بٹھا کر سرخ گلابوں کا گلدستہ پیش کیا۔

"Thank you so much, my life..."
سارہ نے جذباتی لہجے میں کہا اور گلابوں کی مہک کو گہرائی سے محسوس کیا۔

خیام نے اس کے لیے خود ہاتھ سے چاکلیٹ کیک، پاستا، اور بریانی بنائی تھی۔ سارہ کو پہلا نوالہ لیتے ہی اندازہ ہوا کہ اگر وہ اچھی شیف ہے تو خیام تو ماسٹر شیف نکلا۔

کھانے کے بعد خیام نے اس کا ہاتھ تھاما اور دیوں اور پھولوں کے درمیان ایک رومانوی ڈانس کا آغاز کیا۔ ان کے اردگرد جگنو جگمگا رہے تھے، جیسے قدرت بھی ان لمحوں کو امر کر دینا چاہتی ہو۔

رات کے ایک بجے سارہ نے کپڑے بدلے، وضو کیا اور شکرانے کے نفل ادا کی۔ دل مطمئن اور آنکھیں شکر سے بھیگ چکی تھیں----

"سارہ نے جو پل آنکھوں میں سجا رکھے تھے، آج وہ پل حقیقت میں رنگ لے آئے تھے۔"

"محبت جب احترام، احساس اور حیرت میں لپٹی ہو، تو وہ خوابوں کی دنیا کی سب سے حسین حقیقت بن جاتی ہے۔"

"خیام کی خاموش نظروں میں وہ وعدے تھے جو لفظوں سے کہیں بڑھ کر تھے۔"

"یہ لمحے تصویروں میں قید نہیں ہوتے، یہ دل میں نقش ہو جایا کرتے ہیں۔"

بستر پر لیٹی ہی تھی کہ خیام کی آواز آئی:

"کل صبح کی فلائٹ ہے، آپ واپس جا رہی ہیں۔"

،سارہ نے پلٹ کر پوچھا
"آپ ساتھ نہیں چل رہے؟"

"نہیں، میں کچھ ضروری کام سے انگلینڈ جا رہا ہوں۔ پھر، ان شاء اللہ، سیدھا پاکستان واپس آ جاؤں گا۔"

"لیکن بابا وغیرہ تو آنے والے ہیں، آپ ان کا ویلکم نہیں کریں گے؟""
سارہ کو کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔

خیام جانتا تھا کہ اگر سچ بول دیا تو سارہ اسے جانے نہیں دے گی، اس لیے اُسے جھوٹ کا سہارا لینا پڑا۔

"نہیں، بابا کا استقبال آپ کریں گی۔ میں ایک اہم میٹنگ کے لیے جا رہا ہوں، اُنہیں پہلے ہی بتا دیا ہے۔"

صبح دونوں نے ناشتہ ایک ساتھ کیا۔ سارہ نے سامان پیک کیا اور کار میں بیٹھ گئی۔ خیام اُسے خود ایئرپورٹ چھوڑنے آیا۔
"اپنا بہت خیال رکھیے گا۔" سارہ نے کہا۔

خیام مسکرا کر بولا، "آپ بھی اپنا خیال رکھیں، اور فکر نہ کریں، میں جلد واپس آؤں گا۔"

لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ سارہ کو اکیلا چھوڑنا نہیں چاہتا تھا، اس لیے کاشان کو اس کے ساتھ بھیج دیا کہ شہباز کو ایئرپورٹ سے پک کرے، اور خود گارڈز کے ساتھ سلیمان صاحب سے ملنے روانہ ہو گیا۔

جب مسجد پہنچا تو صحن میں سلیمان صاحب بیٹھے تھے۔ خیام کو دیکھ کر مسکرا کر بولے،
"آؤ برخوردار، کیا حال ہے اب؟"

"الحمدللہ، اب بہت بہتر ہوں، پرسکون بھی۔ آپ کیسے ہیں؟"

"الحمدللہ، ہر سانس کے لیے شکر ہے۔"
پھر سلیمان نے خیام کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے پوچھا،
"بتاؤ، کیا چیز تمہیں پریشان کر رہی ہے؟"

خیام نے مسجد کے اندر فوارے سے بہتے پانی کو دیکھا اور کہا:
"مجھے ڈر لگتا ہے کہ جس راہ پر میں نکلا ہوں، کیا میں اس پر صداقت کے ساتھ، بے خوف چل سکوں گا؟"

سلیمان مسکرائے اور گہری بات کہی:
"ایک دوست نے دوسرے سے پوچھا: بھائی، تم نے پہلی بار جھوٹ کب بولا؟
اس نے کہا: جس دن میں نے اعلان کیا کہ اب ہمیشہ سچ بولوں گا۔"

پھر وہ رُکے اور نرمی سے بولے:
"سچ اور جھوٹ آج کل کی زندگی میں اس طرح گُھل مل گئے ہیں
کہ الگ کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ کاذب ماحول میں سچ بولنے والا ہر
شخص کربلا کا کردار ہوتا ہے۔
لیکن یاد رکھو، خوف سے بچنے کا سب سے آسان اور باعزت
راستہ اللہ کا خوف ہے۔
جب انسان خود کو اللہ کے حوالے کر دیتا ہے، تو دنیا کا ہر خوف
مٹ جاتا ہے۔
اللہ کے خاص بندے وہ ہوتے ہیں جن پر نہ کوئی خوف ہوتا ہے نہ
غم۔
ان کے اعمال نیت کی پاکیزگی سے روشن ہوتے ہیں۔
اور بے شک، اللہ دلوں کے حال جاننے والا ہے۔"

خیام نے نظریں جھکا کر کہا:
"بہت شکریہ، اب اجازت دیجیے۔ ایک ضروری کام سے روانہ ہونا
ہے۔"

سلیمان نے اُسے گلے لگایا اور دعا دی:
"راستہ مشکل ضرور ہے، لیکن نیت صاف ہو تو رب راستے آسان
کر دیتا ہے۔
اللہ تمہیں کامیاب کرے، ان شاء اللہ۔"

پھر خیام نے دوپہر دو بجے کی فلائٹ سے انگلینڈ کے لیے روانہ
ہو کر، ایک نئے اور فیصلہ کن سفر کا آغاز کیا۔

جب سارہ کاشان کے ساتھ اسلام آباد ایئرپورٹ پر پہنچی تو سامنے صباء ان کا انتظار کر رہی تھی۔ جیسے ہی اس کی نظر سارہ پر پڑی، وہ دوڑ کر آئی اور اسے زور سے گلے لگا لیا۔

"بہت یاد کیا ہے تمھیں! کیسی ہو؟ کہاں کہاں غائب رہی؟ فون بھی بند، بندہ سوچے زندہ بھی ہے یا نہیں؟"
صباء نے بنا بریک لگائے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

کاشان ایک لمحے کے لیے حیران رہ گیا اور اس شرارتی لڑکی کو گھورنے لگا۔ تبھی صباء نے کاشان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سارہ سے پوچھا:

"یہ کون ہے؟ کوئی بوڈی گارڈ ہے یا یہاں چندہ اکٹھا کر رہا ہے؟"

اپنے بارے میں ایسا "عزت افزا" تبصرہ سن کر کاشان کا دل چاہا کہ بس ایک گولی چلا دے، لیکن مروّتاً ضبط کر گیا۔ دل میں سوچا:
!کیا آفت کی پڑیا ہے، نان اسٹاپ بولے جا رہی ہے

سارہ بھی ہنس پڑی، "یہ خیام کے دوست ہیں، کاشان۔ اور یہ میری بیسٹ فرینڈ ہے صباء۔" دونوں کا تعارف کروایا۔

صباء کو اپنے الفاظ پر تھوڑی شرمندگی ہوئی، لیکن فوراً سنبھل گئی۔

پھر سارہ نے کہا، "سب سے پہلے میں بچوں کی قبروں پر جانا چاہتی ہوں۔"

جب وہ قبرستان پہنچی اور دو قطاروں میں بچوں کی قبریں دیکھیں تو گھٹنوں کے بل بیٹھ کر رونے لگی۔ اسے یاد تھا، جب وہ ان بچوں سے ملنے آتی تھی، تو سب بھاگتے ہوئے آ کر اس سے لپٹ جاتے تھے۔ آج وہ ملنے آئی ہے، تو کوئی نہیں آیا، کوئی آواز نہیں، کوئی مسکراہٹ نہیں، بس خاموشی...

ہر ایک قبر پر فاتحہ پڑھی، پھول رکھے، اور مٹی پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے بولی:

"میرے پیارے بچوں! میں بہت یاد کرتی ہوں آپ کو... معاف کر دینا، میں آپ کی حفاظت نہیں کر سکی۔ لیکن اب دل کو سکون ہے، میں نے آپ کے قاتلوں کو اُن کے انجام تک پہنچا دیا ہے۔ آپ کے بھائی بھی آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ اگر ممکن ہو، تو مجھے معاف کر دینا۔"

صباء اور کاشان سے سارہ کی حالت دیکھی نہ گئی، تو صباء زبردستی اسے اٹھا کر خیام کے گھر لے آئی۔

گھر صاف ستھرا تھا، نوکر اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ جیسے ہی سارہ کو دیکھا، سب نے ادب سے سلام کیا اور کھانے پینے کی اشیاء لے آئے۔

کاشان ایک صوفے پر بیٹھا، اور دوسرے پر سارہ اور صباء باتوں میں مصروف ہو گئیں۔ کچھ دیر بعد کاشان کسی کام سے باہر چلا گیا۔

اب صباء کو موقع مل گیا۔ اُس نے سارہ کی کلاس لینا شروع کی، پچھلے وقت کے بارے میں سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ وہ چاہتی تھی سارہ کا موڈ بہتر ہو جائے۔

سارہ نے اسے اپنی ساری شاپنگ دکھائی جو خیام نے کروائی تھی۔

"آہم آہم! واہ، کیا بات ہے بھائی کی! پسند بہت اعلیٰ ہے، ماشاءاللہ۔" صباء نے آنکھ مار کر چھیڑا۔

پھر سارہ نے ایک خوبصورت ڈائمنڈ بریسلٹ نکالا اور صباء کی کلائی میں پہنا دیا۔

"یہ تمھارے لیے لیا ہے۔ کیسا لگا؟"

صباء نے بریسلٹ کو دیکھا، اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ سارہ سے لپٹ گئی "Thank you سارہ! بہت پیارا ہے... لیکن تم سے پیارا کچھ بھی نہیں!"

سارہ ہنس پڑی۔ پھر دونوں نے مل کر گھر کے سامان کی ترتیب درست کی، مہمانوں کے لیے سامان کی فہرست بنائی اور نوکر کو بازار بھیج دیا۔ شام کے وقت صباء اپنے گھر واپس چلی گئی۔

سارہ جب اپنے کمرے میں آئی، تو ہر چیز اُداس لگی۔ ہر طرف خیام کے پرفیوم کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ اُس نے سامنے لگی خیام کی تصویر کو دیکھا، جو جیسے اسے ٹھاٹھ سے گھور رہا تھا۔

سارہ کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ پھر اُسے یاد آیا کہ خیام کی ڈائری اس کے پاس ہے۔

وہ کھڑکی کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی، اور ٹیبل پر رکھی ڈائری کھول کر پڑھنے لگی۔ کاشان کی بات ذہن میں گونجی: "بھابھی، خیام کے ماضی میں صرف دکھ ہی دکھ ہیں..."

سارہ نے دل تھام کر پڑھنا شروع کیا...

تاریخ: نامعلوم، درد کی گنتی میں دن نہیں ہوتے---

"میں نے تمھیں پہلی بار کشمیر کی ایک شادی میں دیکھا تھا---

وہ برف سے ڈھکی وادی، سرد ہوا، اور تم---
سفید دوپٹے میں لپٹی ہوئی، چہرے پر بےخبری کی معصومیت،
اور آنکھوں میں ایسا سکون، جیسے برسوں سے جسے ڈھونڈ رہا تھا وہ سکون میرے سامنے آ کھڑا ہوا ہو۔
لوگ خوشی میں گیت گا رہے تھے اور میرے اندر کوئی خاموشی چیخ رہی تھی۔
مجھے لگا جیسے دل پہلی بار واقعی دھڑکا ہے--- اور صرف تمہارے لیے۔

میں دنیا کی نظر میں شاید ولن ہوں، ظالم ہوں، خود غرض ہوں---
لیکن تمہارے سامنے ہمیشہ خود کو بےبس پایا،
تمہارے سچے، پاکیزہ وجود نے میرے اندر کے ہر جھوٹ کو شرمندہ کر دیا۔

پھر وہ دن آیا جب تمہیں تمہارے چچا کے بھیجے غنڈوں سے بچایا،
وہ سنسان جھونپڑی، وہ اندھیری رات،
اور تمہاری آنکھوں میں چھپی وہ چیخ جو لبوں تک نہیں آ رہی تھی---
میں نے تمہیں پہلی بار اس دن قریب سے جانا،
تمہاری ہچکیوں میں مجھے اپنے گناہوں کی معافی ملتی محسوس ہوئی۔

میں نے تم پر نظر رکھنا شروع کر دی،

نہ محبت میں شک تھا نہ نیت میں۔
لیکن قسمت مجھ پر ہنسی---
قطر جانا پڑا، ایک ایسا کام جس سے پیچھے ہٹنا ممکن نہ تھا۔

واپس آیا تو تم جا چکی تھیں---
یوں لگا جیسے پوری دنیا خالی ہو گئی ہو۔

میں نے تمھیں سات سال تک ڈھونڈا،
ہر گلی، ہر شہر، ہر دعا میں، ہر خواب میں---
تم نہیں ملی۔

لیکن میں اب بھی وہی ہوں،

شاید تمھارا منتظر بھی---"

ماضی

کشمیر کے خوبصورت ترین علاقے نیلم ویلی میں، بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان، دریاؤں کی سرگوشیوں اور ہواؤں کی نرمی میں، توراب خان اپنی بیوی اور تین بیٹوں کے ساتھ مقیم تھے۔ ان کے تینوں بیٹے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک، ان کے دل کا سکون اور ان کی محنت کا ثمر تھے۔

بڑے بیٹے شاہد نے پاک نیوی میں شمولیت اختیار کی اور وطن کی خدمت کے ساتھ ساتھ اپنے چچا کی بیٹی ذوبیہ سے نکاح کیا۔ ان کی جوڑی وفا، محبت اور اعتماد کی ایک خوبصورت تصویر تھی۔

درمیانے بیٹے شہباز کی بچپن میں اپنی پھپھو کی بیٹی سے منگنی ہو گئی تھی، لیکن وہ تعلیم مکمل ہونے تک شادی سے گریزاں تھا۔ توراب خان نے باپ ہونے کے ناتے زبردستی نہ کی—یہی تربیت اور اعتماد کا اعلیٰ نمونہ تھا۔

چھوٹے بیٹے زبیر نے ایم اے انگلش مکمل کر کے ایک کالج میں لیکچرر کی حیثیت سے ذمہ داریاں سنبھالیں، اور اپنی پسند کی لڑکی عنایا سے شادی کی، جو نرمی، محبت اور سلیقے کی مثال تھی۔

توراب خان کی تینوں بہوئیں نہایت باادب، مہذب، سلیقے مند اور گھریلو اقدار کو سنبھالنے والی تھیں۔ ان کے رویے میں دین کی روشنی اور ادب کی مٹھاس تھی۔

شاہد کی شادی کے بعد جب اس کی پوسٹنگ مردان میں ہوئی، تو توراب نے اسے بیوی کے ہمراہ وہاں منتقل ہونے کا مشورہ دیا۔ زبیر بھی لاہور منتقل ہو چکا تھا۔ شہباز نے جب اسلام آباد کی ایک معروف یونیورسٹی میں پرنسپل کی ذمہ داری سنبھالی، تو والد کے مشورے پر اس کی شادی ملالہ سے ہوئی، جو نہایت حسین، بااخلاق، سلیقہ شعار اور حافظۂ قرآن تھیں۔

شہباز اور ملالہ کا رشتہ محبت، عزت اور دین پر مبنی تھا۔ دونوں مل کر گھر سنبھالتے، ایک دوسرے کے لیے باعثِ سکون تھے۔ شادی کے دو سال بعد ان کے ہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی، اور انہوں نے اس کا نام خیام رکھا۔

خیام، ملالہ کی آنکھوں کا نور اور شہباز کے دل کی راحت تھا۔ جب ملالہ نماز پڑھتیں، تو ننھا خیام ان کے قریب بیٹھا رہتا۔ جب وہ قرآن کی تلاوت کرتی تو خیام کے لبوں پر مسکراہٹ آ جاتی جیسے وہ رب کی باتیں سن رہا ہو۔ جب خیام نے پہلی بار چلنا سیکھا، تو اس کے لبوں سے نکلا پہلا لفظ "اللہ" تھا۔

یہ وہ تربیت تھی جو محبت، ایمان اور دعا سے پروان چڑھی تھی۔

خیام جب اسکول جانے لگا، تو ماں باپ خود اسے چھوڑنے جاتے۔ اس کی ٹیچرز کا کہنا تھا:

"یہ بچہ ادب اور ذہانت کا حسین امتزاج ہے، نہ کبھی شور مچایا، نہ کبھی کسی سے بدتمیزی کی—اور ہمیشہ کلاس میں اول آتا ہے۔"

جب خیام چھ سال کا ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے گھر ایک خوبصورت بیٹی پشمینہ کی صورت میں اور نعمت عطا کی۔ دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کے بغیر ادھورے تھے۔ خیام اسے گود میں

لیے پھرتا، اس سے باتیں کرتا، اس کے بال سنوارتا، جیسے وہ صرف اسی کی دنیا ہو۔

مگر خوشیوں کے اس محل میں اچانک تقدیر نے درد کی آندھی چلا دی۔

پشمینہ کی پیدائش کے چھ ماہ بعد، ملالہ کی طبیعت اچانک بگڑ گئی۔ شہباز فوراً انھیں ہسپتال لے گیا، لیکن وہاں ڈاکٹر نے وہ الفاظ کہے جو کسی تلوار سے کم نہ تھے:

"I'm sorry Mr. Shahbaz... ملالہ کو بلڈ کینسر ہے، وہ بھی آخری مرحلے پر۔ ان کے پاس صرف ایک ہفتہ باقی ہے۔"

شہباز کے قدموں تلے زمین نکل گئی۔ وہ ہسپتال کی راہداری میں بیٹھ کر زاروقطار رونے لگا۔

"نہیں ملالہ... تم مجھے اور ہمارے بچوں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتیں... خیام تمہیں کیسے بھولے گا؟"

ملالہ نے آخری دنوں میں بھی ہونٹوں پر قرآن کی آیات رکھیں۔ اس نے خیام کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"میرے بچے... اللہ سے رشتہ کبھی مت توڑنا، وہی ہر اندھیرے کو اجالا بناتا ہے۔"

ایک دن ملالہ نے خیام کو پاس بٹھا کر کہا:
"میرے پیارے بیٹے! اب تم بڑے ہو گئے ہو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں، اپنے بابا اور بہن کا خیال رکھنا کیونکہ تم میرے بہادر بیٹے ہو۔ اپنا بھی خیال رکھنا، تمھاری ماما ہمیشہ تمھارے آس پاس رہے گی۔"

یہ کہتے ہوئے ان کے ہاتھ بے سدھ نیچے گر گئے۔ خیام چیخ چیخ کر رونے لگا۔

ملالہ کی وفات کو ہفتہ گزر چکا تھا۔ سب رشتہ دار آ چکے تھے، مگر پشمینہ کسی سے چپ نہیں ہوتی تھی۔ خیام کو جیسے صدمہ ہو گیا تھا۔ سارا دن اندھیرے میں بیٹھا رہتا، کھانا پینا بھول چکا تھا۔ اللہ سے دعا کرتا کہ ماما کو کچھ نہ ہو، لیکن جب دعا قبول نہ ہوئی، تو اس کے دل میں نا امیدی نے جگہ لے لی۔

تاہم جب وہ پشمینہ کو اپنی باہوں میں لیتا، تو اسے ایک نئی امید دکھائی دیتی تھی۔ وقت گزرتا گیا، زندگی معمول پر آنے لگی۔ پشمینہ دس سال کی ہو گئی تھی اور خیام سولہ کا۔ اسی دوران شہباز نے اُسے تعلیم کے لیے لندن کے ایک بورڈنگ اسکول بھیج دیا۔

لندن کے اس بورڈنگ اسکول میں کچھ غیر مذہب ٹیچرز نے مسلمان بچوں پر ظلم شروع کر دیا۔ انھیں بھوکا پیاسا رکھا جاتا، مارا جاتا، انکار پر اذیت دی جاتی۔ جو بچہ زرا سی بھی ضد کرتا، اُسے شدید مارا جاتا۔ خیام ان مظالم کو برداشت کرتا رہا۔ اس کے جسم پر ایسے نشان بن چکے تھے جو برسوں بعد بھی نمایاں تھے۔

کاشان، جو خیام سے دو سال چھوٹا تھا، وہ بھی اس اسکول میں تھا۔ اُس کے والدین بچپن میں کار ایکسیڈنٹ میں چل بسے تھے، وہ اپنے چچا کے پاس رہتا تھا۔ چچی کے کہنے پر اسے بھی بورڈنگ اسکول بھیج دیا گیا تھا۔

کاشان باتونی اور ہنس مکھ تھا، جب کہ خیام سنجیدہ اور کم گو۔ ایک رات ان کے کمرے کے دروازے پر کچھ لوگ آئے، انھیں بے ہوش کر کے لے گئے۔ جب ہوش آیا، تو وہ کئی بچوں کے ساتھ ایک ٹرک میں بند تھے۔

جب ایک آدمی دروازہ کھول کر بچوں کو باہر نکالنے لگا، تو خیام نے کاشان کو اشارہ دیا۔ وہ آدمی جیسے ہی پیچھے ہٹا، دونوں دوسرے راستے سے بھاگ گئے۔ ایک آدمی نے ان کو دیکھ لیا اور پیچھے دوڑا۔ وہ کسی انجان ملک میں بڑی بڑی عمارتوں کے درمیان دوڑ رہے تھے۔ دل ہی دل میں اللہ سے مدد مانگ رہے تھے۔

تبھی انھیں ایک ہوٹل کا دروازہ کھلا نظر آیا۔ دونوں بھاگ کر اندر داخل ہوئے اور کاؤنٹر کے نیچے چھپ گئے۔

وہاں ایک خوبصورت نوجوان اور ایک نورانی چہرے والا بزرگ موجود تھے۔ بزرگ نے نرمی سے پوچھا:
"بیٹا، کیوں ڈرے ہوئے ہو؟"

خیام نے کہا:
"انکل! ہمارے پیچھے کچھ غنڈے لگے ہوئے ہیں، ہمیں پکڑنا چاہتے ہیں۔"

اتنے میں تین آدمی اندر داخل ہوئے اور چیخ کر بولے:
"یہ بچے ہمارے حوالے کر دو، ورنہ جان سے جاؤ گے!"

بزرگ نے خیام کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا:
"کیا یہی لوگ ہیں؟"
خیام نے اثبات میں گردن ہلائی۔

اچانک فائرنگ ہوئی۔ تینوں آدمی موقع پر ہی مارے گئے۔ خیام نے زندگی میں پہلی بار کسی کو مرتے دیکھا تھا۔ کاشان آنکھیں بند کیے بیٹھا کانپ رہا تھا۔

بزرگ نے نرمی سے کہا:

"میرا نام محمد علی ہے، یہ ہوٹل میرا ہے۔ اب تم دونوں میرے ساتھ محفوظ ہو۔"

پھر وہ انھیں ایک بڑے، روشنیوں سے جگمگاتے کمرے میں لے گئے۔ صاف ستھرا بیڈ، صوفے، ٹیبل اور دیواروں پر کتابوں کی شیلفیں تھیں۔ انھیں کھانا دیا گیا، جو دونوں نے جلدی سے کھا لیا۔

محمد علی نے پوچھا:
"تم کہاں سے آئے ہو؟"

خیام نے پوری داستان سنائی۔ محمد علی خیام کی ذہانت، نیلی آنکھوں اور سنجیدگی کو دیکھ کر متاثر ہوا۔ اسے لگا یہ لڑکا کچھ بنے گا۔

پھر خیام نے اپنے والد کا نمبر دیا۔ محمد علی نے کال کی:

"السلام علیکم، میں محمد بات کر رہا ہوں قطر سے۔"

شہباز حیران ہوئے:
"جی، میں آپ کو نہیں جانتا۔"

"آپ کا بیٹا خیام میرے پاس ہے۔"

پھر پوری بات سن کر شہباز رونے لگے، شکر ادا کیا اور کہا:

"بیٹا! تم ٹھیک ہو؟ میں لینے آ رہا ہوں۔"

لیکن خیام نے کہا:
"بابا، میں یہیں رہنا چاہتا ہوں، آپ بس ہر مہینے پیسے بھجوا دیں
تاکہ میں پڑھائی مکمل کر سکوں۔"

شہباز کی منت سماجت کے باوجود خیام نے انکار کر دیا۔

عزم اور ترقی
اگلے دس سالوں میں خیام اور کاشان نے میڈیکل کی تعلیم مکمل کی اور بہترین سرجن بن گئے۔ محمد علی نے انھیں تربیت دی، کھانا پکانا سکھایا، ہتھیار چلانے اور خود کا دفاع کرنا سکھایا۔ انھیں سکھایا کہ جہاں ظلم ہو، وہاں اسے روکنے جانا ہے، خواہ وہ بچے ہوں، عورتیں یا بزرگ۔

پھر ایک دن محمد علی کا انتقال ہو گیا، لیکن مرنے سے پہلے وہ ہوٹل خیام کے نام کر گئے۔

ان دس سالوں میں خیام دو بار پاکستان آیا۔ پشمینہ بڑی ہو چکی تھی، بالکل اپنی ماں کی طرح۔ خوبصورت، ذہین اور سلیقہ مند۔

ایک شادی میں کشمیر جانے کا موقع ملا، جہاں خیام نے سارہ کو پہلی بار دیکھا۔ سرخ کرتی، سیاہ دوپٹہ، ہلکا سا میک اپ، اور

چہرے پر چمک۔ وہ اپنی سہیلیوں سے باتوں میں مصروف تھی۔
خیام بس اسے دیکھتا رہ گیا۔

جب شہباز نے خیام کے بازو کو تھاما تو اس کے خیالوں کا تسلسل ٹوٹ گیا۔
پھر اُس نے مسکرا کر ایک نظر سارہ کو دیکھا اور وہاں سے چلا گیا۔

جب خیام گھر آیا تو ساری رات سارہ کا چہرہ اس کے ذہن میں گھومتا رہا۔
اگلے ہی دن اُس نے اکبر سے سارہ کے گھر کے بارے میں پتہ لگانے کو کہا،
اور پھر اکبر دن رات اس پر نظر رکھنے لگا —
وہ کب، کہاں آتی جاتی ہے، کیا کرتی ہے —
ہر پل کی خبر خیام تک پہنچنے لگی۔

پھر ایک رات اچانک، سارہ کی چچی اور چچا اُسے زبردستی گاڑی میں بٹھا کر کہیں لے گئے۔
اکبر نے فوراً ان کا پیچھا کیا اور ساتھ ہی خیام کو اطلاع دی۔
سارہ کی آنکھ کھلی تو خود کو ایک جھونپڑی میں پایا۔ جیسے ہی نظر اُٹھی، سامنے اُس کے چچا اور چچی، گل بانو، کھڑے تھے، چہروں پر عجیب سی سفاک مسکراہٹ تھی۔ دل میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔

چچا! آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟" سارہ نے کانپتی ہوئی آواز" میں پوچھا۔

"!چچا نے سخت لہجے میں کہا، "آج تیرا قصہ ختم کرنے آئے ہیں

گل بانو کی آواز سن کر سارہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

لیکن میں نے آپ لوگوں کا کیا بگاڑا ہے؟" سارہ نے روتے ہوئے" کہا۔

چچا نے گرج کر کہا، "پہلے تیرے ماں باپ کی وجہ سے سب کے سامنے ہمیں برا بنایا، اور اب تُو نے میرے بیٹے سے شادی سے انکار کر کے ہمارے وقار پر دھبہ لگایا۔ تیرے دادا نے بھی ساری "!جائیداد تیرے نام کر دی

یہ سب دادا کی مرضی تھی۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔" سارہ نے بہ" مشکل کہا۔

گل بانو نے زور دار تھپڑ مارا۔ "بدتمیز لڑکی! آج تیرے غرور کو مٹی میں ملا دیں گے۔ تیرے ماں باپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل "!نہیں رہیں گے

سارہ کی سانس حلق میں اٹک گئی۔ "نہیں! نہیں۔۔۔ آپ ایسا مت کریں! خدا کے لیے مجھے چھوڑ دیں! آپ کو جو چاہیے میں دے دوں گی!"

چچا نے سرد لہجے میں کہا، "جائیداد تو ویسے بھی ہماری ہو جائے گی، مگر تُو اب زندہ نہیں بچے گی۔"

چچا نے دروازہ کھولا اور کچھ اجنبی مرد اندر داخل ہوئے۔ اُن کی شکلیں ڈاکوؤں جیسی تھیں۔

گل بانو نے کہا، "ہمارے جانے کے بعد یہ لڑکی تمھاری مرضی ہے، جو چاہو کرو۔" یہ کہہ کر وہ باہر چلی گئی۔

سارہ چیخی، روئی، گِڑگڑائی، "ایسا نہ کریں! اللہ کا واسطہ ہے، مجھے چھوڑ دیں!"

اُسی لمحے اُس کی زبان سے نکلا، "یا اللہ! میری عزت کی حفاظت فرما! مجھے یہاں سے نکال، میں تیری پناہ مانگتی ہوں!"
تب تک خیام بھی وہاں پہنچ چکا تھا

"اللہ پر یقین کامل ہو تو معجزے ہوتے ہیں۔"

ایک آدمی نے جیسے ہی سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا، اُس کی ہاتھ کی پشت میں ایک چاقو پیوست ہوا۔ چیخ کی آواز گونجی۔ سارہ نے چونک کر دیکھا — چاقو پر "KK" کندہ تھا۔

دوسرا آدمی ابھی گن نکال ہی رہا تھا کہ ایک نقاب پوش شخص نے اُسے سیدھے ماتھے پر گولی مار دی۔ چند لمحوں میں دونوں ظالم زمین پر ڈھیر ہو گئے۔

سارہ نے کانپتی نگاہوں سے اُس شخص کو دیکھا — نیلی آنکھیں، ماتھے پر بکھرے بال، چہرے پر سیاہ ماسک۔

"ک...کون ہو تم؟" سارہ نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کا محافظ!" اُس نے مختصر جواب دیا، اور سارہ کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا اور خود اس سے فاصلے پر آگے بڑھتے ہوئے کار کا دروازہ کھولا...
سارہ جب اندر بیٹھی تو اسے پانی بوتل دی جو سارہ نے ایک ہی سانس میں ختم کی۔ کار سیدھا سارہ کے گھر کے سامنے رکی۔تو سارہ حیران ہوئی کہ اسے میرے گھر کے بارے میں کیسے پتا ہے..؟؟

"آج کے بعد کوئی آپ کو تنگ نہیں کرے گا۔ اور بہتر ہے کہ یہ واقعہ اپنے گھر والوں کو نہ بتائیں،" وہ شخص بولا۔

سارہ کو اُس چہرے میں کچھ جانا پہچانا سا محسوس ہوا۔ مگر وہ کہاں ملی تھی یہ آنکھیں؟ وہ چہرہ؟

"میری جان اور عزت بچانے کا شکریہ،" سارہ نے کہا اور گھر کے اندر چلی گئی---

----

آپ کا منظر بہت دلکش، جذباتی اور فطری انداز میں لکھا گیا ہے، مگر روانی، املا اور جملوں کی ترتیب بہتر بنانے کے لیے میں نے نیچے پروف ریڈنگ کی ہوئی شکل پیش کی ہے:

جب سارہ گھر کے اندر گئی، تو خیام قطر کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔
"صبح اکبر نے اُسے بتایا، "وہ لوگ کہیں چلے گئے ہیں۔
"خیام کا دماغ بھک سے اُڑ گیا، "کیا مطلب؟ کہاں چلے گئے ہیں؟

"خیام صاحب، ان کے دادا سے پتا چلا ہے کہ وہ کسی اور شہر شفٹ ہو گئے ہیں۔"

خیام کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔
وہ اپنے کمرے میں موجود ہر چیز توڑنے لگا،

پھر اکبر کو سارہ کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے کا کہا۔

ایک ہفتے بعد جب خیام پاکستان واپس آیا،
تو فوراً سارہ کے دادا سے ملنے گیا۔
وہاں جا کر اُسے معلوم ہوا کہ ان کا قتل ہو چکا ہے۔

سات سال بعد خیام نے اُسے یونیورسٹی میں دیکھا تھا۔
جب سارہ نے وہ ڈائری پڑھی اور بند کی،
تو زار و قطار رونے لگی۔
واقعی وہ شخص اس کے لیے کیا کچھ نہیں تھا!
وہ اُسے کتنی مصیبتوں سے نکالنے کا باعث بنا تھا
اور وہ... وہ تو ہمیشہ اُسے تکلیف دیتی رہی۔

اسے وہ دن یاد آیا جب وہ گھر کی صفائی کر رہی تھی۔
وہ لاؤنج کو پانی سے دھو رہی تھی کہ خیام دفتر سے واپس آیا۔
موبائل چلاتا ہوا اندر داخل ہوا ہی تھا کہ
پانی میں پھسل کر دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔

سارہ اُسے دیکھ کر ہنسنے لگی۔
جب خیام نے اُٹھنے کی کوشش کی، تو ہاتھ پھسلے اور دوبارہ گر گیا۔
سارہ ہنسی کنٹرول کرتے ہوئے اس کے پاس آئی
اور نوکرانی کو کہا کہ فوراً پانی خشک کرے،
پھر خود خیام کو اُٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

سارہ کو ہنستا دیکھ کر خیام کا پارہ چڑھ گیا۔
اُسے لگا یہ سب جان بوجھ کر کیا گیا ہے۔
اُس نے سارہ کا ہاتھ پکڑ کر خود کو اُٹھایا
اور اُسے بھی نیچے گرا کر ہنسنے لگا
پھر کمرے میں چلا گیا۔

سارہ منہ پھلا کر اُسے گھورتی رہی
پھر نوکرانی کی مدد سے اُٹھ کر کمرے میں آئی
جہاں خیام فریش ہو کر کپڑے بدل چکا تھا۔
سارہ جلدی سے فریش ہونے چلی گئی
پھر اُسے اگنور کرتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔

شام کو جب وہ کمرے میں آئی،
تو دیکھا ٹیبل پر بہت سی چاکلیٹس، گلاب کے پھول
اور ایک پرچی تھی جس پر "سوری" لکھا تھا۔
خیام باہر جا چکا تھا۔

سارہ ہنستے ہوئے بیڈ پر بیٹھی
اور چاکلیٹ کھانے لگی۔
ان حسین لمحوں کو یاد کرتے ہوئے وہ مسکرا رہی تھی۔
پھر اُس نے خیام کا نمبر ملایا،
لیکن نمبر پاور آف تھا۔

کھانا کھا کر اس نے نماز پڑھی
اور دل کو سکون محسوس ہوا۔
واقعی اللہ سے رابطہ ایک خاص سکون عطا کرتا ہے۔

"تعلق ایک ہی درخت سے جُڑے تمام پتوں کا شجر سے یکساں نہیں ہوتا۔
ذرا سی تیز ہوا زرد پتوں کو جدا کر دیتی ہے
جبکہ آندھیوں میں بھی سبز پتے جُڑے رہتے ہیں۔
لہٰذا اپنے تعلق کو ہرا بھرا رکھیں،
ورنہ ٹوٹ جائیں گے، بکھر جائیں گے۔"

اگر آپ خدا سے ہرا بھرا تعلق بنانے میں کامیاب ہو جائیں،
تو کوئی بھی طوفان آپ کو نہ توڑ سکتا ہے، نہ بکھیر سکتا ہے۔

یہ سوچتے ہی اُسے اندر تک سکون ملا،
اور پھر وہ نیند کی وادیوں میں گم ہو گئی۔

کاشان، صباء وغیرہ ایئرپورٹ پر پشمینہ اور شہباز کو لینے پہنچے۔
پیچھے سارہ مہمانوں کے لیے کھانے پینے کا انتظام کر رہی تھی۔
خیام دو دن بعد آنے والا تھا۔

جب شہباز اور پشمینہ پہنچے،
تو کاشان اور صباء نے پھولوں سے اُن کا استقبال کیا۔
پشمینہ کو دیکھ کر کاشان نظریں ہٹانا بھول گیا۔

"وہ جو لوٹ آیا دل کی دہلیز پر"
اچانک ماضی کی ایک پرانی، گرد آلود تصویر اس کی نظروں کے سامنے آ گئی۔

بچپن کی ایک شام...
جب وہ خیام کے ساتھ پہلی بار اس کے گھر آیا تھا۔
تبھی ایک چھوٹی سی بچی، دو چوٹیاں کیے، آنکھوں میں شرم اور تجسس لیے کمرے کے پردے کے پیچھے سے جھانک رہی تھی۔
خیام نے ہنستے ہوئے کہا تھا،
"یہ میری چھوٹی بہن ہے، پشمینہ... بالکل چپ رہتی ہے۔"

کاشان نے ہنستے ہوئے کہا تھا،
"چپ رہنے والے اکثر دل میں گھر بنا لیتے ہیں۔"

اس وقت تو بچپنا تھا، مگر آج... آج وہی "چپ رہنے والی" کا عکس دل کے در و دیوار پر دستک دے رہا تھا۔

پشمینہ جیسے ہی قریب آئی، کاشان نے نظریں جھکانے کی کوشش کی، لیکن وہ نظر جو برسوں پہلے ایک جھجکتے چہرے پر رکی تھی، اب مکمل تصویر بن چکی تھی۔

دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو چکی تھیں۔

کاش..." دل نے سرگوشی کی،"
کاش اسے سب کچھ بتا پاتا کہ وہ پہلی نظر، ابھی تک دل میں زندہ"
ہے۔"

کبھی کبھی ہم جسے کھو دیتے ہیں، وہی سب سے قریب ہوتا ہے..."
بس وقت کو گواہی دینا پڑتی ہے۔"

صباء پشمینہ سے ملتی ہوئی کار میں پیچھے بیٹھ گئی
جبکہ شہباز اور کاشان آگے بیٹھ گئے۔
جب گھر پہنچے،
گھر کا ماحول بہت خوشگوار تھا۔ شہباز اور پشمینہ کے عمرے
سے واپسی پر سب چہرے خوشی سے چمک رہے تھے۔
سارہ نے سب کو خوش آمدید کہا، ان کے گلے میں ہار ڈالے۔
پشمینہ جب آگے بڑھی تو کاشان ایک لمحے کو سانس لینا بھول گیا۔

پشمینہ دھیرے سے بولی،
السلام علیکم،"

کاشان جیسے کسی اور ہی دنیا میں تھا۔ اس نے جواب دیا،
وَعلَیکُم السَّلام... آپ... بہت بدل گئی ہیں۔"

پشمینہ ہلکی سی مسکرائی،

"وقت سب کو بدل دیتا ہے۔"

کاشان کچھ اور کہنا چاہتا تھا، مگر الفاظ جیسے گلے میں اٹک گئے۔
پشمینہ آگے بڑھ گئی، سارہ کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئی، جبکہ کاشان کی نظریں بار بار اس کی طرف کھنچتی رہیں۔

کمرے کے ایک کونے میں بیٹھ کر وہ چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا۔
پشمینہ کی آواز، ہنسی، اور بات کرنے کا انداز... جیسے وہ بچپن کی معصومیت سے نکل کر اب عورت بن چکی تھی۔
لیکن دل کے کسی کونے میں وہی بچی اب بھی مسکرا رہی تھی، جو پردے کے پیچھے سے جھانکتی تھی۔

دل کہتا تھا:
"پشمینہ! تم صرف خیام کی بہن نہیں ہو...
تم روحِ من ہو---
تم میری پہلی اور آخری خاموشی ہو... جسے کبھی الفاظ نہیں ملے۔"

وہ جانتا تھا کہ ابھی کچھ کہنا ممکن نہیں،
پشمینہ شاید ابھی تک ان جذبات سے بےخبر تھی،
مگر کاشان کا دل... پہلے ہی اس کے نام ہو چکا تھا۔

پشمینہ بالکل پری لگ رہی تھی——

سفید حجاب، سفید لباس پر سفید عبایا،
انتہائی باوقار اور خوبصورت۔

مہمانوں سے ملتے ملتے رات ہو گئی۔
کھانے کے بعد سب مہمان رخصت ہو گئے۔
سارہ، پشمینہ، شہباز اور کاشان بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔
سارہ نے نوٹ کیا کہ کاشان کی نظریں بار بار پشمینہ پر جا رہی تھیں
جبکہ پشمینہ سارہ کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔

بعد میں کاشان ہوٹل آ گیا،
جہاں وہ اپنے منتشر دل کی دھڑکنوں کو سنبھالنے لگا۔

ادھر سارہ اور پشمینہ عمرہ کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں۔
پشمینہ وہاں گزارے لمحات سنا رہی تھی۔
سارہ کو وہ بے حد سمجھدار لگی۔۔۔

پشمینہ کو گھر آئے دو دن ہو چکے تھے۔
سارہ اس سے بہت محبت سے پیش آ رہی تھی، ہر بات میں عزت، نرمی اور اپنائیت جھلکتی۔
لیکن ایک چہرہ ایسا تھا جو بار بار نظر سے ہٹ کر بھی دل کے قریب آ رہا تھا... کاشان۔

وہ کچھ کم بولتا تھا،

لیکن جب بولتا... تو جیسے لہجے میں ایک گہرائی ہوتی،
جس سے پشمینہ ناواقف ہونے کے باوجود بےچین سی ہونے لگتی۔

کچن میں سارہ کے ساتھ کام کرتے ہوئے پشمینہ نے دھیرے سے پوچھا:

"سارہ، یہ کاشان بھائی کافی خاموش لگتے ہیں... ہمیشہ سے ایسے ہیں؟"

سارہ نے مسکرا کر دیکھا،
"خاموش تو ہیں، لیکن دل کے بہت اچھے... دوسروں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔"

پشمینہ نے سر ہلایا،
مگر اندر کچھ اور ہی شور برپا تھا۔

اُسے یاد آیا... ایک دھندلی سی تصویر —
جب وہ بچی تھی، اور خیام بھائی کے ساتھ ایک بار کاشان آیا تھا۔
اُسی دن... وہ بار بار اُسے دیکھ رہا تھا،
اور شاید تب ہی سے اُس کی معصوم آنکھوں میں ایک اجنبی عکس اتر آیا تھا۔

اب وہ عکس، ایک مکمل وجود بن چکا تھا۔

پشمینہ کے دل نے سرگوشی کی:
"کیا تمہیں اُس کی خاموشی میں کچھ اپنا سا محسوس نہیں ہوتا؟
کیا اس کے خاموش لفظ... تمہارے دل میں ہلچل نہیں مچاتے؟"

پشمینہ نے خود کو جھٹک کر سارہ کی طرف دیکھا اور مسکرا دی،
لیکن اندر ایک سوال اب بھی زندہ تھا...
"کیا یہ وہی شخص ہے... جس کی خاموشی برسوں سے میرے دل میں گونج رہی ہے؟"

سارہ گیارہ بجے کے قریب اپنے کمرے میں آئی اور خیام کی تصویر کو یوں دیکھنے لگی جیسے وہ اس کے سامنے کھڑا باتیں کر رہا ہو۔
خیام اسے تنگ ضرور کرتا، مگر اس کا خیال بھی بہت زیادہ رکھتا تھا۔ شاید سارہ کے معاملے میں وہ ہمیشہ سے ہی حساس تھا۔
تصویر سے باتیں کرتے کرتے سارہ نیند کی وادیوں میں گم ہو گئی۔

ایک مہینہ گزر چکا تھا۔
مہمان اب کم ہو گئے تھے جبکہ خیام کی طرف سے کوئی خبر نہ آئی تھی۔
سارہ خوف سے نڈھال تھی۔
شہباز اس سے رابطہ کرنے کی بار بار کوشش کر رہے تھے، مگر نمبر مسلسل بند جا رہا تھا۔
کاشان خود شدید پریشانی کا شکار تھا۔

اس کی چھٹی حس اُسے کچھ برا ہونے کا اشارہ دے رہی تھی، اسی لیے اس نے شہباز کو اطلاع دے کر خود خیام کو لینے کا فیصلہ کیا۔

جب کاشان آفس پہنچا تو اسے بتایا گیا کہ پانچ دن پہلے ایک میٹنگ کے دوران ایک اجنبی شخص گھس آیا اور اندھا دھند فائرنگ کر دی۔
تین ڈاکٹر موقع پر جاں بحق ہو گئے تھے، جبکہ باقی سات میں سے ایک کی حالت تشویشناک تھی۔
وہی شخص جس نے باقی سب کی جان بچائی تھی۔

یہ سنتے ہی کاشان دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھتا چلا گیا۔

"نہیں... نہیں! خیام بھائی! تُجھے کچھ نہیں ہو سکتا..."

پھر خود کو سنبھالتے ہوئے وہ تیزی سے اسپتال کی طرف روانہ ہوا۔
اسپتال پہنچ کر جیسے ہی ڈاکٹر عدنان کو دیکھا، فوراً ان کے پاس گیا:

"ڈاکٹر صاحب، خیام بھائی کہاں ہیں؟ انہیں کچھ ہوا تو نہیں نا؟"

ڈاکٹر عدنان نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا:

"کاشان... I'm sorry، اسے بہت گولیاں لگی ہیں۔ حالت تشویشناک ہے، کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے... تم بس دعا کرو۔"

یہ سنتے ہی کاشان کی ہمت جواب دے گئی اور وہ دھڑام سے زمین پر گر گیا۔

جب ہوش آیا تو ڈاکٹر عدنان اس کے پاس ہی بیٹھے تھے۔
کاشان فوراً اٹھا اور جلدی سے بولا:

"مجھے خیام کے پاس جانا ہے!"

ڈاکٹر عدنان نے تھوڑا سوچتے ہوئے کہا:
"اندر جانے کی اجازت تو کسی کو نہیں، لیکن... تم چلو، میں لے جاتا ہوں۔"

رات کے آٹھ بج چکے تھے۔
جب وہ خیام کے کمرے میں داخل ہوا تو منظر دل دہلا دینے والا تھا۔
پورا وجود پٹیوں میں جکڑا ہوا،
ماتھے پر جہاں کبھی بکھرے بال ہوا کرتے تھے، اب سفید پٹیاں بندھی تھیں،
چہرہ زرد، آکسیجن ماسک لگا ہوا،
خون کی بوتل لگی ہوئی تھی،

خیام بہت کمزور دکھ رہا تھا۔
کاشان خیام کے بستر کے پاس بیٹھا تھا۔ آکسیجن ماسک، زرد چہرہ، بے حس و حرکت جسم—یہ سب کچھ کاشان کی آنکھوں کے سامنے دھندلا رہا تھا۔ وہ روتے روتے بےاختیار ماضی کی ایک پرانی گلی میں جا پہنچا...

وہ دن جب وہ دونوں ایک فیلڈ مشن پر گئے تھے—شمالی وزیرستان کی ایک حساس چوکی پر۔
فضا میں بارود کی بو، آنکھوں کے سامنے دھواں، اور کانوں میں گونجتی گولیوں کی آوازیں۔
کاشان ایک طرف مورچے میں پناہ لیے زخمی حالت میں پڑا تھا، خون اس کے بازو سے بہہ رہا تھا۔
ادھر خیام پوری طاقت سے دشمن کی فائر لائن میں کھڑا، مسلسل جوابی فائرنگ کر رہا تھا۔

"کاشان! ہمت نہ ہار، میں ہوں یہاں!"
خیام کی آواز گرج دار تھی، جیسے موت کو للکار رہا ہو۔

دشمن قریب آ رہے تھے، ایک دہشت گرد کاشان کی طرف لپکا۔
خیام نے لمحہ ضائع کیے بغیر گولی چلا دی۔
کاشان کے کانوں میں وہ ایک ہی جملہ گونجا تھا:

"جب تک میں زندہ ہوں، تجھے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا!"

پھر وہ لمحہ آیا جب خیام نے کاشان کو کھینچ کر اپنے پیچھے کیا اور خود دشمن کی گولیوں کا نشانہ بن گیا۔
اس کی وردی خون میں بھیگ گئی تھی مگر وہ پیچھے نہیں ہٹا۔
جب تک ریسکیو ٹیم اور آرمی آئی، خیام اکیلا ان سب کو پیچھے دھکیل چکا تھا۔

وہ رات... وہ جنگ... وہ آنکھوں میں جنون اور دل میں یقین...

کاشان کی آنکھوں سے ایک اور آنسو ٹپکا اور وہ خیام کا ہاتھ تھام کر بولا:

"خیام میرے بھائی... میرے دوست، دیکھ میں آیا ہوں....
اس طرح کیوں لیٹا ہوا ہے؟
پہلے تو مجھے گلے لگا کر خوش آمدید کہتا تھا...
آج کیا ہو گیا ہے یار؟
اٹھ جا... مجھ سے تیرا یہ حال دیکھا نہیں جاتا۔۔۔

"تم نے میری جان بچائی تھی بھائی، اب اللہ سے مانگ کر تمہاری زندگی واپس لینی ہے..."

کاشان، پٹیوں سے جکڑے خیام کے ماتھے کو چوم کر رو پڑا۔۔۔

"تو ہمیشہ مجھے ایک گانا سناتا تھا...
آج وہی میں تجھے سنا رہا ہوں..."

تیری ایک ادا کے نام کیا
سب عہدے وفا کے نام کیا
آنکھوں کے در پہ بیٹھے ہیں کچھ یار پرانے
اور ایک تم...
دل سے ہو کر گزرے میرے، وہ بیتے زمانے
اور ایک تم...
تیری ایک ادا کے نام کیا
سب عہدے وفا کے نام کیا...

یاروں کے سکھ بھی اور غم بھی،
تیری یادوں کے یہ موسم بھی...
آنکھوں میں اترا یہ نم بھی،
یہ رستہ بھی اور ہمدم بھی...
تو لگتا ہے اتنا پیارا
اس میرے دل میں ہے جتنا...

تیری ایک ادا کے نام کیا
سب عہدے وفا کے نام کیا...

کاشان کے آنسو خیام کے ہاتھ پر گرنے لگے۔

تبھی خیام کے ہاتھ میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔
پھر آہستہ آہستہ آنکھیں کھولنے لگا۔

ڈاکٹر عدنان فوراً دوسرے ڈاکٹرز کو بلانے چلے گئے،
جبکہ کاشان آنسو صاف کرتا ہوا اللہ کا شکر ادا کرتا خیام کو دیکھتا رہا۔

"دوستی وہ نہیں جو وقت کے ساتھ بدل جائے، دوستی وہ ہے جو موت کو بھی چیلنج کر جائے۔"

خیام، میرا بھائی... تُو ٹھیک ہے؟ کاشان نے اس کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں لے کر محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔
خیام نے آہستہ سے سر ہلا کر "ہاں" کہا تو کاشان کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔
"یار! تُو نے تو جان ہی نکال دی تھی... تُو بہت برا ہے! آئندہ تجھے اکیلا کہیں جانے نہیں دوں گا!"
یہ کہتے ہوئے وہ زبردستی مسکرانے لگا، جب کہ خیام نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نظریں چرا لیں۔

"اچھا چل، اب میں تجھے سوپ پلاتا ہوں، خود بنا کر لایا ہوں۔"
کاشان نے نرمی سے چمچ اٹھایا اور اسے سوپ پلانے لگا۔

اسی دوران نرس اندر آئی،

"سر! اب آپ کو باہر جانا ہوگا، ان کی دوا کا وقت ہو گیا ہے۔"
کاشان نے نرس کی طرف دیکھا، پھر خیام کی طرف،
"ٹھیک ہے، میں بعد میں آؤں گا۔"
یہ کہتے ہوئے وہ جھک کر خیام کے ماتھے کو چوم کر باہر نکل گیا۔
باہر آتے ہی اس کا موبائل بجنے لگا۔ شہباز کی بار بار کال آ رہی تھی،
مگر اس میں ہمت نہ تھی کہ وہ ابھی بات کرے۔
اب جبکہ خیام کی حالت کچھ بہتر ہوئی تو اس نے فون اٹھا کر کال بیک کی۔

"السلام علیکم انکل، کیسے ہیں آپ؟"
"وعلیکم السلام بیٹا، میں ٹھیک ہوں، تم بتاؤ، کیسے ہو؟ اور خیام کہاں ہے؟"

کاشان نے گہرا سانس لیا اور دھیرے دھیرے ساری بات شہباز کو بتا دی۔
یہ بھی بتایا کہ اب خیام کی حالت کچھ بہتر ہو گئی ہے۔

شہباز نے فوراً کہا،
"اللہ کا شکر ہے! میں کل ہی انگلینڈ آتا ہوں۔"

"انکل پلیز، آپ نہ آئیں۔ میں یہاں سب کچھ سنبھال لوں گا۔"

اور آپ بھابھی وغیرہ کو بھی کچھ نہ بتائیں، وہ برداشت نہیں کر پائیں گی۔"

"اچھا بیٹا، جیسے تم مناسب سمجھو۔ تمہارا بہت شکریہ۔"
یہ کہتے ہوئے شہباز نے فون بند کیا اور خاموشی سے لان میں جا کر بیٹھ گئے،
دل میں خیام کی خیریت کے لیے دعائیں کرتے رہے۔

تبھی سارہ ، شہباز کے پاس آئی۔
"بابا، کیا خیام سے بات ہوئی آپ کی؟ وہ کب آ رہے ہیں؟"
"ہاں بیٹا، وہ ٹھیک ہے۔"
شہباز کے چہرے پر چھائی سنجیدگی دیکھ کر سارہ ان کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔
"بابا پلیز، سچ بتائیں... مجھے کچھ غلط لگ رہا ہے... میری بے چینی بڑھتی جا رہی ہے۔" سارہ رونے لگی۔

"جی بیٹا، میری خیام سے بات ہو گئی ہے۔ وہ بالکل ٹھیک ہے۔
دراصل وہ انگلینڈ سے افریقہ چلا گیا ہے باقی ڈاکٹرز کے ساتھ۔
وہاں کے لوگوں کے حالات بہت خراب ہیں، تو کہہ رہے تھے ایک مہینے تک واپس آ جائیں گے۔"
شہباز نے ہلکا سا مسکرا کر سارہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔
"اچھا بیٹا، اب آپ رونا بند کریں اور جلدی سے میرے لیے چائے بنا کر لائیں۔"

ساره مسکرا کر بولی، "جی بابا"، اور چائے بنانے لگی۔
اب پشمینہ بھی شہباز کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور ان سے باتیں کرنے لگی۔ تبھی ساره چائے لے کر واپس آئی، لیکن اچانک اسے چکر آنے لگے اور وہ زمین پر گر گئی۔
شہباز اور پشمینہ نے فوراً اسے اٹھایا اور کمرے میں لے جا کر ڈاکٹر کو بلایا۔

شہباز پہلے ہی خیام کے لیے پریشان تھے، اب ساره کی یہ حالت ان سے دیکھی نہ جا رہی تھی۔
پشمینہ انھیں حوصلہ دیتی رہی:
"بابا، آپ پریشان نہ ہوں، بھابھی کو کچھ نہیں ہوگا۔"

تبھی ڈاکٹر اندر آئی۔
"شہباز صاحب، آپ کو بہت بہت مبارک ہو، آپ دادا بننے والے ہیں!"
یہ کہہ کر ڈاکٹر واپس چلی گئی، جبکہ پشمینہ اور شہباز خوشی سے نہال ہو گئے۔

"پشمینہ! تم نے سنا، ڈاکٹر کیا کہہ گئی ہے؟ میں دادا بننے والا ہوں!"
"اور میں پھپھو بننے والی ہوں!"
یہ کہتے ہوئے وہ شہباز کے گلے لگ گئی۔

"!تیرا شکر ہے، یا اللہ! جس نے ہمیں یہ دن دیکھنا نصیب کیا"
اچھا بیٹا، تم جاؤ، یتیموں کو کھانا کھلاؤ اور صدقہ دو۔ میں خیام"
"کو یہ خوشخبری سناتا ہوں۔

"ساره کو نیند کی دوا دے کر سلایا جا چکا تھا۔
ادھورے خواب جب تعبیر پاتے ہیں
...تو آنکھوں سے آنسو نہیں، دعائیں بہتی ہیں
کسی کے لوٹ آنے کی آس میں جو دل تڑپتے ہیں
...انھی دلوں میں نئی زندگی جنم لیتی ہے
،وہ جو چپ رہتی تھی ہر لمحے
...آج اس کی ہنسی گونجی خوابوں میں
رب کی رحمت جب در پہ آئے
"...تو دکھ بھی سجدے میں سر جھکائے

کاشان نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو شہباز کی کال اٹھا کر سلام کیا۔
شہباز نے جو خبر سنائی، اسے سن کر کاشان خوشی سے زور
سے ہنسنے لگا۔
شکر ہے میرا اللہ! میں ماموں بننے والا ہوں! انکل، میں ابھی خیام"
"!کو بتاتا ہوں
کہتے ہوئے وہ کال کاٹ کر فوراً خیام کے کمرے میں چلا آیا۔

اسے یہاں آئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ خیام چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ کاشان کو اچانک اتنے جوش سے آتا دیکھ کر وہ چونکا،
"کیا ہوا ہے یار؟ اتنی جلدی کیوں آیا؟ سب خیریت ہے نا؟ سارہ کیسی ہے؟"

کاشان خوشی سے پھولے نہ سمایا،
"او میرے بھائی، جو خبر لایا ہوں سن کر تُو ناچنے لگ جائے گا!"
وہ خیام کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ خیام آہستہ سے اٹھ کر بیٹھا،
"یار جلدی بول، کیا ہوا ہے؟"

"جب رشتے دل سے ہوں، تو یار بھی ماموں بن جاتے ہیں!"کاشان جوش میں بولا----
خیام :یار کاشان کیوں پریشان کر رہا ہے!"

"مبارک ہو بھائی! تُو باپ بننے والا ہے... اور میں ماموں!"
کاشان نے ہنستے ہوئے اسے گلے لگا لیا۔

خیام کی آنکھیں خوشی سے بھیگ گئیں،
"سچ کہہ رہا ہے نا؟ اللہ تیرا شکر!"
کاشان نے سر ہلا کر تصدیق کی،
"ابھی ابھی انکل کی کال آئی تھی۔"

خیام فوراً اٹھنے لگا،

"!کاشان، چلو ابھی گھر چلتے ہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں"

،کاشان نے اسے فوراً واپس لٹا دیا
پاگل ہو گیا ہے؟ اس حال میں بھابھی کے سامنے جائے گا تو وہ"
"پریشان ہو جائیں گی! پہلے مکمل ٹھیک ہو جا، پھر چلیں گے۔

،خیام نے ہنستے ہوئے کہا
تو زیادہ میرا باپ نہ بن، اور ویسے بھی، تو ماموں نہیں، چاچو"
"!بننے والا ہے۔ تو میرا یار ہے

،کاشان نے ہنستے ہوئے منطق دی
بھائی تُو میرا دل ہے، لیکن سارہ میری بہن جیسی ہے، تو حساب"
"!سے میں ماموں ہوا

،خیام نے قہقہہ لگایا
"واہ بھائی واہ! بہن کے آتے ہی بھائی کو بھول گیا؟"

گھر میں خوشیوں کی لہر دوڑ چکی تھی۔ ہر چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک تھی۔ سارہ کی خوشخبری سن کر شہباز کا دل جیسے بار بار سجدے میں جھک رہا تھا۔ وہ مسلسل اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے۔

،شہباز نے جلدی سے گھر کے ملازم کو بلایا

سنو، شہر کے تمام رشتے داروں اور محلے میں میٹھائی بھجوا دو۔"
خاص طور پر دارالایتام میں بھی ایک بڑی دیگ بھیجنی ہے۔ سب
"کو مٹھائی پہنچنی چاہیے، آج ہمارا دل خوشی سے بھر گیا ہے۔

پشمینہ، جو پہلے سارہ کی طبیعت کی وجہ سے پریشان تھی، اب
کھل کے مسکرا رہی تھی۔ اُس نے چادر سنبھالتے ہوئے خود
،باورچی خانے کا رخ کیا
آج میں خود کھانا بناؤں گی۔ یہ کام نوکرانیوں کا نہیں، خوشی کا"
"صدقہ اپنے ہاتھ سے دینا ہے۔

اس نے زعفرانی چاول، مرغ پلاؤ، قورمہ، حلوہ، اور نان تیار
کروائے۔ سادہ مگر محبت سے بھرپور کھانا۔ پھر سارا کھانا بڑے
برتنوں میں پیک کروا کر محلے کے یتیم بچوں اور غریب گھروں
میں بھیجنے لگی۔

پشمینہ نے خود ایک پلیٹ میں حلوہ رکھا اور پاس کھڑی سارہ کی
،آیا کو دے کر کہا
یہ لے جاؤ دارالایتام، وہاں بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا، اور کہنا"
"کہ ان کے لیے بھی خوشی کا دن ہے۔

،شہباز صحن میں بیٹھے دعائیں مانگ رہے تھے
یا اللہ! تیرا شکر ہے، تُو نے ہمیں یہ دن دکھایا۔ ہمیں مزید بھی"
"ہمت، صبر، اور شکر کی توفیق عطا فرما۔

پشمینہ نے آ کر ان کے سامنے پلیٹ رکھی،
"بابا، آپ بھی کھائیں، آج سب کچھ آپ کی دعاؤں سے ہے۔"

شہباز نے مسکرا کر کہا،
"نہیں بیٹا، سب کچھ اللہ کے کرم سے ہے۔ اور خیام اور سارہ کی محبت سے۔"

پھر دونوں نے مل کر یہ کھانا غریبوں تک پہنچانے کا انتظام کیا۔ پورے گھر میں رحمت، نور، اور خوشی کی ایک خاص سی خوشبو پھیل گئی تھی۔

کلینک میں ہلکی روشنی، سادہ مگر آرام دہ فرنیچر، دیوار پر مختلف خطاطی کی گئی تھی ،ایک خوش خطی میں لکھا گیا تھا:
"یہ جگہ تمہارے درد کے لیے محفوظ ہے۔"
صباء اپنی فائل میں کچھ نوٹس لکھ رہی تھی جب دروازہ کھلا۔ اندر ایک 22 سالہ لڑکا داخل ہوا، کندھے جھکے ہوئے، آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے، اور چہرے پر مردہ سی خاموشی۔

"بیٹھ جاؤ حمزہ..." صباء نے نرمی سے کہا۔

حمزہ خاموشی سے بیٹھ گیا، نظریں زمین میں گاڑے۔

صباء نے فائل بند کی، نظریں اُس کے چہرے پر جمائیں، اور بولی:
"کتنی دیر ہو گئی ہے تمہیں خوشی محسوس کیے؟"

حمزہ کے ہونٹ ہلے، لیکن آواز نہ نکلی۔ پھر آہستہ سے بولا،
"مجھے لگتا ہے... میں اندر سے خالی ہو چکا ہوں۔"

صباء نے اثبات میں سر ہلایا، اور بولی:
"یہ خالی پن اکثر اُن لوگوں کو ہوتا ہے جو بہت کچھ محسوس کرتے ہیں، لیکن کہہ نہیں پاتے۔"

پھر اُس نے میز پر رکھے کارڈز حمزہ کی طرف بڑھائے۔
"ان جذبات میں سے کون سا تمہارے دل کے قریب ہے؟"
کارڈز پر الفاظ تھے: "تنہائی"، "مایوسی"، "خود سے نفرت"، "خوف"، "خاموش چیخ"...

حمزہ نے آہستہ سے "خاموش چیخ" والا کارڈ اُٹھایا۔
"یہ میں ہوں---"

صباء نے کچھ نہ کہا، بس ایک ٹشو اُس کی طرف بڑھایا۔
"اس چیخ کو ہم خاموش نہیں رہنے دیں گے، حمزہ۔ آج سے ہم اُسے سنیں گے، سمجھیں گے، اور آہستہ آہستہ خاموشی کے پردے ہٹا دیں گے۔"

وہ اگلے چند منٹ محض Active Listening کرتی رہی۔ حمزہ بولا، رکا، رویا، اور صباء سنتی رہی۔ نہ کوئی ججمنٹ، نہ سوال۔

اُس دن صباء نے کوئی دوا تجویز نہیں کی، صرف ایک کام دیا:
"روز رات کو سونے سے پہلے ایک جملہ لکھنا: آج میں نے اپنے
لیے کیا کیا؟"

یہ صرف پہلا سیشن تھا، لیکن حمزہ کی خاموشی بولنے لگی تھی۔
صباء کے کلینک میں صرف علاج نہیں، زندگی کی طرف واپسی
کا سفر شروع ہوتا تھا۔

خیام نے کاشان کے چہرے کی طرف دیکھا،
"کیا بات ہے، آج کل تو بڑا خوش رہنے لگا ہے۔ چہرے پر بڑا نور
آ گیا ہے!"

کاشان شرما کر بولا،
"ارے بھائی، میں پہلے بھی خوبصورت تھا، الحمدللہ نور ہمیشہ
میرے چہرے پر تھا!"
اس نے شرارت سے آنکھ دبائی۔

خیام ہنستے ہوئے بولا،
"نہیں نہیں، یہ جو نور ہے نا، یہ کچھ اور ہی لگ رہا ہے۔ لگتا ہے
کوئی لڑکی پسند آ گئی ہے تجھے!"

کاشان تھوڑا کنفیوز ہو کر کھڑکی کی طرف چلا گیا،

"ن۔۔۔نہیں بھائی، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"اچھا اب تو مجھ سے چھپائے گا؟ چل اب بتا، کون ہے؟ تیرا بھائی خود اس کے گھر رشتہ لے کر جائے گا!" خیام آج اس سے پوچھ کر ہی دم لینے والا تھا۔

"نہیں بھائی... کوئی..." ابھی کاشان بات مکمل بھی نہ کر پایا تھا کہ خیام نے اسے بیچ میں روک دیا۔

"تو نام بتا رہا ہے یا میں اپنے طریقے سے پتا لگاؤں؟" خیام نے اسے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

"بھائی... وہ... وہ آپ کی بہن..." کاشان شرم اور ڈر کے مارے بمشکل اتنا ہی بول پایا اور نظریں جھکا لیں۔

کاشان کا جواب سنتے ہی خیام ایک لمحے کے لیے چپ سا ہو گیا، پھر اس نے اچانک زور دار قہقہہ لگایا۔ پورا کمرہ ہنسی سے گونج اٹھا۔ کاشان حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

خیام نے اسے اپنے پاس بلایا اور اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا،

"مجھے معلوم ہے، دل پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ اور ایک بات یاد رکھنا، تُو میرا بھائی ہے، مجھے جان سے بھی بڑھ کر عزیز ہے تُو اور پشمینہ۔ لیکن... مجھے پہلے پشمینہ سے بات کرنی ہوگی۔ اگر وہ راضی ہوئی تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

یہ سن کر کاشان خوشی سے نہال ہو کر اسے گلے لگا لیا...
"تھینک یو بھائی!"

"اچھا اب بس کر، مجھے سونے دے۔ مجھے جلدی سے ٹھیک ہونا ہے۔ اب تُو بھی تھوڑا آرام کر لے، بہت بھاگا ہے میری وجہ سے۔
تھینکس۔"

کاشان باہر جا کر مسجد کی طرف روانہ ہوا، جہاں وہ شکرانے کے نوافل ادا کرتا رہا...

ادھر خیام اپنے بچے کے بارے میں سوچ کر خوشی سے نہال تھا۔ اُسے یہ خیال بار بار آ رہا تھا کہ سارہ کو اس وقت اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اور وہ اُس کے پاس نہیں ہے۔

"بس ایک ہفتہ اور صبر کر لو میری جان، پھر میں تمھارے پاس ہوں گا۔"
میں دور ہوں مگر دل کی صدا تمھارے پاس ہے،
ہر دھڑکن میں بسا تیرا ہی احساس ہے۔

،تم ماں بنو گی، یہ خوشی رب کا انعام ہے
میرے خوابوں کا چمکتا ہوا ایک مقام ہے۔

،قسم ہے اُس رات کی جب تم نے مسکرا کے دیکھا تھا
آج بھی وہ لمحہ میری ہر دعا کے ساتھ ہے۔

،یہ فاصلے بس چند دنوں کی بات ہیں
پھر ہاتھوں میں ہاتھ، اور سب کہی ان کہی باتیں۔

کہتے ہوئے وہ دوا کے زیرِ اثر آہستہ آہستہ نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

صبح جب سارہ کی آنکھ کھلی، تو پشمینہ اس کے پاس بیٹھی تھی۔
"بھابھی، اب کیسی طبعیت ہے آپ کی؟" پشمینہ نے اُسے اٹھتے دیکھ کر پوچھا۔
"مجھے کیا ہو گیا تھا؟" سارہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"آپ کو چکر آ گئے تھے، بھابھی، پھر ڈاکٹر نے بتایا کہ آپ ماں بننے والی ہیں۔" پشمینہ نے اُسے گلے لگا کر مبارک باد دی۔
سارہ خوشی کے مارے رونے لگی، لیکن جو چیز اُسے زیادہ رلا رہی تھی وہ خیام سے رابطہ نہ ہونا تھا، اور اتنی خوشی کے موقع پر وہ اس سے دور تھا۔
"بھابھی، ایسے خوشی کے موقع پر روتے نہیں ہیں۔ آپ فریش ہو جائیں، میں کھانا لگواتی ہوں۔" کہتے ہوئے پشمینہ باہر چلی گئی۔

تبھی سارہ کے موبائل پر خیام کی کال آ رہی تھی۔ سارہ نے جلدی سے کال اٹھا کر سلام کیا۔ وہ خیام کی آواز سننے کے لیے ترس گئی تھی۔

"وعلیکم السلام، سارہ! کیسی ہو میری جان؟" خیام نے اس کی آواز سن کر مسکرا کر کہا۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟ اور کب واپس آئیں گے؟" سارہ رو رہی تھی۔

"سارہ، میں بہت جلد تمہارے پاس آؤں گا۔ تم رونا بند کرو، میرے دل میں تکلیف ہوتی ہے۔ اور بہت بہت مبارک ہو!" خیام نے اُسے چپ کراتے ہوئے کہا۔

جس پر سارہ نے شرما کر کہا، "آپ کو بھی مبارک ہو۔ ویسے آپ بہت برے ہیں، کیا آپ کو میری یاد نہیں آتی؟ اور آپ ٹھیک تو ہیں نا؟ مجھے نہ جانے کیوں لگتا ہے آپ پر کوئی مصیبت آئی ہے۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اور ہاں، برا تو میں ہوں، لیکن فکر نہ کرو، بہت جلد ملاقات ہوگی۔ اوکے، اپنا اور ہماری بیٹی کا بہت خیال رکھنا۔" خیام نے ہنس کر کہا۔

"آپ کو کیسے پتہ کہ بیٹی ہوگی؟" سارہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اللہ مجھے پہلے بیٹی سے نوازے گا، مجھے بیٹیاں اچھی لگتی ہیں کیونکہ اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ اگر بیٹا ہوا تو بھی مجھے خوشی ہوگی۔ اچھا، میں تھوڑا کام کر لوں پھر بات ہوگی۔ اللہ حافظ"

"آپ بھی اپنا خیال رکھیں، اللہ حافظ" سارہ آج بہت خوش تھی، جلدی سے اٹھ کر نفل ادا کرنے لگی اور خیام کے جلدی لوٹ کر آنے کی دعا مانگی

خیام کو ہسپتال سے قطر میں ایک خفیہ جگہ پر شفٹ کر دیا گیا تھا تاکہ اس کے دشمن دوبارہ حملہ نہ کریں، لیکن اب اس کا جگری یار اس کے ساتھ تھا، اُسے اب موت سے بھی خوف نہیں تھا۔۔۔

خیام رات کو آسمان کو تکتے ہوئے سوچنے لگا کہ زمین اندر سے گرم ہے۔ اگر لوہے کے دو گولوں کو گرم کر کے کچھ دیر کے لیے رکھ دیں تو چھوٹا گولہ جلدی ٹھنڈا ہو جائے گا۔۔۔
چاند زمین کا بچہ ہے اور اس وقت زمین سے نکلا تھا جب یہ پگھلے لوہے کی طرح ابل رہی تھی۔ چھوٹائی کی وجہ سے چاند بالکل ٹھنڈا ہو چکا ہے اور زمین اندر سے بدستور گرم ہے۔۔۔۔
چاند کے اندر ہوا موجود نہیں ہے، اس لیے رہائش کے قابل نہیں ہے اور نہ کہیں پانی ملتا ہے۔ یہ ایک خشک بیاباں ہے۔ چونکہ چاند کا حجم زمین سے 1/4 یعنی 13 گنا کم ہے، اس لیے اس کی کشش بھی کم ہے۔ کتنی حیرت کی بات ہے، اللہ نے کتنے راز چھپا رکھے ہیں۔

جب وہ چار سال کا تھا تو ملالہ کی گود میں سر رکھے روزانہ کچھ نہ کچھ نیا سنتا تھا۔
"میری نیلی آنکھوں والے شہزادے، آپ کو پتا ہے اللہ کے ہاں حشرات و دوآب اور اشجار و احجار کو وہ اہمیت حاصل ہے کہ قرآن کریم کی بعض سورتیں ان کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں؟

سورہ بقرہ میں مختلف مضامین پر روشنی ڈالی گئی ہے، جنت و دوزخ کا ذکر، ایمان و نفاق پر بحث، مختلف پیغمبروں کے تذکرے اور بہت کچھ، لیکن اس سورت کا نام بقرہ (گائے) رکھا گیا۔ مومن، "جنت، موسیٰ اور عیسیٰ نہیں رکھا گیا۔
اسی طرح بعض سورتوں کے نام یہ ہیں:
نمل (چیونٹی)، نحل (مگس شہد)، عنکبوت (مکڑی)، انعام (چوپائے)، دخان (گیس، سٹیم)، مائدہ (طعام)، الکھف (غار)، نور (روشنی)، صافات (اڑتے ہوئے پرندے)،
طور (پہاڑ کا نام)، قمر (چاند)، حدید (فولاد)، قلم (آلہ تحریر و تصنیف)، نجم (ستارہ)، الدھر (زمانہ)، انفطار (پہاڑوں وغیرہ کا پھٹنا)، البروج (آسمان کے حصے)، الطارق (مسافر شب یعنی ستارے)، الفجر (صبح)، البلد (شہر)،
الشمس (سورج)، اللیل (رات)، الضحیٰ (طلوع آفتاب کے بعد کا وقت)، التین (انجیر)، زلزال (کانپنا، زلزلہ)، العصر (زمانہ)، الفیل (ہاتھی)، لھب (آگ کا بھڑکنا)، الفلق (طلوع صبح)، الناس (انسان)۔

اور پھر اللہ فرماتا ہے:
"رات اور دن کے بارے میں، مہتاب کی روشنی کی قسم، ظہورِ سحر اور طلوع آفتاب کی قسم کہ آخرت حیات انسانی کی ایک شاندار منزل ہے۔" (مدثر آیت 32-35)

رات کو چاند کی دھیمی روشنی کیف و بہار کا کیا مست پیغام دے رہی تھی۔ صبح ہوئی تو کائنات اپنی تمام رنگینیوں کے

ساتھ بے حجاب ہو گئی، اور جب آفتاب طلوع ہوا تو فضا میں نور کے چشمے ابلنے لگے۔
یہ زندگی چاند کی روشنی ہے، بڑھاپا ظہور سحر اور موت طلوع آفتاب ہے۔ اس کے بعد فضاؤں میں نور کے چشمے ابلتے نظر آئیں گے۔
جب آپ بڑے ہو جاؤ گے تو قرآن کریم سے بہت سے راز ڈھونڈ" سکو گے۔" ملالہ نے خیام کے سر پر چوم کر کہا تو خیام مسکرانے لگا۔ یہ بات سوچتے ہوئے آج اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

کاشان نے اسے بڑی مشکل سے سنبھالا ہوا تھا۔ ہر وقت گھر جانے کی ضد کرتا تھا، لیکن ڈاکٹر نے سفر کرنے سے منع کیا تھا۔ اب پہلے کی نسبت کافی حد تک ٹھیک ہو گیا تھا۔۔۔
چہرے کے زخم بالکل ٹھیک ہو گئے تھے، لیکن اس کی ٹانگ میں گولی لگنے کی وجہ سے ابھی ٹھیک سے نہیں چل پا رہا تھا۔ کاشان ہر روز خیام کو ناشتہ کروانے کے بعد ایکسرسائز کرواتا تھا۔۔۔۔
اس دوران خیام نے سلیمان سے دوبارہ ملنا شروع کیا۔ اس کے ذہن میں جو سوال تھے، ان کے جواب اسے سلیمان سے مل جاتے۔

طوفانِ نوح کی کشتی کی گزرگاہ کہاں ہے؟" خیام نے سوال کیا تو" سلیمان نے اسے بتانا شروع کیا:
جرمنی کے ایک محقق نے ثابت کیا کہ بہت قدیم زمانے میں افریقہ" اور امریکہ باہم ملے ہوئے تھے، اور یہ درمیانی خطہ اطلانطیس

کہلاتا تھا۔ کسی زلزلے کی وجہ سے یہ درمیانی خطہ ڈوب گیا اور دونوں براعظم علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔۔

جبکہ ان دونوں ممالک کی نباتات، تمدن، فنِ عمارت اور پرانے برتن وغیرہ ایک جیسے ہیں۔ اس محقق کا خیال یہ ہے کہ طوفانِ نوح اطلانطیس میں آیا تھا، اور یہ طوفان کسی زلزلے کا نتیجہ تھا۔ بعض دیگر محققین کا خیال ہے کہ یہ طوفان لیموریا میں آیا تھا۔ لیموریا خشکی کا وہ قطعہ تھا جو جنوبی افریقہ اور عرب کو باہم کرتا تھا اور اب ڈوب چکا ہے۔ ایک اور مؤرخ کی رائے ہے کہ یہ طوفان عراق کے شمال میں فرات کی طغیانی کی وجہ سے آیا تھا، اور ایک بہت بڑا شہر، یعنی ادر، جو کہ 3500 ق م میں بہت ترقی پذیر تھا، تباہ ہو گیا تھا۔"

یہ نظریہ کچھ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ قرآن کی تفصیل کے علاوہ "تاریخِ ملل قدیمہ" کا ایک واقعہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ اس کی تاریخ میں درج ہے:

"کالڈیہ کی سلطنت میں بعل نامی ایک دیوتا کو انسانوں پر غصہ آیا۔ اس نے شاہ کالڈیہ کسوتھرس کو طوفان آنے کی خبر دی اور حکم دیا کہ کشتی بنا کر ہر جنس کا جوڑا اس میں رکھ لے، پھر بارش ہوگئی یہاں تک کہ اردگرد کے علاقے پانی میں ڈوب گئے، اور کشتی آرمینیہ کے پہاڑ کے ساتھ جا لگی۔"

قرآن کریم میں درج ہے:

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ کے ساتھ جا لگی۔""
(ہود آیت 44))
جُودی شام اور آرمینیا کی سرحد پر ایک پہاڑ کا نام ہے۔
تاریخِ مللِ قدیمہ کا قصہ قرآن کے عین مطابق ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن میں صاحبِ کشتی کا نام نوحؑ اور وہاں کسوتھرس دیا گیا ہے۔ چونکہ ناموں کی صورت مختلف زبانوں میں بدل جاتی ہے،
اور Jesus مثلاً حضرت مسیحؑ کو عیسیٰؑ کہا جاتا ہے، انگریز Christ کو داؤدؑ کو David کہتے ہیں، John اور یحییٰؑ کو بنا رکھا ہے۔
اسی طرح ممکن ہے کہ قدیم زمانے کا کسوتھرس عربی میں نوحؑ بن گیا ہو۔

"اور کچھ پوچھنا ہے؟"
سلیمان نے خیام کو دیکھا، جو بار بار اپنی ٹانگ کو ہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔
"جی نہیں، ابھی تو میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ٹانگ کب ٹھیک ہوگی۔"
اس کی بات سن کر سلیمان مسکرا پڑے۔
برخوردار، تم جانتے ہو کہ ہمارا جسم بھی ایک مشین ہے، جسے" ہم ’بدن کی مشین‘ کہہ سکتے ہیں۔
دیکھو بیٹا!
کائنات کا ہر ذرہ ایک ایسا رَباب ہے، جس سے الٰہی دانش و صَناعی کے ترانے نکل رہے ہیں۔

انسانی بدن کی مشین پر جب غور کیا جائے، تو بقول سر آرتھر کائتھ کہتے ہیں:
’جب ہم چلتے ہیں، تو صرف ایک قدم اُٹھاتے وقت پورے سو پٹھے مل کر کام کرتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک پٹھا بھی بگڑ جائے، تو ہم قدم نہ اُٹھا سکیں گے۔‘

"کہہ دو کہ یہ اللہ ہی ہے جو پہلے پیدا کرتا ہے، پھر عملِ تخلیق کو دہراتا ہے۔ تم کہاں بھٹک رہے ہو؟"
(یونس: آیت 34)

یہ بات سُن کر خیام کے منہ سے سبحان اللہ نکلا۔
وہ یہ سب نہیں جانتا تھا، لیکن اب اسے اس دنیا کے ظاہر و باطن، یعنی اللہ کی ہر تخلیق کے بارے میں جاننے کا شوق پیدا ہو چکا تھا۔

آج رات انھیں پاکستان واپس جانا تھا، کیونکہ خیام اب خود کو سنبھال نہیں پا رہا تھا، تو کاشان کو مجبوراً اس کی بات ماننی پڑی۔
شام کے وقت، کاشان اور خیام نے گھر والوں کے لیے بہت ساری شاپنگ کی، خاص طور پر نئے مہمان کے لیے۔
خیام کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ جو چیز بھی بچوں کے لیے دیکھتا، فوراً خرید لیتا۔
بیچارا کاشان بس اُسے دیکھتا ہی رہ جاتا۔

آج صبح سے ہی سارہ کی طبیعت کافی خراب تھی۔ عجیب سی الجھن، کچھ کھانے کو دل نہیں کر رہا تھا۔
اسی لیے شہباز نے سختی سے اُسے کسی بھی قسم کا کام کرنے سے منع کر رکھا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی سورۂ رحمٰن کی تلاوت کر رہی تھی کہ تبھی، ہمیشہ کی طرح مسکراہٹ چہرے پر سجائے، پشمینہ اس کے پاس آ گئی۔
سارہ نے قرآن بند کر کے محبت سے اُسے دیکھا اور کہا:
"کیا بات ہے میری گڑیا، بہت خوش نظر آ رہی ہے؟"

"جی بالکل بھابھی! اصل میں، جب سے بے‌بی کی خبر سنی ہے،
دل میں خوشی ہی خوشی ہے۔
اور ان شاء اللہ بھائی بھی جلد آ جائیں گے۔
آپ پریشان نہ ہوا کریں، ورنہ میں بھائی کو کیا جواب دوں گی کہ
میں نے آپ کا خیال کیوں نہیں رکھا...
پشمینہ نے ساری معصومیت سے کہا۔

سارہ اُس کی بات پر مسکرا دی۔
"ان شاء اللہ وہ جلد آئیں گے، اور ایسی کوئی بات نہیں کہ تم میرا
خیال نہیں رکھتیں۔
میری جان، تمھارا بہت شکریہ کہ تم نے سارا کام سنبھالا ہوا ہے۔
اور مجھے بس اس کمرے میں بیٹھا رکھا ہے۔

یہ بات میں ضرور تمہارے بھائی کو بتاؤں گی کہ کوئی مجھے کام نہیں کرنے دیتا۔"

سارہ کے شکوے پر پشمینہ کھل کر ہنسنے لگی۔
سارہ نے اُسے گلے لگایا اور کہا:
"اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے۔
سب کو تم جیسی نند اور دوست دے۔"

پشمینہ شرارتی انداز میں بولی:
"بالکل مجھ جیسی معصوم... آمین کہیے!"
پھر کچھ جھجکتے ہوئے کہنے لگی:
"بھابھی! مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے۔"

سارہ نے ہاں میں سر ہلایا۔
پشمینہ نے سوال کیا:
"اللہ کا دارالحکومت کیا ہے؟ اور دوسرا سوال، کیا اللہ ہمیں سُن سکتا ہے؟"

سارہ پُرسکون ہو کر بتانے لگی:

"اگر سرما کی کسی رات کو کوئی شخص بمبئی کے بازاروں میں اُتر آئے،
تو وہ ہر طرف بلند و بالا عمارات اور خوبصورت دکانیں دیکھے گا، جن میں بجلی کے قمقمے نور کا سیلاب برسا رہے ہوں گے۔

موٹروں کا تانتا بندھا ہوگا، ہر طرف چہل پہل ہو گی۔
تو کیا وہ یہ خیال کرے گا کہ یہ تمام رونقیں خود بخود پیدا ہو گئی ہیں؟
کیا ایک جوہری کی دکان میں سونے اور چاندی کے برتن خود بخود قرینے سے سجا دیے گئے ہیں؟

ذرا اندھیری رات میں آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھو،
ستاروں کے قمقمے کس شان سے روشن ہیں، نور و تجلی کا کیسا سیلاب اُمنڈ رہا ہے۔
کہکشاں کی شاہراہوں پر کروڑوں آفتاب جلوہ گر ہیں۔
صاف نظر آتا ہے کہ آسمان کسی عظیم الشان فرمانروا کا دارالحکومت ہے۔"

"کیا یہ لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں؟ اللہ اس سے بہت بلند اور پاک ہے!"

کائنات پر غور کرنے کے بعد، جرمنی کے مشہور مفکر آئن سٹائن نے فرمایا تھا...

The universe is ruled by mind and whether it be the mind of a mathematician or of an artist of a poet or all of them:it is the one reality which gives meaning to existence.

enriches our daily task encourages our hope and energizes us with faith whether knowledge fails.

(کائنات پر ایک زبردست دماغ حکومت کر رہا ہے،اس سے بحث نہیں کہ وہ دماغ ریاضی دان کا ہے،یا مصور کا،شاعر کا یا ان سب کا،یہ ایک حقیقت ہے جو ہماری حیات کو پرمعنی بناتی ہے،امیدوں کو ابھارتی ہے اور جہاں علم کی روشنی ناکام رہے وہاں ہمارے یقین کو اور زیادہ مضبوط کرتی ہے۔)ایک اور جگہ فرماتے ہیں ۔

"He who can no longer pause to wonder and stand rapt in awe is as good as dead and his eyes are closed."

(وہ انسان جو کائنات پر اظہار تعجب کے لیے نہیں ٹھرتا اور اس پرخشیہ و تقویٰ کی کیفیت طاری نہیں ہوتی،وہ مرچکا ہے اور اس کی آنکھیں بصارت سے محروم ہو چکی ہیں)

اسی طرح ایک آیت کا ترجمہ ہے۔

"کیا یہ لوگ کائنات ارض و سماء اور دیگر الٰہی مخلوق پر غور نہیں کرتے ؟شاید ان کی موت قریب آگئی ہے "

(اعراف ۔آیت 185)

تو بس اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کا دارالحکومت ہے ۔اور تمہارا دوسرا سوال کہ کیا اللہ سن سکتا ہے؟

اس کا جواب قرآن کریم میں بھی کافی جگہ ذکر ہے کہ" بے شک اللہ سنتا اور دیکھتا ہے " اور ایک جگہ فرمایا ہے کہ" وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے"

اپریل کالج آف سائنس لنڈن کے ایک پروفیسر مسٹرولیم ایک دفعہ انسانی کامکی ساخت پر غور کر رہے تھے ۔الٰہی صناعی کے حیرت انگیز کمالات سے مرعوب ہو کر چلا اٹھے:

"He who planted ears,
Shall he not hear?"

"جس اللہ نے کان ایجاد کئے ہیں ،کیا وہ خود صفتِ سمر سے محروم ہے؟"سبحان اللہ بھابھی آپ کے پاس اتنی معلومات کیسے ہے پشمینہ اس کے علم پر حیران ہوئی تو سارہ نے ہنستے ہوئے کہا کہ تمھیں ایک لطیفہ سناتی ہوں۔

علامہ اقبال مرحوم سے کسی نے پوچھا ،علم کی انتہا کیا ہے؟
"آپ نے فرمایا ۔۔"حیرت
پھر پوچھا عشق کی انتہا کیا ہے؟
آپ نے فرمایا عشق لا انتہا ہے۔سائل نے فوراً اعتراض کیا تو آپ کے اس مصرع کا کیا ہے۔

" ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں "

علامہ اقبال نے فرمایا "دوسرا مصرع نہیں دیکھتے کہ اپنی حماقت کو کو بے نقاب کر رہا ہوں"

"مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں"

ایک مغربی مفکر کولریج کہتا ہے۔

"Knowledge end's in wonder"

"علم کی انتہا حیرت ہے"

"ہاہاہا واہ بھابھی! تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ تو عشق کی کوئی انتہا ہے اور نہ ہی علم کی،" پشمینہ نے سمجھتے ہوئے کہا۔

جس پر سارہ بولی، "ہاں، بالکل ایسا ہی ہے، کیونکہ علم ایک نہ ختم ہونے والی چیز ہے۔ جب آپ اس دنیا کو جاننے نکلیں گے تو آپ کو اپنا سارا علم کم لگنے لگے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بار بار انسان کو دنیا کی ہر شے پر غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ آج تک سائنس بہت سے راز ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی ہے، لیکن ابھی تک بہت کچھ ان کہی ہے۔ اگر آپ قرآنِ کریم میں دیکھیں تو بہت سے ایسے راز موجود ہیں جنہیں ہم جان سکتے ہیں۔" سارہ نے اپنی بات مکمل کی۔

"اچھا بھابھی! آپ کا بہت شکریہ۔ اب میں نمرہ کے ساتھ یونیورسٹی جا رہی ہوں، آج ہم سب دوستوں نے ملنے کا پلان بنایا ہے۔ اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو نوکرانی سے کہہ دیجیے گا یا مجھے کال کر لیجیے گا، اور یاد سے دوا ضرور لیجیے گا۔ بابا بھی یونیورسٹی گئے ہیں، آج ان کی میٹنگ ہے، تو انہیں تھوڑی دیر ہو جائے گی۔"

"اوکے میری پیاری گڑیا! اپنا خیال رکھنا، چلو اب جاؤ، اللہ کی امان میں،" سارہ نے کہتے ہوئے کھڑکی کے پاس آ کر اسے رخصت کیا۔ پشمینہ چلی گئی۔

سارہ ہر روز یہی سوچتی رہتی تھی کہ اللہ نے اسے کتنی نعمتوں سے نوازا ہے جن کا نعم البدل کوئی نہیں۔ آج اسے پہلی بار سمجھ آئی تھی کہ عشقِ مجازی بھی کیا چیز ہے! اگر دنیا کی محبت میں ڈوب جائے تو پستی کی طرف لے جاتا ہے، اور اگر خدا کے لیے چنا جائے تو پرواز پر لے جاتا ہے۔ عشقِ مجازی وہی بہتر ہے جو عشقِ حقیقی کی راہ پر گامزن کرے۔ اگر یہ عشق راہِ خدا میں ہو تو فنا سے بقا کی طرف لے جاتا ہے، پستی سے پرواز کی طرف۔

مگر شرط لازم یہ ہے کہ اس عشق کو رگوں میں شامل کرنے کے بجائے حاصل کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اگر وہ تمہارا ہے تو تمہیں پرواز کی بلندیوں تک لے جائے گا، اور اگر نہیں تو اسے آزادی کی راہوں پر چھوڑ دو اور خود عشقِ حقیقی کی طرف بڑھو۔ یہی عشق ہے جو عشقِ حقیقی کی راہ کو ہموار کرتے ہوئے دل کو خدا کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

صباء کا کلینک عام کلینک جیسا نہیں تھا۔ یہاں دوا کی خوشبو نہیں، بلکہ خاموشی، اعتبار اور جذبات کی گونج تھی۔ دیوار پر لگا ایک سادہ سا فریم پڑھا جا سکتا ۔

"جو بات زبان سے نہ کہی جا سکے، وہ آنکھیں کہہ دیتی ہیں۔

صباء اپنے مریضوں کو "مریض" نہیں سمجھتی تھی، بلکہ وہ اُنہیں "محفوظ ہونے کا موقع" دیتی تھی۔ اُس کے سامنے بیٹھنے والا ہر شخص کسی بوجھ کے ساتھ آتا تھا—کبھی ماضی کا، کبھی رشتوں کا، کبھی خود اپنے اندر کی جنگ کا۔

پہلا مریض:

ایک نوجوان لڑکی، پُراسرار خاموشی کے ساتھ سامنے آ بیٹھی۔ اُس کے ہاتھوں کی انگلیاں مسلسل کپکپا رہی تھیں۔ صباء نے نرمی سے پوچھا:

"کب سے گھبراہٹ محسوس ہو رہی ہے؟"

لڑکی خاموش رہی، تو صباء نے تھوڑی دیر خاموشی میں اس کی آنکھوں میں دیکھا، پھر ایک صفحہ آگے کیا:

"یہ تصویریں دیکھو، ان میں سے کون سی تمہاری کیفیت کے قریب ہے؟"

یہ کوئی عام سوال نہیں تھا، یہ اندر کی دیواریں توڑنے کا راستہ تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور صباء نے صرف ایک جملہ کہا:

"یہ آنسو بہت قیمتی ہیں، کیونکہ یہ پہلی بار سچ بولے ہیں۔"

دوسرا مریض:

ایک ادھیڑ عمر شخص، جسے لگتا تھا کہ دنیا اُسے سمجھ نہیں رہی۔ صباء نے اُسے بولنے دیا، روکنے کی کوشش نہیں کی۔ ہر لفظ، ہر سانس، ہر توقف میں صباء نے اُس کے ذہن کی گہرائی کو پرکھا۔

آخر میں وہ بولی:

"آپ کی بے سکونی کی جڑ شاید وہ توقعات ہیں، جو آپ نے خود سے باندھ لیں۔ آئیں، اُنہیں آہستہ آہستہ کھولیں۔"

صباء کا علاج صرف باتوں سے نہ تھا، بلکہ وہ Cognitive Behavioral Therapy (CBT)، relaxation techniques، journaling، اور کبھی کبھار روحانی تھراپی بھی استعمال کرتی تھی۔ وہ ہر مریض کو اُس کی زبان، اُس کے انداز میں سنبھالتی۔

وہ اکثر مریضوں سے کہتی:
"ذہن کا بوجھ دل سے بھی بھاری ہوتا ہے، اور ہم اُسے محسوس کرنے کی عادت بھول گئے ہیں۔"

موسم بہت خوبصورت تھا۔ پرندوں کی گنگناتی آوازیں اور رقص کرتی ہوا اُسے بے حد پسند آ رہی تھی۔ ایسا موسم جو دل کے اندر تک اتر جائے۔ وہ اپنی سوچوں میں گم کھڑکی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ اسے لگا شاید نوکرانی کھانا دینے آئی ہو، اس لیے بنا دیکھے بولی: "بانو، مجھے بھوک نہیں ہے، کھانا واپس لے جاؤ۔"

مگر آگے سے کوئی جواب نہ ملا۔ جب پلٹ کر دیکھا تو خیّام کالے رنگ کی شلوار قمیض پہنے، مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

سارہ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا کہ خیّام اس کے سامنے کھڑا ہے۔ خیّام نے بانہیں پھیلا کر کہا:

"کیا ہوا جانم؟ مجھے خوش آمدید نہیں کہو گی؟"

بس یہ سننا تھا کہ سارہ دوڑ کر اس کے سینے سے لپٹی اور رونے لگی۔ خیّام نے آہستہ سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اُسے چپ کروانے لگا۔

"آپ رو کیوں رہی ہیں؟ کیا میں واپس چلا جاؤں؟" خیّام نے شرارت سے کہا۔

تو سارہ فوراً سیدھی ہو کر اسے گھورنے لگی۔

"یہ کیا بات ہوئی؟ ایک تو بنا بتائے غائب ہو گئے، اب مجھے شکوہ بھی نہیں کرنے دے رہے!"
رونے کی وجہ سے اُس کی ناک سرخ ہو گئی تھی، اور غصے میں وہ اور بھی خوبصورت لگ رہی تھی۔ خیام بس اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔
"ارے نہیں میری جان، آپ کو شکوہ کرنے سے کس نے روکا؟ لیکن اس طرح رو کر اپنی آنکھوں پر ظلم نہ کریں۔ اور ہمارا بچہ کیا سوچے گا؟ کہ اُس کی مما بچوں کی طرح روتی ہے!"
سارہ پھر سے خیام کی بات پر ہنس پڑی۔ خیام نے اُس کے بالوں پر نرمی سے بوسہ دیا اور کہا،

"اچھا، چلیں اب نیچے چلتے ہیں، کاشان آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

سارہ جلدی سے حجاب لے کر خیام کے ساتھ نیچے جانے لگی، لیکن اُس نے نوٹ کیا کہ خیام صحیح سے نہیں چل پا رہا۔
"خیام، رکیں! یہ کیا ہوا ہے آپ کو؟ آپ تو صحیح سے چل بھی نہیں سکتے!"
سارہ ایک دم سے پریشان ہو گئی۔
"ارے، کچھ نہیں ہوا۔ جب سے آپ نے مجھے فرش پر گرایا تھا، تب سے یہ ٹانگ تھوڑی خراب ہو گئی ہے،" خیام نے مسکرا کر کہا۔
لیکن سارہ کو یقین نہ آیا۔ پھر بھی ، خیام اُسے جلدی سے نیچے لے آیا، جہاں کاشان اُنہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"السلام علیکم بھابھی! کیسی ہیں آپ؟"
"الحمدللہ! میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟"
"الحمداللہ ، میں بھی بالکل ٹھیک ہوں!"

"اچھا ماشاءاللہ ، آپ کھڑے کیوں ہیں؟ بیٹھیں، پلیز!"
سارہ خیام کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی اور سامنے ہی کاشان دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اُس نے کچھ تحائف سارہ کی طرف بڑھائے۔
"یہ بیبی کے لیے کچھ گفٹس لایا ہوں، اُمید ہے آپ کو پسند آئیں گے،" وہ مسکرا کر خیام کو دیکھنے لگا۔
سارہ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے گفٹس لے لیے۔

"باقی بابا اور گڑیا کہاں ہیں؟ نظر نہیں آ رہے؟" خیام نے سارہ سے پوچھا۔
"جی، بابا اور گڑیا دونوں یونیورسٹی گئے ہیں۔ بابا کی میٹنگ تھی اور گڑیا ابھی آنے والی ہو گی۔"

پشمینہ کا ذکر سنتے ہی کاشان کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی، جو سارہ نے فوراً نوٹ کر لی۔
چائے وغیرہ پینے کے بعد وہ باتوں میں مصروف تھے کہ باہر سے آتی پشمینہ کی نظر جیسے ہی خیام پر پڑی، ایک زور دار چیخ اُس کے منہ سے نکلی اور وہ بھاگ کر بھائی کے گلے لگ گئی۔

بھائی، آپ آ گئے؟ میں نے آپ کو بہت مس کیا ہے۔ اب میں آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گی۔ پتہ ہے، جب آپ گھر نہیں تھے تو سب بہت زیادہ اُداس ہو گئے تھے۔ بھابھی نے تو کھانا پینا بھی چھوڑ دیا تھا، اور بابا بھی آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ اور میں تو... میں نے آپ کو سب سے زیادہ یاد کیا!"

سب اُس کی باتوں پر ہنسنے لگے۔ تبھی پشمینہ کی نظر سامنے بیٹھے کاشان پر پڑی تو اُسے اندازہ ہوا کہ وہ بنا سوچے سمجھے کتنا کچھ کہہ گئی ہے۔

گلابی رنگ کے سوٹ پر سفید حجاب میں اُس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ کاشان نے بس اُسے ایک نظر دیکھا اور پھر سارہ کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گیا۔

پشمینہ اُٹھ کر سارہ کے ساتھ کچن میں آ گئی۔
"بھابھی، آپ کو پتہ ہے، آج یونیورسٹی میں بہت مزہ آیا۔ سب دوستوں نے خوب ہلا گُلا کیا، لیکن جب سب اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تو دل بہت اُداس ہو گیا۔ پتہ نہیں اب کب دوبارہ ملاقات ہو گی۔"

سارہ نے اُس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا،
"میری جان، اس طرح کا بچھڑنا تو ہر کسی کو زندگی میں کبھی نہ کبھی سہنا ہی پڑتا ہے۔ بس اللہ سے دعا کرو کہ وہ دوبارہ اپنے پیاروں سے ملا دے۔ اور اب اُداس مت ہونا، کیونکہ تمہارے چہرے پر مسکراہٹ بہت خوبصورت لگتی ہے۔"

کاشان جا چکا تھا تو خیام کچن کی طرف آیا، جہاں سارہ اور پشمینہ باتیں کر رہی تھیں۔
"اچھا، اب آپ دونوں کو باتوں سے فرصت مل گئی ہو تو مجھ غریب کو کھانا کھلاؤ۔ بھوک سے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں!"

"بھابھی، میں تو دوستوں کے ساتھ کھانا کھا کر آئی ہوں۔ آپ اور بھائی کھانا کھا لیں، میں کمرے میں جا رہی ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے، آپ فریش ہو جائیں۔ میں کمرے میں کھانا لے کر آتی ہوں۔"

خیام جب فریش ہو کر آیا تو سارہ صوفے پر کھانا رکھ رہی تھی۔ سارہ نے نیلے رنگ کا فراک پہنا ہوا تھا، جو اس پر بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ خیام سفید شلوار قمیض پہنے اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"آج میں آپ کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاؤں گا،" خیام نے نوالہ بنا کر سارہ کی طرف بڑھایا تو سارہ خوشی سے کھانے لگی۔

کھانے کے دوران اس کی نظر خیام پر تھی، جو پہلے کی نسبت کافی کمزور ہو چکا تھا، لیکن ہمیشہ کی طرح ماتھے پر بکھرے بالوں کے ساتھ بہت حسین لگ رہا تھا۔ اس کی گہری نیلی آنکھیں، جو خوشی سے چمک رہی تھیں، کسی کو بھی اپنا اسیر بنا سکتی تھیں۔

کھانے کے بعد خیام، سارہ کی گود میں سر رکھ کر باتیں کرنے لگا۔

"آپ کو پتہ ہے سارہ، یہ تین مہینے جو میں نے آپ کے بغیر گزارے ہیں، کسی عذاب سے کم نہیں تھے۔ دن رات آپ کی فکر

رہتی تھی۔ جس سے ایک دن دور نہیں رہ سکتا تھا، اس سے اتنا وقت کیسے رہوں گا؟ لیکن اللہ کو یہی منظور تھا۔ مشکل وقت گزر گیا اور اب الحمدللہ آپ میرے پاس ہیں۔"

سارہ خیام کے بالوں میں ہاتھ چلا رہی تھی۔ جب خیام کو روتے دیکھا تو اس کے ہاتھ رک گئے، سانسیں بند ہونے لگیں۔

"خیام! آپ رو کیوں رہے ہیں؟ بتائیں---"

"کچھ نہیں سارہ، یہ خوشی کے آنسو ہیں کہ میرے اللہ نے مجھے آپ جیسی ہمسفر عطا کی۔"

آج پہلی بار خیام پشتو میں اس سے محبت کا اظہار کر رہا تھا:

"سارا، ته زما لپاره د نړۍ تر ټولو ښکلې او ګرانه ښځه یې."
(سارہ، آپ میرے لیے دنیا کی سب سے خوبصورت اور عزیز عورت ہو۔)

"ته زما ټوله نړۍ یې، ته زما د ژوند تر ټولو ښکلې ډالۍ یې."
(آپ میری ساری دنیا ہو، میری زندگی کی سب سے خوبصورت نعمت ہو۔)

"ډېره مننه چې زما په ژوند کې راغلې، چې ما د خدای سره معرفي کړه."

(بہت شکریہ میری زندگی میں آنے کے لیے، اور مجھے اللہ سے
ملوانے کے لیے۔)

"خیام، آپ روئیں نہیں۔ شکریہ تو مجھے آپ کا ادا کرنا چاہیے جس
نے مجھے اتنا کچھ دیا۔ میں نے ہمیشہ آپ کو تکلیف دی، لیکن آپ
کبھی مجھ سے بدگمان نہیں ہوئے۔ آج میرے پاس جو کچھ ہے، اللہ
کے بعد وہ سب آپ کا دیا ہے۔ بہت شکریہ مجھے اپنی زندگی میں
شامل کرنے کے لیے۔"

"سارہ، ہم اپنے اللہ کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔ اچھا، مجھے آپ
سے ایک بات کرنی ہے---"

"جی بولیں، میں سن رہی ہوں۔"

"میں پشمینہ کی شادی کے بارے میں سوچ رہا ہوں---"

"ارے ابھی سے کیوں؟ ابھی تو وہ بہت چھوٹی ہے خیام---" سارہ اس
کی بات پر حیران ہوئی۔

"سارہ، میں نے اس کے لیے ایک لڑکا دیکھا ہے جو بہت اچھا ہے،
اور اسے بہت محبت کرتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جلد شادی ہو
جائے، تاکہ پشمینہ بھی اپنی زندگی میں خوش رہے۔ کیونکہ جب
سے امی گئی ہیں، وہ کافی چپ چپ سی ہو گئی ہے۔ اس کا یہ حال
مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔"

"ارے، مجھے تو پہلے ہی اندازہ تھا کہ کاشان کو ہماری گڑیا پسند ہے۔ آپ نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے، لیکن مجھے نہیں لگتا کہ پشمینہ ابھی مانے گی۔۔۔"

"میں خود گڑیا سے بات کروں گا، اگر اسے اعتراض ہوا تو میں کاشان کو منع کر دوں گا۔ میرے لیے گڑیا کی خوشی سب سے اہم ہے۔"

"ان شاء اللہ ، پشمینہ ضرور مان جائے گی خیام، کیونکہ کاشان بہت اچھا لڑکا ہے۔۔۔" سارہ خوشی سے نہال تھی۔

شام کے وقت جب خیام کی ملاقات شہباز سے ہوئی تو اس نے کاشان کا ذکر ان کے سامنے کیا۔ وہ کافی خوش ہوئے، کیونکہ وہ اسے بچپن سے جانتے تھے۔
"بہت اچھا لڑکا ہے، مجھے امید ہے میری گڑیا کو بہت خوش رکھے گا۔ چلو، تم پشمینہ سے بات کر لو، پھر آگے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔"

"جی بابا، میں بس ابھی بات کر کے آتا ہوں۔" کہتے ہوئے خیام پشمینہ کے کمرے میں آیا، جہاں وہ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد دعا کر رہی تھی۔

"ارے بھائی، آپ کھڑے کیوں ہیں؟ ادھر بیٹھیں۔"
پشمینہ اسے ساتھ لے کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔
کیسی ہے میری گڑیا؟" خیام اسے گلے لگا کر پوچھنے لگا۔"

میں بالکل ٹھیک ہوں بھائی، کیونکہ آپ میرے پاس ہیں۔" پشمینہ"
مسکرا کر کہنے لگی۔

اچھا گڑیا، مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ پہلے"
میری پوری بات سن لینا، اس کے بعد تمھارا جو فیصلہ ہوگا ہم وہی
کریں گے۔"

جی بھائی، آپ بتائیں کیا بات ہے۔ میں آپ کی بات کو کیسے ٹال"
سکتی ہوں؟"

ہم تمھاری شادی کرنا چاہتے ہیں، میرے دوست کاشان کے ساتھ۔"
اس نے تمھارا رشتہ مانگا ہے، اور مجھے یقین ہے وہ تمھیں بہت
خوش رکھے گا۔ اب تم بتاؤ، تمھارا کیا فیصلہ ہے؟"
خیام بات ختم کر کے اسے دیکھنے لگا۔

بھائی، میں آپ سب کے بنا کیسے رہوں گی؟ مجھے نہیں کرنی"
شادی۔" پشمینہ رونے لگی۔

ارے گڑیا، تم دور تھوڑی جا رہی ہو۔ میں تمھیں ہمیشہ خوش"
دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تمھیں کوئی پسند ہے تو مجھے بتا سکتی ہو۔"

خیام نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں کے پیالے میں لے کر کہا۔

"نہیں بھائی، مجھے کوئی پسند نہیں ہے۔ آپ جہاں رشتہ کرنا چاہتے ہیں، میں راضی ہوں۔"
پشمینہ شرما کر نظریں جھکا گئی۔

"میری گڑیا، دیکھنا کاشان تمھیں بہت خوش رکھے گا۔ تمھارا بھائی کبھی تمھیں مایوس نہیں ہونے دے گا۔ ہمیشہ خوش رہو۔"
خیام اس کے ماتھے پر بوسہ دے کر اسے نیچے لے آیا، جہاں شہباز اور سارہ ان کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔

"بہت مبارک ہو آپ سب کو، پشمینہ رشتے کے لیے راضی ہے۔"
خیام نے بتایا تو سارہ نے پشمینہ کو گلے لگا کر مبارکباد دی، پھر شہباز نے اسے سینے سے لگا لیا۔

"جیتی رہو میری گڑیا، اللہ تمھیں بہت خوش رکھے۔ آمین۔ اب سب لوگ شادی کی تیاری کریں، کیونکہ تین مہینے بعد شادی ہوگی۔ فی الحال ابھی مجھے کچھ کام نمٹانے ہیں۔"

سارہ میڈیسن لینے کمرے میں آئی تو خیام بھی آ گیا، اور کاشان کو مبارکباد دینے لگا۔
خیام ہر روز سارہ کو ساتھ لے کر واک کرتا۔ اس کے کھانے پینے اور میڈیسن تک کی ساری ذمہ داری اس کی تھی۔

کاشان ہوٹل اور دوسرے کام کے سلسلے میں قطر چلا گیا تھا۔ اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔
سب سے پہلے وہ محمد صاحب کی قبر پر گئے اور انھیں یہ خوش خبری سنائی، پھر وہاں سے سیدھا اپنی ماں کے پاس آئے۔ وہ سگی ماں نہیں تھیں، لیکن سگی ماں کی طرح کاشان اور خیام کو سمجھتی تھیں۔ وہ تھیں حلیمہ اماں، محمد صاحب کی بیوی۔

شادی کی تیاریاں تقریباً مکمل ہو چکی تھیں۔
کاشان نے خود پشمینہ کے لیے ڈارک مہرون کلر کا خوبصورت ایمبرائڈری والا ڈریس لے کر پاکستان بھیج دیا تھا۔

خیام جب آفس سے واپس آتا تو زیادہ تر وقت پشمینہ اور سارہ کے ساتھ باتوں میں گزارتا، کیونکہ یہ رشتے اس کے لیے بہت انمول تھے، جن کی ایک مسکراہٹ کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتا تھا۔

ابھی شادی میں ایک ہفتہ رہتا تھا۔ جب خیام عصر کے وقت واپس آیا تو پشمینہ اور سارہ اس کا انتظار کر رہی تھیں۔
جیسے ہی پشمینہ نے خیام کو دیکھا تو فوراً اس کے گلے لگ گئی۔

"آج ہمیں باہر جا کر آئس کریم کھانی ہے، آپ جلدی سے کپڑے چینج کر لیں، پھر چلتے ہیں۔ میں بھی چینج کر کے آتی ہوں۔"

کہتے ہوئے وہ اپنے روم میں چلی گئی۔

خیام نے سارہ کی طرف دیکھا، جو نظریں نیچے کیے کہنے لگی:
"میں نے گڑیا سے کہا تھا، آپ خیام کے ساتھ چلی جاؤ، میں نہیں
جاتی۔ لیکن وہ کہتی ہے، آپ جائیں گی تو میں جاؤں گی۔"

"آپ کیوں نہیں جانا چاہتیں؟ کوئی مسئلہ ہے تو بتائیں۔"
خیام اس کے قریب ہو کر اس کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں
لے کر تھوڑا پریشان ہوا۔

"نہیں، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اصل میں مجھے کچھ عجیب محسوس
ہو رہا ہے، کچھ میٹھا کھانے کو دل نہیں کرتا، تھوڑی تھکاوٹ ہو
رہی ہے... اور مجھے آئس کریم کی جگہ گول گپے کھانے ہیں۔"
سارہ اس کے سینے پر سر رکھے شرم سے کہنے لگی۔
سارہ کی بات پر خیام ہنسنے لگا،
"ارے میری شہزادی، یہ بھی کوئی بات ہے! چلیں، ہم پہلے گول
گپے کھائیں گے، پھر آئس کریم۔ جب آپ باہر جائیں گی تو بہتر
محسوس کریں گی۔ میں کپڑے چینج کر لوں، آپ یہیں بیٹھیں، میں
آپ کی شال لے آتا ہوں۔"

کہہ کر وہ کمرے میں چلا گیا۔
پیچھے سارہ کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔
اس نے کب سوچا تھا کہ اسے اتنا اچھا ہمسفر ملے گا۔
بیشک وہ بہتر سے بہترین عطا کرتا ہے۔

وہ خیام کا مان تھی، اس کا غرور تھی، جسے ہر حال میں مان کو برقرار رکھنا تھا۔

کسی کا مان مت توڑیں۔ مان اور محبتیں تو نصیب والوں کے حصے میں آتی ہیں، اور نصیب والے ہی انھیں سنبھال پاتے ہیں۔
کسی کے دل میں جگہ بنانے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے، لیکن دل سے اترنے کے لیے فقط ایک کوتاہی کافی ہوتی ہے۔
یہی اس دنیا کی ریت ہے۔
اپنی زبان اور کردار کی حفاظت کرنا جو لوگ سیکھ لیتے ہیں، وہ خالق و مخلوق دونوں کے محبوب بن جاتے ہیں۔

خیام اور پشمینہ آ گئے تھے۔
سارہ بڑی شال سے خود کو ڈھانپ کر کار میں بیٹھ گئی۔
جب وہ گول گپے کھانے کے لیے پہنچے تو سارہ کا موڈ ایک دم ٹھیک ہو چکا تھا، لیکن پشمینہ خود پر مسلسل کسی کی نظر محسوس کر رہی تھی۔
جب وہ دیکھتی تو کوئی نظر نہیں آتا۔
پھر وہم سمجھ کر سارہ سے باتیں کرنے لگی۔

آئس کریم کھانے کے بعد وہ رات کو دیر سے گھر آئے۔
سارہ نماز پڑھنے لگی جبکہ خیام اذلان کے پاس ہوٹل چلا گیا۔
پشمینہ اپنی دوست نمرہ سے کال پر گپ شپ کرنے لگی۔

جب سارہ نماز سے فارغ ہوئی تو نوکرانی جلدی سے کمرے میں آئی،

"سارہ بی بی، آپ جلدی سے چلیں، وہ صباء کی طبیعت کافی خراب ہو گئی ہے۔ باہر خیام صاحب کے دوست آپ کا انتظار کر رہے ہیں، ابھی ان کے گھر جانا ہے۔ انھوں نے خیام صاحب کو کال کی ہے کیونکہ آپ کال پک نہیں کر رہی تھیں۔"

سارہ سمجھ گئی تھی کہ صباء کی حالت پہلے کی طرح خراب ہوگی، اس لیے جلدی سے نیچے آئی، جہاں اذلان اس کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ اس کے ساتھ صباء کے گھر پہنچ گئی، تو اسما نے اسے کمرے میں جانے کا اشارہ کیا۔ ان کی حالت بھی صباء کی وجہ سے خراب لگ رہی تھی۔

"اذلان، آپ ڈاکٹر کو کال کریں اور آنٹی کو سنبھالیں، میں صباء کو دیکھتی ہوں۔"

جب سارہ کمرے کے پاس آئی تو کمرہ اندر سے بند تھا۔ سارہ پریشان ہو گئی، کیونکہ اس نے صباء کو کبھی اس طرح نہیں دیکھا تھا۔

وہ دروازے کو زور زور سے کھٹکھٹانے لگی:

"صباء، دروازہ کھولو! پلیز! میں ہوں سارہ، یار جلدی دروازہ کھولو، ورنہ مجھے کچھ ہو جائے گا!"

سارہ رونے لگی، کیونکہ اندر سے کوئی جواب نہیں آیا تو اس نے اذلان کو بلایا۔

سارہ کو روتا دیکھ کر اسما اور اذلان بھاگ کر اوپر آئے۔
"اذلان، دروازہ توڑ دیں! صباء نہیں کھول رہی۔"

اذلان نے دو تین دھکوں سے ہی دروازہ توڑ دیا تھا...

جب سامنے پڑے وجود پر نظر پڑی تو قدم وہیں رک گئے۔ سارہ نے اندر دیکھا تو صباء سفید رنگ کے فراک میں ملبوس بیڈ کے ساتھ نیچے پڑی تھی۔ چہرے پر سیاہ بال بکھرے ہوئے تھے اور اس کی ایک کلائی سے خون بہہ رہا تھا۔

سارہ اور اسماء نے فوراً صباء کو سیدھا کیا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔ سارہ پاگلوں کی طرح رو رہی تھی۔

"بھابھی، آپ پریشان نہ ہوں، میں چیک کرتا ہوں۔" اذلان نے انھیں پیچھے کیا اور اس نازک کلی کی کلائی دیکھی جو شیشے سے کاٹی گئی تھی۔ زخم کافی گہرا تھا۔ اذلان نے فوراً اس کے بازو پر پٹی باندھی تاکہ خون ضائع نہ ہو۔ پھر ایک نظر صباء کے چہرے پر ڈالی۔ دل میں سوال اٹھا: آخر اس نے ایسا کیوں کیا؟

پھر اس نے سارہ کی طرف دیکھا، "بھابھی، ہمیں فوراً ہسپتال لے جانا ہوگا، ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ آنٹی، آپ یہیں رکیں۔ میں اور سارہ صباء کو لے جاتے ہیں۔ آپ دعا کریں۔"

سارہ نے جلدی سے ایک بڑی سی شال صباء کے اوپر ڈال دی۔ اذلان نے اسے اپنی باہوں میں اٹھایا اور کار میں لے آیا، جہاں سارہ نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔

"صباء، یہ تم نے کیا کر دیا؟ پلیز، آنکھیں کھولو نا!" سارہ اس کا چہرہ تھپتھپا رہی تھی۔

اذلان پاگلوں کی طرح گاڑی چلا رہا تھا۔ اسپتال پہنچ کر وہ صباء کو اٹھا کر اندر لایا، سارہ اس کے ساتھ تھی۔ خیام پہلے ہی وہاں پہنچ چکا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر سارہ کو چپ کروانے لگا، جو مسلسل رو رہی تھی۔

ادھر اذلان ڈاکٹر کے ساتھ کمرے میں تھا، جہاں صباء کا چیک اپ ہو رہا تھا۔

"خیام، پلیز! میری صباء کو کچھ نہیں ہوگا نا؟ میں کیسی دوست ہوں؟ مجھے اُس کے پاس ہونا چاہیے تھا اُس وقت!" سارہ خود کو کوس رہی تھی۔

خیام نے اسے کرسی پر بٹھایا اور پانی پلایا۔

"ساره، دیکھیں، اس میں آپ کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ اور آپ پریشان نہ ہوں، وہ جلدی ٹھیک ہو جائیں گی۔ صبر کریں اور اللہ سے دعا کریں۔"

تھوڑی دیر بعد اذلان باہر آیا، "بھابھی، آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ کی دوست اب بالکل ٹھیک ہے۔ ان کی پٹی کر دی گئی ہے، آپ ان سے مل سکتی ہیں۔"

ساره نے شکر ادا کیا اور اندر آئی۔ صباء نے اسے دیکھا تو رونے لگی۔ ساره نے اسے فوراً گلے لگا لیا۔

"یہ کیا حرکت تھی صباء؟ تمہیں پتا ہے میری جان نکل رہی تھی! اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں کیسے زندہ رہتی؟ خود پر نہیں تو کم از کم میری حالت پر رحم کرتی!" ساره بولے جا رہی تھی اور صباء بس ہچکیوں میں رو رہی تھی۔

شاید اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ دل کے اندر اٹھنے والی یہ طوفانی لہر آخر کس سمت جا رہی تھی۔ ساره نے نرمی سے اس کے آنسو پونچھے اور جوس کا گلاس اس کے لبوں تک لے گئی۔

اتنے میں دروازہ کھلا اور اذلان اندر آیا۔ صباء نے گھبرا کر دوپٹہ درست کیا، جیسے اپنی شکستہ حالت کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی ہو۔ سارہ نے مسکرا کر کہا،
"یہ خیام کے دوست ہیں... اگر یہ وقت پر نہ پہنچتے تو شاید ہم... ہم صباء کو کھو دیتے۔"

"نہیں بھابھی، ایسی کوئی بات نہیں۔" اذلان نے نرمی سے کہا، "ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے، یہ میرا فرض تھا۔"

اس نے آہستہ سے صباء کی کلائی تھامی اور نبض چیک کی،
"اب کیسا محسوس ہو رہا ہے؟"

"جی... بہتر ہے۔" صباء نے مدھم سی آواز میں کہا۔

یہ آواز اذلان کے دل کی دیواروں سے ٹکرا کر گونجی۔ وہ چاہتا تھا وقت یہیں رک جائے، یہ لمحہ کبھی نہ گزرے۔ جب اس کی نظریں صباء کی سیاہ، خاموش آنکھوں سے ٹکرائیں تو وہ ٹھٹھک گیا—وہ آنکھیں، جن میں سمندر جیسا سکوت اور درد چھپا ہوا تھا۔ اس نے خود کو بمشکل سنبھالا،
"بھابھی، آپ اب انھیں گھر لے جا سکتی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ خود کو خیام کے پاس جا کر چھپا گیا۔

رات کا پہر گہرا ہو چکا تھا۔ گھڑی نے ایک بجنے کا اعلان کیا، جب سارہ صباء کو اس کے کمرے تک چھوڑنے آئی۔ وہ اسے بیٹھا کر خود رونے لگی۔ صباء نے اس کے ہاتھوں کو تھاما،
"سارہ... اب کیا ہو گیا؟ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کیوں رو رہی ہو میری جان؟"

سارہ نے لرزتی آواز میں کہا،
"آج تم مجھ سے وعدہ کرو۔ جب کبھی دل پر بوجھ پڑے، جب آنکھیں بھر آئیں، جب سانسیں گھٹنے لگیں... تم مجھے فوراً کال کرو گی۔ وعدہ کرو، دوبارہ ایسی حرکت نہیں کرو گی۔"

"پکا وعدہ۔" صباء کی آنکھوں میں شرمندگی اور ندامت تھی۔ "ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ پلیز، مجھے معاف کر دو۔ اور اب تم جاؤ، آرام کرو۔ میری وجہ سے تم نے بہت برداشت کیا۔"

سارہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے سر پر پیار سے تھپکی دی،
"تمھاری وجہ سے نہیں، تمھارے لیے۔ تم میری دوست ہو، میرا فخر ہو۔ تم میرے لیے بہت قیمتی ہو، یہ کبھی مت بھولنا۔ آنٹی کا بھی خیال رکھنا، اور اپنا بھی۔ اللہ حافظ۔"

یہ کہہ کر وہ آنسو صاف کرتی نیچے اتر گئی، اور کمرے میں خاموشی رہ گئی... لیکن اُس خاموشی میں ایک نیا عہد جنم لے چکا تھا۔

کمرہ اب خالی ہو چکا تھا۔ صباء اور سارہ کے جانے کے بعد اذلان دیوار سے ٹیک لگا کر خاموشی سے کھڑا تھا۔ اسپتال کی روشنی ہلکی ہو چکی تھی، رات کا سکوت جیسے دل کے اندر تک اتر رہا ہو۔

وہ دیر تک اسی جگہ کھڑا رہا، جہاں چند لمحے پہلے وہ ایک لڑکی کی نبض چیک کر رہا تھا—مگر آج پہلی بار اسے محسوس ہوا کہ اس نے صرف نبض نہیں چیک کی، کسی کے درد کو چھوا ہے۔

"صباء..." اس نے آہستگی سے اس نام کو لبوں پر دہرایا، جیسے وہ نام نہیں کوئی دعا ہو، جو دل کے نہاں خانوں میں اترتی جا رہی ہو۔

اس کی آنکھوں میں وہ منظر گھوم گیا: صباء کا خاموش چہرہ، لرزتے ہاتھ، زرد پڑا رنگ، اور وہ سیاہ آنکھیں... جن میں چیخیں تھیں، مگر آواز نہ تھی۔

"کتنا کچھ سہ چکی ہو گی تم، اور کوئی جان ہی نہ پایا..." اس نے دل میں سوچا۔

یہ پہلی بار تھا کہ وہ کسی مریض کے بارے میں یوں گہرائی سے سوچ رہا تھا۔ شاید اس لیے نہیں کہ وہ اس کی مریضہ تھی، بلکہ

اس لیے کہ وہ اذلان کے دل میں وہ خلاء بھر گئی تھی، جو سالوں سے خالی تھا۔

"میں ڈاکٹر ہوں... مجھے خود پر قابو رکھنا چاہیے،" اس نے سر جھٹکا، لیکن دل کی دھڑکنوں میں صباء کی آواز اب بھی گونج رہی تھی۔

"جی... بہتر ہے۔" وہی مدھم سا لہجہ، وہی جھجک، وہی خاموشی۔

اذلان آہستہ سے کرسی پر بیٹھ گیا، دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں گرا کر پیشانی ان پر رکھ لی۔ دل کی حالت کچھ ایسی تھی جیسے کوئی نیا باب شروع ہو رہا ہو—نہ سمجھ آنے والا، مگر دلکش۔

یہ کیا ہے؟ فکر؟ ترس؟ یا... محبت؟

پہلی بار، اذلان نے دل کی دیواروں پر کسی کا نقش بنتے دیکھا۔ کوئی جو خود بھی ٹوٹا ہوا تھا، مگر دوسروں کو بکھرنے سے بچا رہا تھا۔

وہ جانتا تھا، یہ آغاز ہے... ایک کہانی کا، جو شاید خاموشی سے، آہستہ آہستہ، دل میں جگہ بنا لے گی۔

خیام اس کا انتظار کر رہا تھا۔
"اچھا آنٹی، اب میں چلتی ہوں۔ آپ بھی آرام کریں، فکر نہ کریں۔
آئندہ ایسا کچھ نہیں ہوگا، صباء کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔"
"بہت شکریہ بیٹا، اگر تم نہ ہوتیں تو پتا نہیں کیا ہوتا۔ اپنا خیال
رکھنا۔ اللہ پاک تمہیں تم جیسی پیاری بیٹی عطا کرے۔"
اسماء نے دعا دی جس پر سارہ اور خیام دونوں نے آمین کہا اور وہ
گھر کے لیے نکل آئے۔

راستے میں سارہ سیٹ سے سر لگائے بولی،
"خیام، آپ اذلان بھائی کو میرا شکریہ ضرور کہہ دیجیے گا۔ اگر وہ
نہ ہوتے تو میں کیا کرتی۔ اور میری طرف سے معذرت، میں انہیں
گھر آنے کا بھی نہیں کہہ سکی۔"
"شکریہ کی ضرورت نہیں، وہ اس کا فرض تھا۔ لیکن میں پھر بھی
کہہ چکا ہوں۔ اور خود کو بلاوجہ سوچوں میں مت الجھایا کریں،
سب ٹھیک ہو جائے گا، ان شاء اللہ ۔"

پھر خیام کہنے لگا،
"ویسے اذلان مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ یہ سب صباء کے ساتھ
کیوں ہوا؟ ان کی حالت واقعی بہت سیریس تھی، تو کوئی وجہ تو
ہوگی؟"
یہ سنتے ہی سارہ کا چہرہ ایک دم نیچے جھک گیا اور وہ صباء
کی زندگی کی کہانی بتانے لگی۔

"اوہ، یہ تو بہت برا ہوا ہے صباء کے ساتھ... اللہ انہیں صبر دے،"
"آمین۔"
خیام نے دکھی لہجے میں کہا، "اور میں کل ہی اذلان کو اس کی مکمل بات بتا دوں گا، شاید وہ کوئی حل نکال سکے۔"

سارہ باتیں کرتے کرتے ہی سو گئی۔ جب گھر پہنچے تو خیام نے اس کی سائیڈ کا دروازہ کھولا، اسے باہوں میں اٹھایا اور کمرے میں بیڈ پر لٹا دیا۔
پھر آہستہ سے اس کے جوتے اتارے، شال اتاری اور سائیڈ پر رکھی، حجاب ٹیبل پر رکھا، اور اسے کمفرٹر اوڑھا دیا۔
ماتھے پر ایک نرماہٹ بھرا بوسہ دے کر وہ خاموشی سے سارہ کو دیکھتا رہا اور پھر سو گیا۔

اگلے دن خیام ایک ہوٹل میں اذلان کے ساتھ بیٹھا تھا...
اذلان:
(پریشان ہو کر) خیام، مجھے سمجھ نہیں آ رہی... صباء اتنی خاموش کیوں ہے؟ وہ جیسے کچھ کہنا چاہتی ہے، مگر روک لیتی ہے۔ کیا ہوا ہے اسے؟

خیام:
(لمبی سانس لیتا ہے) اذلان، تم سچ سننا چاہتے ہو، تو برداشت بھی کرنا ہوگا۔

اذلان:

(دل تھام کر) میں سننے کے لیے تیار ہوں... بتاؤ مجھے۔

خیام:
صباء... وہ بچپن میں ماں باپ کے گھر نہیں، میدانِ جنگ میں رہتی تھی۔ اس کی ماں اسے "بدکردار"، "منہ پھٹ"، "لعنتی" جیسے الفاظ سے پکارتی تھی۔
ہر روز گھر میں لڑائیاں ہوتیں، دروازے ٹوٹتے، آوازیں گونجتیں، اور صباء کونے میں چھپ کر روتی تھی۔

اذلان:
(دھیرے سے) یا اللہ...

خیام:
ایک دن... وہ سب برداشت نہ کر سکی۔ بیگ اٹھایا، دروازہ بند کیا اور ہمیشہ کے لیے نکل گئی۔ تب وہ صرف سترہ سال کی تھی۔

اذلان:
(دم بخود) پھر... پھر کیا ہوا؟

خیام:
راستہ بھٹکی تو اللہ نے اسماء آنٹی کو اس کے لیے بھیج دیا۔ وہ ایک یتیم خانے کی انچارج تھیں۔ انہوں نے صباء کو سینے سے لگایا، پڑھایا، سنوارا، اور آج وہ ایک بہترین سائیکالوجسٹ ہے... مگر خود کے زخم ابھی تک رستے ہیں۔

اذلان:
(خاموشی سے نظریں زمین پر)

خیام:
آج بھی بعض راتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ چیخوں سے جاگتی ہے۔
اکثر خود سے نفرت کرنے لگتی ہے، اور سمجھتی ہے کہ کوئی
اسے کبھی قبول نہیں کرے گا۔

اذلان:
(آنکھیں نم ہو چکی تھی)
تو کیا وہ مجھ سے دور اس لیے رہتی ہے؟ کیونکہ اسے لگتا ہے وہ
محبت کے قابل نہیں؟

خیام:
نرمی سے) ہاں۔۔۔ وہ خود کو تمہارے لائق نہیں سمجھتی۔)

خیام نے آہستہ سے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اٹھ کر چل دیا۔۔۔

اذلان کچھ لمحے خاموش بیٹھا رہا پھر آسمان کی طرف دیکھنے لگا

اذلان:
(دھیرے سے، مگر مضبوط لہجے میں)

"اگر اللہ نے اسے میرے راستے میں رکھا ہے، تو اس کا درد بھی
میری ذمہ داری ہے۔
میں صباء کی صرف مسکراہٹوں سے نہیں، بلکہ اس کے زخموں
سے بھی محبت کروں گا۔
اور اسے یہ یقین دلواؤں گا...
کہ وہ نہ صرف محبت کے قابل ہے، بلکہ وہ میری زندگی کی سب
سے قیمتی امانت ہے۔
میں اس سے شادی کروں گا۔"

چار دن بعد:

اذلان، خیام کے گھر آیا تاکہ سارہ سے صباء کے متعلق بات کر
سکے۔ سارہ جب لان میں آئی تو سلام کر کے خیام کے ساتھ بیٹھ
گئی۔
"جی اذلان بھائی، آپ بولیں۔ صباء کے متعلق کچھ معلوم ہوا آپ کو؟
کس طرح اس کی حالت بہتر ہو سکتی ہے؟"

"جی بھابھی، اسی لیے آیا ہوں۔ میں خود صباء سے مل کر بات کرنا
چاہتا ہوں تاکہ اس کی پوری بات تفصیل سے سن سکوں۔
اور ایک بات اور ہے... میں صباء کو پسند کرنے لگا ہوں، اور میں
وعدہ کرتا ہوں کہ اسے اتنا خوش رکھوں گا کہ وہ اپنا ہر غم بھلا
دے گی۔

یہ بات میرے والدین کرتے اگر زندہ ہوتے، لیکن اب میں خود آپ دونوں سے صباء کا رشتہ مانگتا ہوں۔"

اذلان شرمیلے انداز میں سر جھکائے بول رہا تھا، جیسے خیام سے نظریں ملانے کی ہمت نہ ہو۔
سارہ نے خیام کی طرف دیکھا، وہ مسکرایا:
"جی، ہمیں یہ رشتہ قبول ہے، لیکن صباء سے تمہیں خود بات کرنی ہوگی۔"

"بہت شکریہ بھائی، بھابھی۔ اگر آپ مان گئے ہیں تو ان شاء اللہ صباء بھی ضرور مان جائیں گی۔"
سارہ نے بھی مسکرا کر ان شاء اللہ کہا۔ اسے خوشی تھی کہ اذلان جیسا اچھا انسان صباء کی زندگی میں خوشیاں لانے والا ہے۔۔

اگلے دن:

اذلان شام کے وقت صباء کے گھر کے باہر کھڑا اس کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔
جب صباء گندمی رنگت کے ساتھ گلابی حجاب اور بڑی سی شال میں لپٹی باہر نکلی تو اذلان نے سلام کر کے کار کا فرنٹ دروازہ کھولا۔
صباء چپ چاپ آ کر بیٹھ گئی۔ سفر کے دوران دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔

اذلان نے ایک خوبصورت اور پرسکون جگہ پر کار روکی، جہاں
پرندوں کی چہچہاہٹ اور سبزہ تھا۔
"آئیے، یہاں بیٹھتے ہیں۔"

صباء ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور اذلان بھی اس کے سامنے بیٹھ
گیا۔
اذلان نے دیکھا کہ صباء نروس ہو رہی تھی اور اپنی انگلیاں دبا
رہی تھی۔

"آپ ریلیکس ہو جائیں، میں صرف بات کرنا چاہتا ہوں۔
اگر اس کے لیے آپ کو تکلیف دی تو معذرت، لیکن یہ بات بہت
ضروری تھی---

"دیکھیں، میں آپ کے ماضی کے بارے میں سب جانتا ہوں، اور
میں محسوس کر سکتا ہوں کہ اذیت کیا ہوتی ہے، اپنوں سے
بچھڑنے کا دکھ کیسا ہوتا ہے، سانس رکنے جیسا احساس کیا ہوتا
ہے، اور زندہ رہتے ہوئے بھی خود کو ایک لاش محسوس کرنا
کیسا لگتا ہے۔"
اذلان بول رہا تھا اور صباء بے یقینی سے اسے دیکھے جا رہی
تھی۔
جب اذلان خاموش ہوا تو صباء نے آہستگی سے بولنا شروع کیا:

"آپ کو پتا ہے، میں اپنے اللہ سے بہت محبت کرتی تھی۔"

اللہ کو دوست بنانے کے لیے نماز پڑھتی، روزے رکھتی، پردہ کرتی۔
لیکن جب میرے دکھ بڑھتے چلے گئے، شاید میں سیدھے راستے سے ہٹ گئی۔
مجھے کسی کی محبت نہیں چاہیے تھی، صرف اللہ کی محبت ضروری تھی،
لیکن میں دور ہو گئی... مجھ میں ہمت نہیں تھی، دکھ برداشت کرنے کی،
مجھ سے صبر نہیں ہوا، مجھے سکون نہیں ملا۔
مجھے کبھی کسی سے محبت نہیں ملی... کیوں؟
آخر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟"
وہ روتے ہوئے بولتی جا رہی تھی،
"بس یہی سوچ سوچ کر میرا اللہ سے رابطہ کمزور ہو گیا۔
میں بہت شرمندہ ہوں، اپنے رب کے سامنے کیسے جاؤں گی؟
میں تھک چکی ہوں..."

صباء کے اندر کا لاوا اُبل کر باہر آ چکا تھا۔
اذلان خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا،
اس کی تکلیف کو سن رہا تھا،
وہ تکلیف جو برسوں سے اس کے دل میں دفن تھی۔

جب صباء خاموش ہوئی،
اذلان نے خاموشی سے اسے پانی دیا اور نرمی سے بولا:

"جب اللہ چاہتا ہے، وہ نواز دیتا ہے،
اور جب وہ چاہے، تو درد اور تکلیف سے نکال دیتا ہے۔
لیکن اصل ڈر تو اُس وقت ہونا چاہیے جب اللہ ناراض ہو کر
ہم سے اپنی رحمت کا دروازہ بند کر دے...
اور ہمیں یہ توفیق بھی نہ دے کہ ہم توبہ کر لیں،
اس سے دعا مانگ لیں، اس کے قریب ہو جائیں۔

بیشک —
اے اللہ! ہم تیرے ان گنت احسانات پر سجدہ شکر ادا کرتے ہیں

اذلان نے کچھ لمحے خاموشی سے صباء کو دیکھا، پھر نرم لہجے
میں بولا:

"صباء... میں جانتا ہوں کہ شاید یہ وقت تھوڑا عجیب ہو، اور شاید
آپ یہ سب سننے کے لیے تیار بھی نہ ہوں۔ لیکن میں سچ بولوں گا،
جو دل میں ہے، وہ لفظوں میں ڈال رہا ہوں۔"

صباء نے نظریں جھکا رکھی تھیں، اس کی انگلیاں اب بھی ایک
دوسرے میں الجھی ہوئی تھیں۔

"جب پہلی بار آپ کو دیکھا، آپ کی آنکھوں میں جو خاموشی
دیکھی... وہ چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہی تھی۔

ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے میں نے بہت چہرے دیکھے ہیں، لیکن آپ کے چہرے پر جو درد ہے... وہ صرف دوا سے ٹھیک نہیں ہو سکتا۔
مجھے نہیں پتا یہ سب کیسے ہوا، کب ہوا... بس یہ احساس ہوا کہ میں آپ کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں، مسکراتا ہوا، مطمئن۔"

صباء کی پلکوں پر نمی آ گئی، اس نے ہلکے سے اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ لیا تاکہ آنسو چھپ جائیں۔

اذلان نے دھیرے سے کہا:
"میں آپ کی زندگی میں زبردستی نہیں آنا چاہتا، نہ کسی احسان کے جذبے سے۔
میری چاہت میں کوئی ترس نہیں، صرف خلوص ہے۔
اگر آپ مجھے اپنی زندگی میں شامل ہونے کی اجازت دیں تو وعدہ کرتا ہوں... جو درد آپ کی آنکھوں میں ہے، اسے مسکراہٹوں سے بدل دوں گا۔
میں آپ کا ہمسفر بننا چاہتا ہوں، صرف اس لیے نہیں کہ آپ کو سہارا چاہیے، بلکہ اس لیے کہ میں آپ کو چاہتا ہوں۔"

اب صباء کی آنکھوں سے دو آنسو اس کے رخسار پر بہہ گئے۔ وہ آہستگی سے بولی:

"اذلان... میں بہت کچھ کھو چکی ہوں۔
مجھے ڈر لگتا ہے... خوشی سے بھی۔

میں کسی اور کا دل نہیں توڑنا چاہتی، خود کو پھر سے نہیں ٹوٹنے دینا چاہتی۔"

اذلان مسکرایا، وہ سکون جس کی وہ نمائندگی کرتا تھا، آج اس کے لہجے میں بھی تھا:

"میں آپ کو وقت دوں گا، اور اگر آپ کبھی نہیں مانیں گی، تو بھی شکایت نہیں ہوگی۔
میری محبت آپ کی مرضی سے مشروط نہیں۔
بس یہ جان لیجیے گا کہ کوئی ہے... جو آپ کے ساتھ بغیر شرط کے کھڑا ہے۔"

اذلان مسکرانے لگا، "اب میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ میرا نام اذلان شاہ ہے اور میں کراچی کا رہائشی ہوں۔ میرے ماں باپ بچپن میں ایک کار ایکسیڈنٹ میں وفات پا گئے تھے----
ان کے بعد میرا کوئی نہیں تھا۔ میں نے خود محنت مزدوری کر کے اپنی پڑھائی مکمل کی، اور اسکالرشپ کے ذریعے انگلینڈ جا کر ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کی۔ خیام بھائی سے پہلی ملاقات لندن میں ہوئی تھی، اور آج ہم بہترین دوست ہیں، الحمداللہ ----
اب میں آرمی میں بطور ڈاکٹر اپنی خدمات انجام دے رہا ہوں۔

باقی اگر آپ کو میرے بارے میں کچھ جاننا ہو تو آپ خیام سے پوچھ سکتی ہیں۔ دراصل یہ سب بتانے کا مقصد یہ تھا کہ میں آپ سے کچھ نہیں چھپانا چاہتا، کیونکہ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں---
جب سے آپ کو دیکھا ہے، مجھے پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔ نیند تک نہیں آتی۔ میں بس آپ کو آپ کی مرضی سے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔

"کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟

اذلان نے ایک خوبصورت ڈائمنڈ رنگ اس کے سامنے رکھی اور صباء کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

صباء نے اس شخص کو دیکھا جو سب کچھ جانتے ہوئے اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ واقعی، "آپ کا رب آپ کی سوچ سے بڑھ کر عطا کرتا ہے"۔ صباء نے سر کو ہاں میں ہلایا، تو اذلان نے وہیں سجدہ شکر ادا کیا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے، تو بہت کریم ہے! آج میں بہت خوش ہوں۔ صباء، آپ کا بہت شکریہ، مجھ ناچیز کو اپنا ہم سفر بنانے کے لیے۔"

اذلان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا، ورنہ ساری دنیا کو چیخ چیخ کر بتاتا۔

کوئی آئے اور اُس خوش نصیب کو دیکھے،
جسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔
صباء کو گھر ڈراپ کر کے اذلان اپنے بنگلے پہنچا،
جہاں خیام اور کاشان اُس کا انتظار کر رہے تھے۔
اذلان کے چہرے کی مسکراہٹ دیکھ کر ہی اُنہیں اندازہ ہو گیا کہ
صباء مان گئی ہے۔
دونوں آگے بڑھے اور اُسے گلے لگا کر مبارک باد دی۔

"واہ، کیا بات ہے!" خیام نے شکر ادا کرتے ہوئے کہا،
"اب تک صرف میرے ایک دوست کی شادی ہو رہی تھی،
اور اب دیکھو، دونوں گدھوں کی ایک ساتھ ہو رہی ہے۔ ماشاء اللہ!"
یہ سن کر تینوں ہنس پڑے۔

صباء کا ڈریس اذلان نے خود پسند کیا تھا —
سرخ رنگ کا خوبصورت ایمبرائیڈری والا لباس۔

اسی طرح وقت گزرتا گیا، اور شادی میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تھا۔
شادی بالکل سادگی سے کی جانی تھی، اور تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔

کاشان بھی قطر سے واپس آ کر ایک خوبصورت بنگلے میں شفٹ ہو چکا تھا،
جہاں اذلان اس کے ساتھ مل کر گھر سجانے میں لگا ہوا تھا۔

خیام نے اذلان سے کہا تھا کہ وہ کچھ دن یہیں رہے،
پھر پشمینہ کو لے کر قطر چلا جائے، تاکہ اُس کی جان کو کسی قسم کا خطرہ نہ ہو۔
جبکہ اذلان اور صباء نے نکاح کے ایک مہینے بعد کینیڈا شفٹ ہو جانا تھا۔

خیام نے سفید رنگ کی شلوار قمیض پر خوبصورت شال کندھے پر ڈال رکھی تھی،
جبکہ سارہ نے مہرون رنگ کی فراک پہنی تھی جس پر ہلکا سا کام ہوا تھا۔
اس کے ساتھ میچنگ حجاب اور ہلکے سے میک اپ کے ساتھ آئینے کے سامنے کھڑی وہ بڑی شال سے خود کو کور کر رہی تھی،
کہ اچانک خیام نے پیچھے سے آ کر اُسے باہوں میں بھر لیا۔

"ماشاء اللہ، ہمیشہ کی طرح بہت خوبصورت لگ رہی ہیں آپ،
اللہ نظرِ بد سے بچائے!"
سارہ نے پلٹ کر خیام کی نیلی آنکھوں میں دیکھا،
جہاں صرف اپنی ذات کے لیے بے پناہ محبت نظر آئی،

اور اُس نے نرمی سے اس کے ماتھے پر بکھرے ہوئے بالوں کو چوم لیا۔
پھر شرماتے ہوئے تیزی سے پشمینہ کے کمرے کی طرف بھاگ گئی،
اور پیچھے کھڑے خیام کو سارہ کی یہ ادا بہت پیاری لگی،
آخر وہی تو اس کی دنیا تھی۔

جب سارہ کمرے میں پہنچی،
تو وہاں پشمینہ دلہن کے روپ میں جیولری، مہرون پل اسٹک اور خوبصورت میک اپ کے ساتھ کسی شہزادی کی طرح لگ رہی تھی۔
جبکہ صباء، سرخ عروسی لباس میں، جیسے قیامت ڈھا رہی ہو۔

سارہ نے دونوں کی نظر اتاری اور کہا:
"ماشاء اللہ، بہت خوبصورت لگ رہی ہو تم دونوں۔
اللہ تمھیں نظرِ بد سے بچائے، آمین۔"

نکاح کا وقت ہو چکا تھا۔
سب مرد نیچے لاؤنج میں،
جبکہ عورتیں اوپر ہال میں موجود تھیں۔
نکاح کی تقریب میں سارہ کے والدین اور صباء کی امی بھی شامل تھیں۔

جب نکاح مکمل ہوا تو سب نے ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کی۔

خیام نے پشمینہ کو گلے لگا کر مبارک باد دی،
اور کچھ پیپرز اس کے ہاتھ میں تھما دیے۔
"بھائی، یہ کس چیز کے پیپرز ہیں؟"
پشمینہ کو کچھ سمجھ نہ آیا۔

"یہ اُس گھر کے پیپرز ہیں جو قطر میں تمھارے نام ہے۔"
خیام نے اُس کے ہاتھ پر محبت سے بوسہ دیا۔
پشمینہ سارہ اور خیام کے گلے لگ کر رونے لگی۔
"بہت شکریہ آپ دونوں کا..."

پھر خیام نے اُس کا ہاتھ کاشان کے ہاتھ میں دیا۔
پشمینہ ایک لمحے کے لیے کانپ گئی،
لیکن اُس کا مقابل نرمی سے اُس کا ہاتھ تھامے کھڑا تھا —
اور یہی ہاتھ، اب ساری زندگی کا ساتھ دینے والا تھا۔

گھونگھٹ کی وجہ سے وہ کاشان کا چہرہ نہیں دیکھ سکی،
لیکن دل کو یہ اطمینان تھا کہ
اب کی بار اُس کا نصیب، اُس کے صبر کا صلہ تھا۔

شہباز نے اُسے کار میں بٹھایا اور اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔ آج اس کی گڑیا اتنی بڑی ہو گئی تھی کہ اپنے گھر جا رہی تھی۔ وقت کتنی تیزی سے گزرا، اُنہیں آج اس کا اندازہ ہوا۔

کاشان سب سے مل کر، خود ڈرائیو کرتا ہوا اپنے گھر روانہ ہو گیا، جبکہ سارہ نے صباء کو گلے لگایا۔

"ہمیشہ خوش رہو، اللہ کرے تمہاری زندگی میں اب صرف سکون اور خوشیاں ہوں۔ اور یہ تمہارے لیے ہم دونوں کی طرف سے..."
سارہ نے مسکرا کر خیام کی طرف دیکھا۔

"یہ لاہور والے گھر کے کاغذات ہیں، جو اب تمہارے نام ہیں۔ میں تمہارے احسانوں کے نیچے دبی ہوئی ہوں، تم مجھے شرمندہ کر رہی ہو..."
یہ کہہ کر سارہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

صباء، سارہ کے گلے لگ کر رونے لگی۔

"یہ کیسی باتیں کر رہی ہو صباء؟ تم بھی میری بہن ہو، اور بہنوں کا بھائیوں پر پورا حق ہوتا ہے۔ ہم نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ بلکہ ہمیں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ زندگی کے ہر موڑ پر تم نے سارہ کا ساتھ دیا۔"
خیام نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا اب چلو، ورنہ اذلان بے ہوش ہو جائے گا!"
یہ سن کر صباء مسکرا پڑی۔

اذلان نے صباء کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا، جیسے وہ کبھی نہیں چھوڑے گا۔

شہباز نے صباء کو ایک خوبصورت سونے کا سیٹ تحفے میں دیا۔

دونوں اپنی منزل پر پہنچ چکے تھے۔ جب اذلان صباء کا ہاتھ پکڑے گھر کے اندر آیا، تو حلیمہ اماں ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ کاشان اور پشمینہ بھی ساتھ کھڑے تھے۔

"آؤ بیٹا، جلدی سے میری دوسری بہو کو اندر لے آؤ۔"
حلیمہ اماں نے صباء کے ماتھے پر بوسہ دے کر ڈھیروں دعائیں دیں، پھر چاروں کی نظر اتاری۔

کاشان اور اذلان نے ایک جیسی سیاہ شیروانیوں پر میرون شال اوڑھ رکھی تھی، دونوں نہایت خوبصورت لگ رہے تھے۔

"یہ پشمینہ اور صباء، تم دونوں کے لیے میں نے یہ کڑے رکھے ہوئے تھے، جو کہ تم دونوں کی امانت ہیں۔"

حلیمہ اماں نے اُن کے ہاتھوں میں کڑے پہناتے ہوئے کہا۔

"یہ بہت خوبصورت ہیں، حلیمہ اماں!"
پشمینہ اور صباء نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور اپنے کمروں کی طرف چلی گئیں۔

پھر حلیمہ اماں کہنے لگیں:

"مردوں میں بہترین مرد وہ ہے جو عورت کی ذہنی آزادی کا گلا نہ گھونٹے، اور عورتوں میں بہترین عورت وہ ہے جو آزاد ہونے کے باوجود اپنی حدود کا خیال رکھے اور وفا جیسے احساس کو زندہ رکھے۔"

"عورت کی حیا اُس کے خلوص میں ہے، اُس کی وفا اُس کی نگاہوں میں، حسن اُس کی سادگی میں، عظمت اُس کے کردار میں، غصہ اُس کی زبان میں، قابلیت اُس کی سیرت میں، چاہت اُس کے انداز میں، صبر اُس کی خاموشی میں، اور غرور اُس کے پردے میں ہے۔"

"اور سب سے اہم بات یہ کہ وہ اپنی خوبصورتی سے بے پرواہ ہو، کیونکہ یہی چیز ایک عورت کو ممتاز، منفرد اور باوقار بناتی ہے۔"

پھر حلیمہ اماں نے کاشان اور اذلان کی طرف دیکھا، جو بڑی توجہ سے بات سن رہے تھے، اور کہا:

"جو مرد عورت کو عزت نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ 'عورت پاؤں کی جوتی ہے، جب چاہو بدل لو'... اُن سے کسی نے پوچھا تھا: کیا تم نے کبھی اپنی جوتی کو آنکھوں سے لگا کر سجدے میں رکھا ہے؟ نہیں نا؟ تو یاد رکھو، عورت کوئی جوتی نہیں، وہ تو سجدے میں جانے والی نعمت ہے۔"

یہ سن کر پشمینہ اور صباء بھی سانس روکے کھڑی رہ گئیں، دل میں شکر، محبت اور احترام لیے-----

عورت سر کا تاج اس شخص کے لیے ہوتی ہے جو خود کو بادشاہ سمجھتا ہے۔
انسان کو محبت ہو ہی جاتی ہے، لیکن محبت کی اصل منزل سڑک، پارک یا ہوٹل نہیں، بلکہ نکاح، عزت، اور گھر کی چار دیواری ہے۔ اگر آپ عورت کو ملکہ بنا کر رکھیں گے تو آپ کو بادشاہوں والی عزت بھی ملے گی۔

تو میرے یہ سب کہنے کا مقصد ہے کہ عورت کو اسلام میں بہت مقام حاصل ہے۔ انہیں جتنا پیار اور محبت سے سمجھایا جائے، وہ سمجھ جاتی ہیں۔

ہمسفر وہ ہوتا ہے جو ہمقدم ہو کر ساتھ چلے، اور مجھے اپنے بچوں پر پورا یقین ہے کہ وہ ایسا ہی کریں گے۔

جب کاشان اور اذلان اماں کو ان کے کمرے میں چھوڑنے آئے تو وہ رونے لگیں۔ دونوں پریشان ہو کر گھٹنوں کے بل ان کے سامنے بیٹھ گئے۔
اماں، کیا ہوا؟ آپ رو کیوں رہی ہیں؟" کاشان نے پوچھا۔"

میرے بچوں، یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ آج میں بہت خوش ہوں۔ اب" اگر مجھے موت بھی آجائے تو کوئی غم نہیں"، حلیمہ اماں نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔
"اماں، کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ اللہ آپ کو لمبی زندگی دے۔"
اچھا اب جاؤ، میری بچیاں انتظار کر رہی ہوں گی۔" وہ مسکراتے" ہوئے سو گئیں۔

جب کاشان اپنے کمرے میں آیا تو پشمینہ گلابوں سے سجے کمرے میں گھونگھٹ ڈالے بیٹھی تھی۔ اسے آتا دیکھ کر وہ نروس ہو گئی۔ کاشان سلام کرتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ پشمینہ کے گلے سے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی، لیکن مشکل سے سلام کا جواب دیا۔ کاشان مسکرا پڑا، پھر آہستہ سے اس کا گھونگھٹ اٹھایا اور نظریں اس سے ہٹ نہ سکیں۔

ماشاءاللہ! بہت خوبصورت لگ رہی ہیں آپ۔ مجھے تو یقین نہیں ہو" رہا کہ آپ میری ہمسفر بن گئی ہیں۔"

پشمینہ کے نرم ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا، "مجھے بڑے وعدے کرنا نہیں آتے، لیکن جب تک زندہ ہوں، آپ کے ساتھ جینا چاہتا ہوں۔ آپ پر کبھی سختی نہیں کروں گا۔ آپ ہر چیز میں آزاد ہیں۔ آپ پر کوئی تکلیف نہیں آنے دوں گا۔ جب میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا تھا تو خود کو بھول گیا تھا۔ ہر جگہ آپ ہی نظر آتی تھیں۔ پھر اللہ سے دعا کی، اور آج آپ میرے ساتھ ہیں۔ شکر، الحمدللہ!"

پشمینہ نے کاشان کو دیکھا، جو کالی شیروانی میں نہایت حسین لگ رہا تھا۔ دل سے ایک صدا آئی:
"فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَان"
پشمینہ مسکرا دی۔ کاشان نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور کہا، ""شکرانے کے نفل ادا کرتے ہیں۔

پشمینہ جلدی سے آئینے کے سامنے آئی تاکہ زیور اتار سکے۔ کاشان نے اسے کرسی پر بٹھایا اور اس کی جیولری خود اتارنے لگا۔ پھر الماری سے سرخ فراک نکال کر اسے دیا، "آپ چینج کر لیں، پھر میں کر لوں گا۔"

جب پشمینہ باہر آئی تو سرخ لباس میں، بکھرے سنہری بالوں کے ساتھ نہایت خوبصورت لگ رہی تھی۔ کاشان کو دیکھ کر بلش کرنے لگی۔ دونوں نے شکرانے کے نفل ادا کیے۔ پشمینہ نے دل سے تسلیم کیا:

کاشان جیسا خوبصورت، عورت کو عزت دینے والا مرد، اور سب سے بڑھ کر اللہ سے عشق کرنے والا ہمسفر ملنا کسی معجزے سے کم نہیں۔

ادھر صباء آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ جب اذلان کو آتا دیکھا تو پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔
اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اتنا حسین مرد اس کا ہمسفر بنے گا، جو اس کے دکھ سکھ میں اس کا ساتھ دے گا۔

وہ انہی خیالوں میں تھی جب اذلان نے چٹکی بجا کر کہا:
"کیا ہوا بیگم؟ ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟ کیا میں زیادہ پیارا لگ رہا ہوں؟" وہ شرارت سے بولا۔
"جی ماشاءاللہ ، بہت پیارے لگ رہے ہیں آپ۔" صباء نے نظریں جھکا کر کہا۔ اذلان مسکرا پڑا۔

"لیکن آج تو آپ بھی بلا کی حسین لگ رہی ہیں، ماشاءاللہ! اللہ بری نظر سے بچائے۔ ویسے یہاں کیوں کھڑی ہیں؟"

"اصل میں، مجھے اتنے ہیوی ڈریس کی عادت نہیں، تو الجھن ہو رہی ہے۔" صباء نے معصومیت سے کہا۔
"تو یہ بات ہے؟ چلیں، جلدی سے چینج کر لیں۔" اذلان نے کہا، تو صباء ہنستے ہوئے دوڑ کر واش روم میں چلی گئی۔ اس کی رفتار دیکھ کر اذلان کھلکھلا اٹھا۔

دونوں نے شکرانے کے نفل ادا کیے۔ صباء سفید فراک میں تھی۔
اذلان نے اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا:
"جب میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا تھا، آپ دل و دماغ پر چھا گئیں۔ تب بھی آپ نے سفید فراک پہنا تھا۔ آپ میری سلطنت کی ملکہ ہیں، جس کی حفاظت میں اپنی جان سے بڑھ کر کروں گا۔"

"آپ کا بہت شکریہ، میری زندگی بننے کے لیے۔"
پھر اس نے ایک تحفہ دیا۔ جب صباء نے کھولا تو اس میں ایک خوبصورت ڈائمنڈ نیکلس تھا۔
"یہ بہت خوبصورت ہے، اذلان۔ شکریہ! مجھے اپنی قسمت پر یقین نہیں آ رہا کہ آپ جیسے خوبصورت ہمسفر ملے ہیں۔"

"بے شک وہ دلوں کے راز جاننے والا اور پاکیزہ محبتوں کو ملانے والا ہے۔" اذلان نے اس کے سر پر بوسہ دیا۔ صباء کو اپنی قسمت پر رشک ہونے لگا۔
"بے شک اللہ تمہیں اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔"
بے ساختہ اس کی زبان سے الحمدللہ نکلا۔
یوں ان چاروں کی زندگی حسین رنگوں سے بھر گئی۔

حورم اپنی یونٹ کی آفیسر میس میں بیٹھی، رپورٹ مکمل کر رہی تھی جب اچانک اس کی ساتھی نے موبائل اس کی طرف بڑھایا۔

"حورم... یہ دیکھو، اذلان کی شادی ہو گئی ہے... خیام بھائی نے خود پوسٹ کی ہے۔"

حورم نے کانپتے ہاتھوں سے موبائل لیا۔ اسکرین پر اذلان کی تصویر تھی۔ اذلان کی آنکھوں میں خوشی، سکون اور شکر نظر آ رہا تھا...

پل بھر کو وقت رک گیا۔

دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر زور سے بھینچ دیا ہو۔ آنکھوں میں نمی تیرنے لگی، مگر وہ مسکرانے کی کوشش کرنے لگی۔

"ماشاءاللہ... بہت مبارک ہو اذلان کو..."

مگر اگلے ہی لمحے، وہ خود کو مزید روک نہ سکی۔ آہستہ سے اٹھ کر میس سے باہر آ گئی۔ کسی سنسان گوشے میں جا کر زمین پر بیٹھ گئی، اور آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بہنے لگی۔

"یا اللہ... میرا دل بہت دکھ رہا ہے... لیکن میں تیرا شکر ادا کرتی ہوں کہ تُو نے اذلان کو خوشی دی۔ وہ سچ میں اس خوشی کے قابل ہے۔"

وہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگی۔

"اللہ! اسے سلامت رکھنا... اس کی بیوی کو اس کا پیار بنائے رکھنا... کبھی کوئی دکھ نہ دینا اُسے۔ جس طرح اس نے میری خاموش محبت کو نہ جانا، اسی طرح میں چاہتی ہوں کہ وہ کبھی پچھتاوے میں نہ جائے۔"

آنسوؤں کے ساتھ مسکرا کر کہنے لگی:

"اذلان... آج سے میں تمھارے دل سے نہیں، اپنی زندگی سے بھی چلی جاتی ہوں۔ تُو خوش رہنا، ہمیشہ..."

وہ اٹھ کر پیچھے مڑے بغیر چل پڑی۔

اذلان شاید کبھی نہ جانے کہ کوئی اس کے لیے کتنی بار ٹوٹ کر دعا مانگ چکا ہے... خاموشی سے، دور ہو کر... ہمیشہ کے لیے۔ لیکن کیا جائے،،، سب ہی محبت کے ہاتھوں مجبور تھے ----
----

سارہ کپڑے چینج کر کے آئی تو خیام سفید سوٹ میں، بکھرے بالوں کے ساتھ بیڈ پر آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔
سارہ نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:
"کیا ہوا ہے؟ آپ پریشان لگ رہے ہیں، سب خیریت تو ہے نا؟"

خیام نے سارہ کو اپنے ساتھ لگا کر کہا:

"ہاں میری جان، سب ٹھیک ہے، بس پشمینہ کے بارے میں سوچ رہا تھا... کتنی جلدی بڑی ہو گئی، وقت گزر گیا اور ہمیں احساس بھی نہ ہوا۔"

پھر خیام گہری سانس لے کر بولا:
"بھائی بہن کا رشتہ کتنا حسین اور خوبصورت ہوتا ہے۔ بچپن سے ایک دوسرے کے راز فاش کرنا، چیزیں چھین لینا، لڑنا جھگڑنا، اور پھر صلح کر لینا۔ بڑے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں، ایک دوسرے کے راز چھپاتے ہیں، امی ابو کی ڈانٹ سے بچاتے ہیں۔

پھر شادی ہو جاتی ہے... اور رخصتی کے وقت بہن اپنے ماں باپ سے اتنا نہیں روتی جتنا بھائیوں کے سینے سے لگ کر روتی ہے... جیسے اس کی جان بھائیوں میں بسی ہو۔
پھر وقت گزر جاتا ہے، سب اپنی اپنی ذمہ داریوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ لیکن جس طرح بہنوں کے لیے اُن کے بھائی عزیز ہوتے ہیں، اُسی طرح بھائیوں کے لیے بہنوں کے بچے بھی بہت عزیز ہوتے ہیں۔

وقت تو پنکھ لگا کر اُڑ جاتا ہے...
اللہ پاک سب بہنوں کے بھائی، اور بھائیوں کے دلوں میں بہنوں کے لیے محبت سلامت رکھے۔
ہزار رکاوٹیں آئیں، مگر یہ رشتے اور ان میں بسنے والا پیار تا حیات قائم و دائم رہے... آمین۔"

سارہ نے خیام کو تسلی دیتے ہوئے مسکرا کر کہا:
"آپ پریشان نہ ہوں، کاشان پشمینہ کو بہت خوش رکھے گا... جیسے آپ مجھے رکھتے ہیں۔"

یہ سن کر خیام کی نیلی آنکھیں اور بھی گہری ہو گئیں۔
"آپ تو میری جان ہیں، مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ آپ کا خیال رکھنا میرا فرض ہے..."

پھر وہ مسکرا کر بولا:
"آج میں آپ کو ایک غزل سناتا ہوں۔"

بزم سے جب نگار اٹھتا ہے
میرے دل سے غبار اٹھتا ہے

میں جو بیٹھا ہوں تو وہ خوش قامت
دیکھ لو! بار بار اٹھتا ہے

تیری صورت کو دیکھ کر مری جاں
خود بخود دل میں پیار اٹھتا ہے

اس کی گُل گشت سے روش بہ روش
رنگ ہی رنگ یار اٹھتا ہے

تیرے جاتے ہی اس خرابے سے
شورِ گریہ ہزار اٹھتا ہے

کون ہے جس کو جاں عزیز نہیں؟
لے ترا جاں نثار اٹھتا ہے

صف بہ صف آ کھڑے ہوئے ہیں غزال
دشت سے خاکسار اٹھتا ہے

ہے یہ تیشہ کہ ایک شعلہ سا
بر سرِ کوہسار اٹھتا ہے

کربِ تنہائی ہے وہ شے کہ خدا
آدمی کو پکار اٹھتا ہے

تو نے پھر کَسبِ زَر کا ذکر کیا
کہیں ہم سے یہ بار اٹھتا ہے

لو وہ مجبورِ شہر صحرا سے
آج دیوانہ وار اٹھتا ہے

اپنے ہاں تو زمانے والوں کا
روز ہی اعتبار اٹھتا ہے

جون اٹھتا ہے، یوں کہو، یعنی
میر و غالب کا یار اٹھتا ہے
واہ بہت خوبصورت غزل ہے سارہ نے داد دی۔۔شکریہ محترمہ اب چلیں سو جائیں اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے خیام نے کہا جس پر سارہ نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور جلدی سے اس کے سینے پر سر رکھے جلدی سے آنکھیں موند گئی۔خیام اس کی حرکت پر زور سے ہنسنے لگا۔۔۔

پشمینہ صبح کی نماز پڑھ کر سو گئی تھی، جبکہ کاشان اور ازلان واک کے لیے نکل گئے تھے۔

جب صباء کی آنکھ کھلی تو صبح کے سات بج رہے تھے۔ وہ جلدی سے فریش ہو کر نیلے رنگ کا خوبصورت سوٹ پہن کر، ہلکا سا میک اپ کیے نیچے آئی اور کچن کی طرف گئی، جہاں نوکرانیاں پہلے سے کھانا بنا رہی تھیں۔
اسے آتا دیکھ کر نوکرانیوں نے سلام کیا اور پوچھا:
"بی بی جی، آپ کو کچھ چاہیے ہو تو ہمیں بتا دیجیے۔"

صباء نے مسکرا کر جواب دیا:
"نہیں، مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ اماں کہاں ہیں؟"

وہ کچن سے نکلنے لگی تو سامنے سے پشمینہ آتی ہوئی دکھائی دی، جس نے ہرے رنگ کا خوبصورت کام والا فراک پہنا ہوا تھا۔
اسے دیکھ کر صباء مسکرائی اور گلے لگا کر کہا:
"ماشاءاللہ، بہت پیاری لگ رہی ہو گڑیا!"

پشمینہ نے جواب دیا:
"شکریہ، آپ بھی کم نہیں لگ رہیں، ماشاءاللہ۔"
"چلیں، اماں کے پاس چلتے ہیں۔"

دونوں نے دروازے پر دستک دی اور اندر داخل ہوئیں تو دیکھا کہ حلیمہ اماں قرآنِ پاک کی تلاوت میں مشغول تھیں۔
دونوں خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گئیں۔ ان کی آواز بہت پرسوز اور دل کو چھو لینے والی تھی۔

جب تلاوت مکمل ہوئی تو پشمینہ اور صباء نے سلام کیا۔

حلیمہ اماں نے محبت سے جواب دیا:
"وعلیکم السلام، میری بچیاں! ماشاءاللہ، دونوں بہت خوبصورت لگ رہی ہو، ہمیشہ یونہی ہنستی مسکراتی رہو، آمین۔"

"اماں، آپ کیسی ہیں؟" صباء نے نرمی سے پوچھا۔

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، ٹھیک ہوں۔ اور جب سے میری بیٹیاں میرے پاس ہیں، تو مجھے کیا ہونا ہے؟ باقی... موت تو سب کو آنی ہے۔"

"اماں، اللہ نہ کرے آپ کو کچھ ہو۔ آپ ہمارے لیے بہت قیمتی ہیں، جیسے ہماری سگی ماں۔"

حلیمہ اماں کی آنکھوں میں محبت کی چمک تھی:
"شکریہ میری بچیو، اللہ تمہیں جلد از جلد اولادِ نرینہ عطا فرمائے۔ پھر ہمارے گھر میں بھی رونق ہو گی۔"

ان کی بات پر دونوں شرما گئیں۔
پھر اماں بولیں:
"آج میں تمہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ بتاتی ہوں۔

سورۃ النجم میں جیسے ستارے انسانوں کے لیے راہ دکھانے والے ہوتے ہیں، ویسے ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنی آدم کے ہادی و معلم تھے۔
جیسے ستارہ روشنی کا منبع ہوتا ہے، ویسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نورِ ہدایت کے سرچشمہ تھے۔
جیسے ستارہ اپنی گزرگاہ پر سیدھا سفر کرتا ہے، ویسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صراطِ مستقیم پر گامزن رہے۔

ہر ستارے کی حرکت پر ایک نگران ہوتا ہے، ویسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کی نگرانی میں تھے۔
اور جیسے ستارہ غروب ہو کر بھی فنا نہیں ہوتا، ویسے ہی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیمات اور کروڑوں چاہنے والوں کی بدولت آج بھی زندہ ہیں۔

قسم ہے ستارے کی جب وہ افق سے نکل کر اپنی راہ پر چلتا ہے،' تمہارا دوست (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی راہ سے ہرگز نہیں بھٹکا۔ وہ تم سے کوئی من گھڑت بات نہیں کہتا، بلکہ وہی کچھ کہتا ہے جو ہم نے اسے وحی کے ذریعے عطا کیا۔"

دونوں نے یک زبان ہو کر کہا:
"سبحان اللہ!"

پھر صباء نے کہا:
"چلیں اماں، ناشتہ تیار ہے۔"

جب پشمینہ اور صباء اماں کو لے کر نیچے آئیں تو کاشان اور ازلان انہیں دیکھتے ہی رہ گئے۔
کاشان آگے بڑھا اور حلیمہ اماں کا ہاتھ پکڑ کر بولا:
"اماں، یہ تو ناانصافی ہے۔ بہوؤں کے آتے ہی آپ اپنے بیٹوں کو بھول گئی ہیں!"

حلیمہ اماں نے ہنستے ہوئے دونوں کے سروں پر بوسہ دیا:

"ارے، ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنے بیٹوں کو بھول جاؤں؟"

سب کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

سربراہی کرسی پر حلیمہ اماں بیٹھی تھیں، ایک طرف کاشان اور پشمینہ، اور دوسری طرف ازلان اور صباء۔

حلیمہ اماں نے خوشی سے کہا:
"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔ آج ہماری فیملی مکمل ہو گئی ہے، ہمارے گھر میں رونقیں واپس آ گئی ہیں۔"

سب نے یک زبان ہو کر شکر ادا کیا۔

ناشتہ ختم ہونے کے بعد، کاشان اور پشمینہ اپنے کمرے میں بیٹھے شادی کی تصویریں دیکھ رہے تھے۔

تبھی خیام کی کال آئی جس پر پشمینہ خوشی سے نہال ہو گئی۔

"السلام علیکم بھائی! کیسے ہیں آپ؟ بھابھی کیسی ہیں؟ اور بابا کیسے ہیں؟"

پشمینہ نے ایک ہی سانس میں سوالات کی جھڑی لگا دی۔ کاشان اسے دیکھ کر مسکرا پڑا۔ واقعی وہ چھوٹی سی گڑیا، سب کی جان تھی۔

"ارے سانس تو لے لو گڑیا... سب ٹھیک ہیں، اور تم کیسی ہو؟ وہاں سب کیسے ہیں؟"

"الحمدللہ بھائی، یہاں سب خیریت ہے۔ آپ کی بہت یاد آ رہی ہے۔"

"گڈ... ہم بہت جلد تم سے ملنے آئیں گے، بس تھوڑا سا کام ختم کر لوں۔"

"اوکے بھائی، جیسے آپ کو بہتر لگے۔"

"گڑیا، وہاں سب ٹھیک ہے نا؟ تم خوش تو ہو؟ کہیں کاشان گدھے نے تمہیں تنگ تو نہیں کیا؟"

"بھائی! یہاں سب بہت اچھا ہے اور میں بہت خوش ہوں۔ سب میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اور کاشان مجھے تنگ کیوں کرے گا؟"

پشمینہ ابھی بات کر ہی رہی تھی کہ کاشان نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔

"بھائی! یہ کوئی اچھی بات نہیں کہ آپ میرے بارے میں ایسا سوچیں۔ اور آپ کی بہن یہاں بہت خوش ہے، آپ فکر نہ کریں۔"

"ہاہا! کیونکہ تیری کچھ خبر نہیں ہوتی اور میری بہن کو کوئی نقصان نہ پہنچے، یہ تیری ذمہ داری ہے، سمجھا؟ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا!"

"ویسے آپس کی بات ہے، آپ سے برا واقعی کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیا زمانہ آ گیا ہے! خیام ڈان شادی کے اگلے دن ہی اپنے بہنوئی کو مارنے کی دھمکی دے رہا ہے!"

"اچھا اچھا! زیادہ ڈرامے نہ کر۔ ویسے تجھے ایک بات بتانی ہے، سنے گا؟"

"جی بتائیں بھائی!" کاشان نے بےتاب ہو کر کہا۔

"اچھا چل چھوڑ، نہیں بتاتا!" خیام آج اسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھا۔

"بھائی! یہ کیا بات ہوئی؟ جلدی بتائیں نا!" کاشان نے تنگ ہو کر کہا۔

"نہیں، کچھ دنوں میں خود پتا چل جائے گا!" خیام ہنس کر بولا۔

"یا اللہ! ایسا سالا کسی کو نہ دے۔ ویسے بھائی، آپ بھی نہ! بھابھی کے آگے سیدھے اور ہماری باری میں شیر، بیوی کے آگے ڈھیر!" کاشان نے چٹکی لیتے ہوئے کہا۔

"اللہ تیرے جیسا بہنوئی کسی کو نہ دے، ایسے لگتا ہے جیسے پاگل خانے سے لیا ہو! اور یہ بیوی کا طعنہ نہ دے، خود بھی چند دنوں میں رن مریدی کی ڈگری میں ٹاپ کرے گا!"

"خدا کی قسم! آپ نے کبھی میری تعریف کی ہو؟ ہمیشہ موقع ملتے ہی بے عزتی کرتے ہیں! اور یہ رن مریدی بھی آپ جیسے استاد سے سیکھی ہے۔ کیوں، ایسی ہی بات ہے نا، پیارے سالے صاحب؟"

کاشان کی بات پر خیام کو ہنسی بھی آئی اور غصہ بھی۔

"اچھا چل! تو روٹھی محبوبہ نہ بن! ویسے ہی مذاق کر رہا تھا۔ اور مجھے یہ 'سالا صاحب' نہ بولا کر، ورنہ چند دنوں میں میری بہن بیوہ ہو جائے گی، جو میں نہیں چاہتا!"

"اوکے، آپ پشمینہ سے بات کریں سالے صاحب!" کاشان نے ہنستے ہوئے موبائل پشمینہ کو دے دیا۔

"گدھے! تو ضرور مرے گا کسی دن!" خیام کو غصہ آیا، پھر پشمینہ سے بات کرنے لگا۔

ادھر صباء اپنے کمرے میں بیٹھی یونیورسٹی کے لیے اسائنمنٹ بنا رہی تھی کہ اذلان اندر آیا اور اس کے سر پر بوسہ دے کر ساتھ بیٹھ گیا۔

"یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ شادی کے دنوں میں بھی کام؟ مجھ غریب شوہر پر کچھ ترس کھائیں!" اذلان نے معصوم سی شکل بنا لی، تو صباء ہنس پڑی۔

"آپ اور معصوم؟ ویسے آپ کیسے آرمی والے ہیں؟ سارا دن تو فری رہتے ہیں!"

"ایسی بات نہیں ہے، میری بیگم! بس پرسوں چھٹیاں ختم ہو رہی ہیں۔ دو دن کا مسافر ہوں آپ کا شوہر۔"

صباء نے لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھا اور اذلان کی طرف منہ کر کے بولی، "کیا مطلب! آپ جا رہے ہیں؟"

"جس طرح آپ کو میری ضرورت ہے، اسی طرح اس ملک کو ہماری ضرورت ہے، میری شہزادی!" اذلان نے اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے کہا۔

"لیکن یہ تو بہت جلدی ہے! پھر آپ واپس کب آئیں گے؟" صباء کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"میں نے کہا تھا نا، کہ آج کے بعد آپ کی آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ اور آپ پھر رو رہی ہیں؟" اذلان نے اسے گلے لگا لیا، "میں جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا، پکا وعدہ!"

جس پر صباء اس کے سینے سے لگ کر ہنس پڑی۔

"اچھا، پلیز ایک کپ کافی بنا دیں! نوکروں کی بدمزہ کافی پی پی کر تھک گیا ہوں!" اذلان نے کہا تو صباء مسکرا کر کچن کی طرف چل دی۔

لیکن اذلان کے دل میں ایک انجانا خوف تھا، جیسے کچھ ہونے والا ہو۔ اگر ڈیوٹی نہ ہوتی تو وہ صباء کو ایک لمحے کے لیے بھی خود سے دور نہ کرتا۔

ان دو دنوں میں انہوں نے خیام اور سارہ کے ساتھ ڈنر کیا، پارکس گھومے، اور سب سے بڑا جھٹکا صباء کو تب لگا جب وہ کام ختم کر کے کمرے میں آئی تو سامنے آرمی کا لیڈیز یونیفارم رکھا تھا۔

"یہ کس لیے ہے؟" صباء نے زور دار چیخ ماری۔

"آپ کے لیے! آپ کی خواہش تھی آرمی یونیفارم پہننے کی۔ اب جلدی سے جائیں اور پہن کر آئیں!" اذلان نے خوشی سے کہا۔

صباء جلدی سے گئی، چینج کر کے واپس آئی تو اس یونیفارم میں بےحد پیاری لگ رہی تھی۔ بالوں کا جوڑا، سر پر کیپ، اور چہرے پر خوشی چمک رہی تھی۔ اذلان نے ان خوبصورت لمحوں کو کیمرے کی آنکھ میں قید کر لیا۔

(ان سب کی زندگیوں میں طوفان آنے والا تھا جس سے سب بے خبر تھے---
ہر چہرے پر مسکراہٹ تھی، مگر تقدیر خاموشی سے نیا موڑ لکھ رہی تھی---
خوشیوں کے درمیان چھپی ہوئی آزمائش بس دروازے پر دستک دینے والی تھی---)

"وقت گزرتا ہے، کبھی جلدی تو کبھی دیر سے۔ یہ نہ کبھی ایک جیسا رہتا ہے، نہ ہی رہنے دیتا ہے۔ وقت کے کھیل انوکھے ہوتے ہیں، جنہیں ہم جیسے انسان سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔"

اذلان کو ڈیوٹی پر گئے دو مہینے ہو چکے تھے۔ صباء نے دوبارہ یونیورسٹی جانا شروع کر دیا تھا، لیکن اذلان کے گارڈز ہر وقت اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ جبکہ پشمینہ گھر پر بچوں کو قرآن کریم پڑھاتی تھی۔ حلیمہ اماں واپس قطر جا چکی تھیں۔ سارہ کی طبیعت ابھی کچھ خراب رہتی تھی، لیکن پشمینہ اور صباء اکثر اس سے ملنے آجاتی تھیں۔ کاشان اور خیام ایک ہفتے کے لیے کراچی گئے ہوئے تھے۔

پشمینہ جب کام سے فارغ ہوتی تو کاشان سے بات کر لیتی تھی۔ کچھ دن پہلے اس نے کاشان کے لیے کھانا بنایا تھا جو کہ بہت برا بن گیا۔ کاشان نے چپ کر کے کھا تو لیا، لیکن بعد میں اسے ڈرِپ لگوانی پڑی۔ اسے خیام کی وہ بات یاد آئی جو وہ بتانا چاہتا تھا، پشمینہ اس کی باتیں یاد کر کے ہنسنے لگی۔

ادھر سارہ گھر کے چھوٹے موٹے کام خود کرتی تھی کیونکہ فارغ بیٹھ کر بور ہو جاتی تھی۔ وہ اکثر قرآنِ مجید کی تلاوت سنتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کی اولاد بھی قرآن سنے، کیونکہ اس سے اسے دلی سکون ملتا تھا۔

صباء جب دوپہر ایک بجے یونیورسٹی سے واپس آتی تو پشمینہ اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتی، پھر دونوں باتیں کرتیں۔ شام ہوتے ہی صباء کو اذلان کی یاد بہت ستاتی۔ وہ یاد کرتی کہ جب سے اذلان گیا ہے، صرف چار بار بات ہو سکی تھی ---

----

ایک ویران سی رات تھی، خیمے کے باہر ہوا میں ریت اڑ رہی تھی، اور اندر صرف ایک مدھم سی لائٹ جل رہی تھی۔ اذلان اپنی وردی میں ملبوس، تھکے چہرے اور گرد آلود ہاتھوں کے ساتھ چارپائی پر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں صباء کی ایک تصویر تھی، جو اس نے والٹ سے نکالی تھی۔ تصویر میں صباء ہنس رہی تھی، آنکھوں میں روشنی اور چہرے پر معصومیت۔

اذلان آہستہ سے تصویر پر انگلی پھیرتے ہوئے بولا،

صباء... آج تمہیں دیکھے پورے دو مہینے ہو گئے ہیں۔ تمہیں پتا"
ہے؟ یہاں سب کچھ ہے، مگر تمہاری آواز نہیں، تمہاری مسکراہٹ
نہیں۔ ہر صبح تمہارے چہرے کی روشنی کے بغیر سیاہ لگتی ہے،
"اور ہر رات تمہارے بغیر ادھوری۔

وہ مسکرا کر بولا، "یاد ہے تم کہتی تھیں کہ میں سخت دل ہوں؟
دیکھو، اب تمہاری ایک تصویر سے باتیں کر رہا ہوں جیسے بچہ
"ماں کو یاد کر کے روتا ہے۔

،پھر اس کی آنکھیں نم ہو گئیں
صباء، تمہیں پتا نہیں تم نے میری زندگی میں کتنی روشنی بھر دی"
ہے۔ یہاں گولیوں کی آوازوں میں بھی اگر سکون ہے تو صرف
"تمہاری محبت کی وجہ سے۔

،اذلان نے تصویر کو سینے سے لگا لیا
بس دعا کرنا کہ میں جلدی لوٹ آؤں، تمہارے ہاتھوں کی چائے"
پینے کو ترس گیا ہوں۔ اور ہاں... اپنا خیال رکھنا، کیونکہ تم اب
"صرف میری نہیں، میری دعاؤں کی بھی امانت ہو۔

وہ خاموش ہوا، آنکھوں سے ایک آنسو گرا، جو شاید صباء کے لیے
اُس کی بے قراری کی گواہی تھا۔

اگلی صبح پشمینہ نے سارہ سے بات کی اور بتایا کہ وہ آج یونیورسٹی کے دوستوں کے ساتھ باہر جا رہی ہے۔ سارہ نے کہا، "اپنا بہت خیال رکھنا، اور اگر کوئی پریشانی ہو تو مجھے فوراً کال کرنا۔"

صباء پہلے ہی یونیورسٹی جا چکی تھی۔ آج خیام، کاشان اور اذلان کی واپسی بھی متوقع تھی۔ پشمینہ جب اپنے دوستوں کے ساتھ ایک ہوٹل میں کھانا کھا رہی تھی، تو ایک ویٹر نے غلطی سے جوس اس کے عبایا پر گرا دیا۔ پشمینہ فوراً واش روم کی طرف چلی گئی۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی، کسی نے اس کے منہ پر کپڑا رکھ دیا، اور وہ بے ہوش ہو گئی۔

جب اس کی آنکھ کھلی، تو وہ خود کو ایک ویران فیکٹری میں پایا۔ خوش قسمتی سے اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے نہیں تھے۔ وہ ڈر کے مارے کانپنے لگی۔ اُس نے اِدھر اُدھر جا کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی، لیکن سب بند تھے۔ وہ رونے لگی اور بولی، "یا اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟ مجھے یہاں کیوں لایا گیا؟ میری مدد فرما، میں کیا کروں؟"

پھر اسے یاد آیا کہ اس کا بیگ ساتھ ہے، مطلب موبائل بھی اندر ہوگا۔ اس نے جلدی سے موبائل نکالا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ بند نہیں تھا۔ پھر سوچنے لگی کہ کسے کال کرے؟ کاشان اور خیام تو گھر نہیں تھے۔ اس نے فوراً صباء کو کال کی، مگر اُس کا نمبر

بند جا رہا تھا۔ پھر اس نے گھبرا کر سارہ کو کال ملائی، جو سارہ نے فوراً اٹھا لی۔

"بھابھی... میری مدد کریں..." پشمینہ روتے ہوئے بولی۔

"کیا ہوا ہے گڑیا؟ تم رو کیوں رہی ہو؟" سارہ پریشان ہو گئی۔

"بھابھی... مجھے کسی نے اغوا کر لیا ہے، اور شاید کسی فیکٹری میں بند کیا ہوا ہے۔"
وہ ابھی بات کر رہی تھی کہ موبائل کی بیٹری ختم ہو گئی۔ پشمینہ نے بے بسی سے موبائل کو دیکھا جو اب بند ہو چکا تھا، لیکن اسے یقین تھا کہ سارہ کچھ نہ کچھ ضرور کرے گی۔

ادھر سارہ کی سانسیں رکنے لگیں۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ پشمینہ... میری جان! یا اللہ! اس کی مدد فرما، اسے کچھ نہ ہو... ورنہ میں خیام کو کیا جواب دوں گی؟"

سارہ نے فوراً صباء کو کال کی، جو فوراً اٹھا لی۔

"ہاں سارہ؟ کیا بات ہے؟ میرا موبائل بند تھا، ابھی آن کیا ہے تو پشمینہ کی کالز آئی ہوئی تھیں۔ سب ٹھیک ہے؟"

"صباء، کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے! کسی نے پشمینہ کو اغوا کر لیا ہے۔ اس نے مجھے فون کیا تھا۔ صباء، جلدی سے اس کی لوکیشن ٹریس کرو اور مجھے بتاؤ۔ میں فوراً نکل رہی ہوں۔"

"واٹ؟ یہ سب کیسے ہوا؟ اچھا، تم فکر مت کرو۔ میں ابھی اس کی لوکیشن دیکھتی ہوں۔ تم گھر پر رہو، تمہاری اپنی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

صباء نے فوراً پشمینہ کی لوکیشن ٹریس کی، جو کہ ایک پرانی، ویران فیکٹری نکلی—ایک ایسی جگہ جو کئی سالوں سے بند پڑی تھی۔ اس نے لوکیشن سارہ کو بتائی اور کہا، "میں اسی جگہ کے قریب ہوں، تم فکر نہ کرو۔ میں جا رہی ہوں۔ تم خیام اور باقیوں کو بتاؤ۔"

سارہ فوراً گارڈز کے ساتھ لوکیشن پر پہنچی۔ صباء نے اسے آتے دیکھا تو پریشان ہو کر کہا،
"سارہ! میں نے تمہیں منع کیا تھا یہاں آنے سے، تمہیں بہت خطرہ ہے۔"

"نہیں صباء! خطرہ تو تمہیں بھی ہے! آؤ، پشمینہ کے پاس چلتے ہیں۔"

جیسے ہی وہ فیکٹری کے اندر داخل ہوئیں، اچانک چاروں طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ صباء نے فوراً سارہ کو کھینچ کر ایک

کار کے پیچھے چھپا لیا، مگر ان کے سارے گارڈز گولیوں کا نشانہ بن چکے تھے۔

تبھی، سامنے سے پشمینہ روتی ہوئی دکھائی دی۔ سارہ اور صباء فوراً اس کی طرف بڑھیں، مگر اچانک سارہ کے قدم وہیں جم گئے۔

"صباء نے چونک کر پوچھا، "سارہ؟ کیا ہوا؟ تم ٹھیک ہو؟

سارہ نے بمشکل سر ہلایا، کیونکہ پشمینہ کے پیچھے وہ شخص کھڑا تھا ، ، جو اس کے ماضی کا ایک سیاہ باب تھا—جو آج اچانک اس کے سامنے زندہ ہو کر آ گیا تھا۔

خیام اور کاشان کسی میٹنگ سے واپس آ رہے ہیں، گاڑی میں خاموشی چھائی تھی۔ اچانک خیام کا فون بجتا ہے۔ اسکرین پر ("اکبر" کا نام جگمگایا۔ خیام نے کال اٹھائی

خیام (پریشانی سے): السلام علیکم اکبر، سب خیر تو ہے؟

اکبر (سانس پھولے ہوئے، گھبراہٹ میں): خیام بھائی! بری خبر !...ہے... پشمینہ بی بی کو کسی نے اغوا کر لیا ہے

خیام (دم بخود): کیا...؟ کب؟ کہاں سے؟

اکبر: بس کچھ دیر پہلے، دوستوں کے ساتھ تھی ہوٹل سے واپسی پر... اور... سارہ اور صباء پیچھا کرتے ہوئے پرانی فیکٹری کی طرف نکل گئی ہیں۔

کاشان (خیام کے چہرے کا رنگ دیکھ کر): کیا ہوا خیام؟

خیام (فون کے دوسری طرف چیختے ہوئے): اکبر! تم کہاں تھے ہاں؟؟
صاحب میں تو چھٹی پر گاؤں آیا ہوا ہو ،ایک گارڈ نے کال پر بتایا ہے---

(کال بند کرتے ہوئے خیام کا چہرہ غصے اور پریشانی سے سرخ ہوگیا۔)

خیام (کاشان سے): پشمینہ کو اغوا کر لیا گیا ہے... اور سارہ، صباء انھیں بچانے گئی ہیں۔ وہ سب پرانی فیکٹری کی طرف ہیں۔

کاشان (بغیر کچھ کہے، گاڑی موڑی): ہم دیر نہیں کر سکتے، اگر کسی نے اُن کو ہاتھ بھی لگایا تو اُس کی آخری سانس ہو گی آج۔

(گاڑی کی رفتار بڑھائی، دونوں کی آنکھوں میں غصہ، بے چینی نظر آ رہی تھی۔)

"ویلکم سارہ ڈارلنگ، ویلکم! میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

"گلریز؟ ت۔۔تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"
سارہ کے آنسو بہنے لگے۔ "اور تم نے پشمینہ کو اغوا کیوں کیا ہے؟"

"ہاہاہا... سارہ، میری جان! مجھے تو صرف تم چاہیے تھی، ہر حال میں۔ لیکن جب تم نے مجھے چھوڑ کر کسی اور کا انتخاب کیا، تو میں نے سوچا، کیوں نہ اس شخص کو برباد کر دوں جس نے تمہیں مجھ سے چھین لیا؟ اسی لیے میں نے اس کی بہن کو اغوا کر لیا۔"

"دیکھو گلریز، تمہاری دشمنی میرے ساتھ ہے، اسے جانے دو!"
سارہ رو رہی تھی، جبکہ صباء سب کچھ سمجھ چکی تھی۔ یہ وہی کزن تھا جس کے بارے میں سارہ نے اسے بتایا تھا۔

"تم رو کیوں رہی ہو میری جان؟ بس میں اس لڑکی کو مار دوں گا، اور تمہارے شوہر اور اس کی اولاد کو بھی!"
گلریز نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

صباء فوراً سارہ کے آگے آ گئی، "میرے ہوتے ہوئے تم سارہ کو کچھ نہیں کر سکتے!"

"لڑکی! تمہیں مرنے کا شوق ہے؟ تمہاری یہ خواہش ابھی پوری کر دیتا ہوں... ذرا صبر کرو!"

گلریز غصے سے بولا۔

"نہیں صباء، تم پیچھے رہو! یہ آدمی پاگل ہو چکا ہے، تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے!"
سارہ خیام کے آنے کی دعائیں کرنے لگی۔

جب خیام اور کاشان کو سب پتا چلا، دونوں کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔
"آخر کون ہے جس نے ہماری عزت پر ہاتھ ڈالا ہے؟"
خیام کار چلا نہیں، اڑا رہا تھا۔

جب وہ مقام پر پہنچے تو گارڈز مردہ حالت میں پڑے تھے۔ دونوں نے اپنی گنز لوڈ کیں اور اندر بڑھنے لگے۔

"دیکھو گلریز، پشمینہ کے سر سے گن ہٹا لو! تمہیں میرے ساتھ مسئلہ ہے، میں یہاں ہوں... پلیز، اسے جانے دو!"
سارہ نے ہاتھ جوڑ کر التجا کی۔

"ارے اتنی جلدی کیوں سارہ؟ تمہیں پتا ہے جب مجھے معلوم ہوا کہ دادا کو میری اصلیت کا پتا چل گیا ہے، تو میں نے انہیں بھی مار دیا۔ اور اب ان کی باری ہے، جنہوں نے مجھے تم سے جدا کیا!"

"کیا؟ تم نے دادا کو مار دیا؟!"
سارہ کی آواز لرز گئی۔

"تم سمجھ کیوں نہیں رہے؟ میں تم سے محبت نہیں کرتی، گلریز!
"!پلیز، اسے جانے دو

اسی دوران خیام پچھلے راستے سے اپنے گارڈز کے ساتھ اندر داخل ہوا، جبکہ کاشان سامنے سے آیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص پشمینہ کے سر پر گن رکھے سارہ سے کچھ کہہ رہا ہے، اور اس کے آدمی ارد گرد کھڑے ہیں۔

خیام نے پیچھے سے آتے ہی تین آدمیوں کو گولیوں سے مارا۔ اس کی نظر سامنے کھڑی سارہ اور صباء پر پڑی، اور وہ شخص جس کی پیٹھ خیام کی طرف تھی، ابھی بھی پشمینہ کو نشانے پر لیے کھڑا تھا۔

...تبھی گلریز کی نظر کاشان پر پڑی، تو وہ زور سے ہنسنے لگا

"آؤ مجنوں، تمہاری لیلیٰ میرے پاس ہے، اس لیے کوئی ہوشیاری
"!مت کرنا
گلریز نے طنزیہ انداز میں کہا۔

سارہ اور باقی سب پیچھے سے آتے خیام کو دیکھ چکے تھے۔
جیسے ہی گلریز کے آدمی نے خیام کو آتے دیکھا، اس نے فائر کر دیا۔
اسی لمحے خیام اور گارڈز نے جوابی فائرنگ شروع کر دی۔

گلریز پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا تو پشمینہ نے موقع غنیمت جان کر خود کو اس سے چھڑایا اور کاشان کی طرف دوڑی۔
مگر گلریز نے سارہ کی طرف اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔

ایک ہی لمحے میں میدان خون سے بھر گیا، کئی لوگ مارے گئے اور کچھ گارڈز زخمی ہوئے۔
پشمینہ کو کاشان نے لپک کر گلے لگایا، مگر اس کے ہاتھ پر خون لگا دیکھ کر گھبرا گیا۔
اس نے دیکھا تو پشمینہ کو گولی لگی تھی، اور وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔
کاشان اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔

اسی دوران سارہ کی چیخ فضا میں گونجی—
"صباء!!!"
.....صباء!!!!

سارہ نے دیکھا کہ ساری گولیاں جو اس کی طرف آئی تھیں، صباء کے سینے میں اتر چکی تھیں۔

صباء زمین پر گر چکی تھی۔ سارہ نے اپنی چادر سے گن نکالی اور غصے سے پاگل ہو کر گلریز پر گولیاں برسا دیں۔

خیام حیرت زدہ رہ گیا۔
یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا تھا کہ وہ سمجھ بھی نہ پایا۔ایک گولی خیام کے بازو میں بھی لگ چکی تھی مگر اسے پرواہ نہیں تھی ---

وہ فوراً سارہ کی طرف آیا، جو صباء کا سر اپنی گود میں رکھے زار و قطار رو رہی تھی۔
"صباء... صباء! یہ کیا کیا تم نے یار؟ آنکھیں بند مت کرنا! میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گی!"
سارہ چیخ رہی تھی۔
"کوئی جلدی سے ایمبولینس بلاؤ!"

دوسری طرف کاشان زخمی پشمینہ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ خیام نے دیکھا اور اندازہ کر لیا کہ پشمینہ کی حالت سنبھل سکتی ہے۔

"سارہ، مجھے دیکھنے دو!"
خیام نے کہا اور صباء کو دیکھا۔
اسے افسوس تھا کہ وہ کچھ نہیں کر سکا۔ گولیاں بہت زیادہ لگی تھیں۔

اسی لمحے اذلان آ گیا۔ آج اسے چھٹیاں ملی تو گھر پہنچا مگر وہاں
گارڈز نے سب بتایا تو فوراً یہاں پہنچا۔۔۔
سامنے صباء کو خون میں لت پت دیکھ کر وہیں بیٹھ گیا۔
خیام نے اسے سہارا دیا، اور وہ لڑکھڑاتے قدموں سے صباء کے
قریب آیا۔

صباء، جو اپنے کپڑوں پر کبھی ایک داغ نہیں لگنے دیتی تھی، آج
پورے خون میں نہائی ہوئی تھی۔
"!صباء، ایسے کیوں پڑی ہو... اٹھو، ہم گھر چلتے ہیں"
اذلان نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر رونا شروع کر دیا۔
"!تمہیں کچھ نہیں ہوگا! خیام، دیکھو نا میری صباء کو"
وہ اس کے چہرے پر تھپکیاں دے رہا تھا۔

تبھی صباء نے کمزور مسکراہٹ کے ساتھ اذلان کو دیکھا۔
"سس... سارہ... میں نے اپنی دوستی کا فرض پورا کر دیا... اذلان کا
خیال رکھنا۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک لمبی سانس لی... اور ہمیشہ کے لیے
خاموش ہو گئی۔

"خزائیں خود میں پالنا اور بہاریں بانٹتے پھرنا کہاں آسان ہوتا ہے
؟؟؟"

تب تک ایمبولینس پہنچ چکی تھی۔

اذلان نے صباء کو اٹھایا اور ہسپتال لے گئے---

جب ڈاکٹر کے سامنے لے گیا:
"جلدی دیکھیں... میری بیوی آنکھیں نہیں کھول رہی...!"

جب ڈاکٹر نے چیک کیا تو افسوس سے سر جھکا کر بولا،
"I'm sorry sir... she is no more."

"نہیں! آپ جھوٹ بول رہے ہیں!" اذلان چیخا، "صباء... آنکھیں کھولو، میں آ گیا ہوں تمہارے پاس--- صباء!"
وہ صباء کو گلے لگا کر زار و قطار رونے لگا، اس کی چیخیں ہسپتال کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھیں۔

کاشان پشمینہ کو لے کر ہسپتال پہنچ چکا تھا۔ وہاں موجود عملہ، نرسیں اور ڈاکٹرز اذلان کو اس حال میں دیکھ کر آبدیدہ ہو چکے تھے۔ ایک شوہر، جو اپنی زندگی کی سب سے قیمتی ہستی کو کھو چکا تھا، اب کسی ہوش و حواس میں نہیں تھا۔

سارہ صباء کی لاش کے پاس زمین پر بیٹھ چکی تھی۔ اس کی آنکھیں ویران ہو چکی تھیں۔
"یہ وہ صباء تو نہیں... جو ہر وقت مسکراتی تھی، جو میری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتی تھی... جس نے ہمیشہ کہا تھا:

'ساره، اگر تجھ پر کوئی مصیبت آئی تو پہلے اسے مجھ سے گزرنا
ہوگا۔'"

خیام اذلان کو چپ کروانے کی کوشش کر رہا تھا، مگر وہ کسی کی بات سننے کو تیار نہ تھا۔ تبھی اس نے سارہ کو دیکھا، جس کی حالت بگڑنے لگی تھی۔ وہ فوراً بھاگا اور اسے تھام کر بولا:
"سارہ! ہوش میں آؤ!"
اسے بازوؤں میں اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گیا، جہاں ڈاکٹروں نے فوراً سارہ کو آکسیجن اور دوا دی گئی۔

پشمینہ کی حالت اب خطرے سے باہر تھی، اس کے پاس اس کی دوست نمرہ موجود تھی۔ کاشان وہاں سے نکل کر سیدھا اذلان کے پاس آیا۔ اذلان اب بھی صباء کو سینے سے لگائے رو رہا تھا۔

"اذلان... میرے یار، چلو بھابھی کو گھر لے جاتے ہیں۔"
کاشان نے نرمی سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"نہیں! نہیں! میں اپنی صباء کو کہیں نہیں جانے دوں گا!"
اذلان نے دھاڑیں مارتے ہوئے کہا، "یا اللہ... یہ کیسی آزمائش ہے؟ ابھی تو میں نے صباء کو جی بھر کر دیکھا بھی نہ تھا... ابھی تو میں نے اس سے جینے کی دعائیں مانگی تھیں..."

کاشان بھی ضبط نہ کر سکا اور آنکھیں پونچھتے ہوئے بولا،
"اچھا میرے بھائی، چلو... بھابھی تمہارے پاس ہی رہیں گی... لیکن چلو اب گھر چلتے ہیں۔"

اذلان نے صباء کو آہستگی سے اٹھایا، اس کے چہرے پر آخری بار پیار سے ہاتھ پھیرا، اور پھر ایمبولینس میں بیٹھ گیا۔

جب وہ گھر پہنچے...

کاشان نے جلدی سے خیام کو بلایا، جو آپریشن تھیٹر کے سامنے پریشان کھڑا تھا۔ سارہ کی حالت بگڑ چکی تھی، اس کا آپریشن شام کو ہونا تھا، مگر شدید بلیڈنگ کی وجہ سے ڈاکٹرز نے صاف کہہ دیا تھا:
"بچے یا سارہ میں سے کسی ایک کی جان بچ سکتی ہے... بس دعا کریں۔"

ڈاکٹر کی بات سنتے ہی خیام کے پاؤں تلے زمین نکل گئی۔ وہ وہیں بیٹھ کر بچوں کی طرح رونے لگا۔ کاشان اس کے قریب آیا اور پوچھا،
"بھائی... بھابھی کیسی ہیں؟"

خیام نے اسے گلے لگایا اور بےاختیار بولا:
"یار... اللہ نے کیسی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ نہ اپنی بہن کے پاس جا سکتا ہوں، نہ دوست کے!"

کاشان نے تسلی دی،
"بھائی، ہمت رکھیں... ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو گا۔"

خیام کو اچانک پشمینہ یاد آئی۔
"پشمینہ کیسی ہے؟"

کاشان نے بتایا،
"وہ اب خطرے سے باہر ہے، لیکن اذلان... اذلان تو پاگل ہو گیا ہے۔ بھابھی کو سینے سے لگائے بیٹھا ہے، چھوڑنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ دفنانا بھی ہے، آپ میرے ساتھ چلیں۔"

سارہ کے والدین نے خیام سے کہا،
"بیٹا، ہم یہاں ہیں، تم جاؤ، اذلان کو سنبھالو۔"

خیام فوراً گھر پہنچا،فضا میں ایک عجیب سا سکوت چھایا ہوا تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔

جہاں اذلان صباء کو سینے سے لگائے نڈھال بیٹھا تھا، اور اسماء اپنی پھول سی بیٹی کو بس ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔ خیام قریب آیا اور بولا:
"بھائی... اب بھابھی کو چھوڑ دو، ہمیں انہیں دفنانا بھی ہے۔"

نہیں! نہیں! میری صباء کہیں نہیں جائے گی!" اذلان چیخا۔"

کاشان اور خیام نے اسے زبردستی پکڑا، اور عورتوں کو بلایا۔ وہ جلدی سے صباء کو اٹھا کر اندر لے گئیں۔ پیچھے اذلان، خیام کے گلے لگ کر بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

"صباء! صباء! مجھے اس سے دور نہ کرو یار، میں مر جاؤں گا...
"!میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا، مجھے اس کے پاس جانے دو

صباء کی میت سفید کفن میں لپٹی ہوئی سامنے رکھی تھی۔ وہ صباء جو ہنستی تھی، جگمگاتی تھی، سب کی فکر کرتی تھی—آج خاموش لیٹی تھی۔
صباء... آپ سفید رنگ میں بہت خوبصورت لگتی ہیں--- ذہن میں الفاظ اور صباء کی ہنسی گونج رہی تھی ---
اب سامنے صباء کی میت پڑی تھی ---
لیکن کیا عجیب بات ہے...جب پہلی بار آپ کو دیکھا تھا تب بھی یہی رنگ تھا، سفید... مگر خون میں ڈوبا ہوا...

(وہ لمحہ یاد آتا ہے جب صباء پہلی بار زخمی حالت میں گھر ملی تھی--)

اذلان (بے بسی سے بولا): اور آج... شاید آخری بار دیکھ رہا ہوں...
...پھر وہی سفید لباس... پھر وہی خون

اذلان سفید کپڑوں میں، ننگے پاؤں، سر جھکائے صباء کے قدموں کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ختم ہو چکے تھے، لیکن چہرہ بے جان سا ہو گیا تھا۔ جیسے روح نکل چکی ہو۔

"...صباء... تم نے وعدہ کیا تھا نا، ہمیشہ ساتھ رہو گی"
اذلان کی آواز ٹوٹتی، بکھرتی جا رہی تھی۔
"اب کس سے بات کروں؟ کون میرے زخموں پر مرہم رکھے گا؟
"کون مجھے سمجھائے گا؟

کسی نے اذلان کے کندھے پر ہاتھ رکھا، وہ خیام تھا، مگر اذلان نے ہاتھ جھٹک دیا۔
"نہیں بھائی... کوئی تسلی نہیں چاہیے... وہ گئی ہے، میری صباء
"!اچلی گئی ہے
،پھر وہ میت کے قریب ہو کر بولا
"مجھے معاف کر دینا صباء... میں تمہیں بچا نہ سکا۔"

شام ہو چکی تھی۔ پشمینہ بھی گھر آ چکی تھی۔ ہر طرف کہرام مچا ہوا تھا۔ پشمینہ صباء کے پاس بیٹھ کر روتی جا رہی تھی۔

"صباء آپی، مجھے معاف کر دو... یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔
پلیز اٹھ جائیں نا! ہم تو مل کر باتیں کرتے تھے... اب میں کس سے
باتیں کروں گی؟ پلیز ہمیں یوں نہ چھوڑیں۔"

کاشان اور خیام باہر مردوں کے ساتھ تھے۔ جنازے کا وقت ہو چکا
تھا۔ وہ اندر آئے، اذلان کو اٹھایا اور کہا،
"بھائی، صبر کرو۔ سب کچھ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ اب چلو،
جنازے کا وقت ہو گیا ہے۔"

یہ سن کر اذلان پھر سے رو پڑا۔

پشمینہ نے اسماء کو سنبھال رکھا تھا، جبکہ سارہ ہسپتال میں زندگی
اور موت کی کشمکش میں تھی۔

کاشان، خیام، شہباز اور اذلان نے صباء کے جنازے کو کندھا دیا۔

"یا اللہ! ایسا کسی کے ساتھ نہ ہو، کہ اپنے محبوب کو اس طرح
کاندھے پر اٹھانا پڑے۔"

نماز جنازہ کے وقت اذلان کا جسم تو ساتھ تھا، مگر دل و دماغ
صباء کے ساتھ دفن ہو چکے تھے۔

جب اسے قبر میں اتارا جا رہا تھا، تو اذلان نے خود اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈالی۔

"صباء... یہ پہلی اور آخری بار ہے کہ تم مجھ سے آگے جا رہی ہو... لیکن وعدہ ہے، تمہارے عشق کو کبھی مرنے نہیں دوں گا۔"

قبر بند ہو چکی تھی، مگر اذلان وہیں بیٹھا رہا، ہاتھوں سے مٹی سہلاتا رہا۔

صباء کو دفنا کر سب لوٹ آئے۔ کاشان اور خیام اذلان کے پاس بیٹھے، جو قبر کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔

"اذلان... اٹھو، گھر چلو۔ ہم سے تمہاری یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔ خدا کے لیے ہم پر رحم کرو۔" خیام نے کہا۔

اذلان نے صباء کی قبر پر ہاتھ رکھا اور بولا:
"آپ لوگ جائیں بھائی... میں اپنی صباء کے پاس رہوں گا۔"

کاشان نے اس کے آنسو صاف کیے اور کہا:
"بھائی، اگر آپ ایسے روئیں گے تو بھابھی کو تکلیف ہو گی۔ پلیز... ان کے لیے چپ ہو جائیں۔"

اذلان نے نم آنکھوں سے کہا:
"آپ کو پتا ہے؟ وہ کہتی تھی کہ اسے آرمی بہت پسند ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ شہید ہو، لوگوں کی حفاظت کرتے ہوئے۔

اور دیکھو... آج اس کی خواہش پوری ہو گئی۔ لیکن... وہ مجھے یہاں چھوڑ گئی... یارو! میں اس کے بغیر کیسے جیوں گا؟"

"اذلان، خود کو سنبھالو پلیز، سب کچھ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔
ہم کچھ نہیں کر سکتے۔"
خیام نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لیا اور نرمی سے کہا،
"اچھا، اگر تم کہو تو میں ہسپتال چلا جاؤں۔ اب سارہ کا آپریشن شروع ہونے والا ہے۔"
کیونکہ بابا گھر ہے،تعزیت کے لیے مہمان آرہے ہیں---
اذلان نے دھیرے سے ہاں میں سر ہلایا۔
"سوری بھائی، میں بھول گیا تھا کہ بھابھی ہسپتال میں ہیں۔ اللہ سب ٹھیک کرے... آپ جاؤ۔"
پھر کاشان کی طرف دیکھ کر بولا،
"کاشان، تم اسے لے کر گھر جاؤ... میں ہسپتال جا رہا ہوں۔"

جب خیام ہسپتال پہنچا تو دلاور نے بتایا:
"آدھا گھنٹہ پہلے آپریشن شروع ہو چکا ہے... تم بس دعا کرو۔"

خیام مسلسل روتے ہوئے اللہ سے فریاد کر رہا تھا،
"یا اللہ ، مجھ پر اتنی ہی آزمائش ڈالنا جتنی میں برداشت کر سکوں... پلیز میرے بچے اور سارہ کو کچھ نہ ہو۔"

تقریباً آدھے گھنٹے بعد، ڈاکٹر ایک ننھی سی بچی کو اٹھا کر باہر آئے اور کہا،
"مبارک ہو، پیاری سی بیٹی ہوئی ہے!"

خیام اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ سارہ کی فوٹو کاپی لگ رہی تھی، بس نیلی آنکھیں اپنے باپ پر گئی تھیں۔
پلوشہ اور دلاور نے اپنی نواسی کو دیکھ کر سجدہ شکر ادا کیا۔
خیام نے اسے بانہوں میں لے کر زمین پر جھک کر سجدہ کیا۔

"ڈاکٹر... میری بیوی کیسی ہے؟ کیا میں ان سے مل سکتا ہوں؟"
خیام خوشی سے نہال ہو کر بولا۔

ڈاکٹر نے دھیمے لہجے میں کہا:
"دیکھئے خیام... ہم نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی، مگر ہم انہیں نہیں بچا سکے۔
وہ بار بار آپ کا اور کسی صباء کا نام لے رہی تھیں... اور انھوں نے کہا تھا:
'ہماری بیٹی اب آپ کی امانت ہے۔'"

یہ سن کر خیام کی دنیا اُجڑ گئی۔ وہ وہیں زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔
پلوشہ نے بچی کو گود میں اٹھا لیا تھا، اور خیام پاگلوں کی طرح چیخ اٹھا:

"نہیں یا اللہ! پلیز... مجھے اس آزمائش میں نہ ڈال... میں مر جاؤں
گا، یا اللہ!"

اس کے جسم کی رگیں تن گئیں۔ وہ زمین پر گر پڑا اور بےقابو ہو
کر رونے لگا۔
ہسپتال میں موجود ہر شخص اس دردناک منظر کو دیکھ کر آنکھیں
پونچھ رہا تھا۔

کچھ سفر ادھورے لکھے جاتے ہیں،
جنہیں انسان کو تنہا طے کرنا ہوتا ہے۔
آپ کے ہمسفر بیچ راہ میں بچھڑ جاتے ہیں،
اور اللہ....
وہ آپ سے سب سے پیاری چیز لے کر آزمائش میں ڈالتا ہے،
کہ دیکھے... کون اس کے لیے سب کچھ چھوڑ سکتا ہے؟
وہ اپنے پیارے بندوں کو امتحان میں ڈالتا ہے،
پھر ان کے ہر فیصلے پر "کُن" فرما دیتا ہے۔

تین سال بعد...

آج قطر کا موسم کافی خوشگوار تھا۔ خیام کچن میں کھڑا کھانا بنا
رہا تھا جب اُسے ازکیٰ کے رونے کی آواز آئی۔ اُس نے فوراً چولہا
بند کیا، ہاتھ دھوئے اور جلدی سے کمرے میں آیا۔ ازکیٰ نیند سے
جاگ کر رو رہی تھی۔ جیسے ہی اُس کی نظر خیام پر پڑی، وہ

مسکرا دی، اور اُس کے گالوں میں پڑتے ننھے سے ڈمپل نمایاں ہو گئے۔

"بابا کی جان اُٹھ گئی ہے، ماشاءاللہ!" خیام نے اُسے اُٹھا کر گلے سے لگا لیا اور دونوں گالوں پر پیار کیا۔ وہ ہر صبح ایسے ہی پیار کرتا تھا۔

"چلو، اب بابا اپنی شہزادی کو پیارے سے کپڑے پہنائیں گے۔" اُس نے ازکیٰ کا منہ دھلایا اور گلابی رنگ کا فراک نکالا، جو اُس کی گلابی رنگت پر بہت خوبصورت لگتا تھا۔ اُس کے بال بھی سارہ کی طرح نرم و ملائم تھے۔ خیام نے نرمی سے کنگھی کی۔

جب اُس نے اُسے نیچے اُتارا تو ازکیٰ اپنے ننھے ننھے قدموں سے بابا کی انگلی پکڑ کر ساتھ چلنے لگی، مگر کچھ یاد آنے پر رک گئی اور خیام کی طرف دیکھا۔

"ازکیٰ، میری جان، کیا ہوا؟ رک کیوں گئی ہو؟" خیام اُس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور نرمی سے پوچھا۔

ازکیٰ نے اپنا ننھا سا دایاں ہاتھ اپنے ماتھے پر مارا،

(بابا، اللہ اللہ میں آپ کا کا کڑو ،سب تچھ مدے ہی داد ددلانا پڈتا ہے،بابا دانی آپ کا رودانہ بہت شارے بدمام تہایا کلیں ---)

اللہ اللہ میں آپ کا کیا کرو،سب کچھ مجھے ہی یاد دلانا پڑتا ہے،بابا جانی آپ روازنہ بادام کھایا کریں---اس کی باتیں سن کر خیام ہنسنے لگا ----

اوکے میری گڑیا میں بادام کھایا کروں گا لیکن آپ مجھے بتائیں میں کیا بھول گیا ہوں --

بابا آپ مدے حداب کلانا بھول گئے ہیں
(بابا آپ مجھے حجاب کروانا بھول گئے ہیں)
---ازکیٰ نے اپنی نیلی آنکھوں سے بابا کو دیکھ کر مسکرا کر کہا ---
"اوہ، بہت شکریہ میری شہزادی! چلو اب جلدی سے حجاب کرتے ہیں۔"

پھر جب نیچے آئے تو خیام نے ازکیٰ کو اپنی گود میں بٹھایا اور سورۃ الرحمٰن کی تلاوت کرنے لگا۔ ازکیٰ اُس کے سینے سے لگی خاموشی سے تلاوت سن رہی تھی۔ یہ ان کا معمول بن چکا تھا۔ وہ ہر صبح اپنے گھر میں موجود باغ میں بیٹھ کر تلاوت کرتا، اور ازکیٰ اُس سے لپٹی رہتی۔

ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔ شاید پرندے بھی اُس کی خوبصورت آواز میں تلاوت سننے آ جاتے اور درختوں پر بیٹھ کر ہمہ تن گوش ہو جاتے۔ ہوا بھی اُس کی آواز کو نرمی سے ہر سمت پھیلا رہی تھی۔

خیام کو یاد تھا کہ انہوں نے زندگی میں کتنی مشکلات کا سامنا کیا تھا۔ وہ سب کچھ بھلا تو نہ سکے تھے، لیکن اللہ نے اُن کے زخموں پر وقت کا مرہم رکھ دیا تھا۔۔۔
جب سے ازکیٰ اُن کی زندگی میں آئی تھی، ہر طرف بہار سی چھا گئی تھی۔ اُن کی دنیا ازکیٰ سے شروع ہو کر ازکیٰ پر ختم ہوتی تھی۔ وہ دل سے اللہ کا شکر ادا کرتا تھا۔ واقعی، اُسے اللہ نے بہت نوازا تھا۔

جب تلاوت مکمل ہوئی، خیام نے ازکیٰ کی طرف دیکھا جو سامنے سے آتی سارہ کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔ پھر ننھے قدموں سے بھاگتی ہوئی اُس کے پاس گئی۔ سارہ نے اُسے بانہوں میں بھر کر گلے لگایا اور دونوں گالوں پر پیار کیا۔

یہ ان کی دنیا تھی۔۔۔ مکمل، پُر سکون، اور محبت سے لبریز۔

جبکہ ایک اور ننھا مہمان جلد ان کی دنیا میں آنے والا تھا۔

(بارش کی بوندیں مٹی پر برس رہی ہیں، فضا میں ہلکی نمی ہے۔
اذلان وردی میں ملبوس، ہاتھ میں گلابوں کا گلدستہ لیے قبر کے سامنے خاموش کھڑا تھا پھر آہستہ سے بیٹھا اور نرمی سے بولنا شروع کیا۔۔)

اذلان:(آنکھیں بھیگ رہی تھی)

"السلام علیکم...
آپ کی خاموشی اب بھی ویسی ہی خوبصورت ہے، جیسی آپ کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔
صباء...
میں لوٹ آیا ہوں... تین سال بعد...
اور پہلا قدم بھی آپ کی طرف ہی اٹھا۔
کہاں جاؤں آپ کے بغیر؟"

(اذلان نے قبر پر پھول بکھیرے اور خاموش بیٹھا ،آنکھیں بند کیں...
اچانک اسے ایک ہلکی سی خوشبو محسوس ہوتی ہے، جیسے کوئی بہت اپنا پاس آ گیا ہو۔ بارش تھم چکی ہے، اور ہوا میں سکوت ہے)

(صباء کی آواز خواب سا لمس لیے اس کے کانوں میں گونجنے لگا، جیسے قبر کے پاس ہی کوئی روشنی کی صورت میں بیٹھی ہو)

صباء (نرمی سے):
"اذلان...
کیا آپ اب بھی مجھے اتنا ہی چاہتے ہیں؟
تین برس... اور ایک پل بھی آپ نے مجھے اپنے دل سے جدا نہ ہونے دیا...
میں سنتی ہوں آپ کی ہر بات،
محسوس کرتی ہوں آپ کے آنسو...
اور جب آپ دعا میں میرا نام لیتے ہیں،

"میری روح تک مسکرا اٹھتی ہے۔

(اذلان چونک کر ادھر اُدھر دیکھتا ہے، مگر کوئی نہیں، صرف
صباء کی آواز، جو دل سے نکلتی ہے)

صباء:
"یہ گلاب...
اب بھی ویسے ہی مہکتے ہیں جیسے میرے خوابوں میں...
آپ آئے،
تو لگا جیسے وقت تھم گیا ہو...
جیسے میری تنہائی کو،
میری خاموش قبر کو،
آپ کی محبت نے آواز دے دی ہو۔"

اذلان (مدھم آواز میں):
"صباء... کیا آپ ناراض تو نہیں؟
میں... آپ کو بچا نہ سکا..."

صباء (نرمی اور دُھند میں لپٹی ہوئی آواز میں):
"اذلان...
محبت میں کوئی جیت ہار نہیں ہوتی...
کوئی جدائی ابدی نہیں ہوتی...
میں تو وہ ہوں،
جو آپ کے دل میں زندہ ہے،

ہر دھڑکن کے ساتھ سانس لیتی ہوں۔
میں نہیں گئی...
بس ایک قدم آگے چل دی، اور آپ پیچھے رہ گئے۔
لیکن آپ جب بھی یاد کرتے ہیں...
میں واپس لوٹ آتی ہوں...
آپ کے قریب... بہت قریب۔"

(اذلان کی آنکھوں سے بےآواز آنسو بہہ رہے ہیں، مگر چہرے پر سکون کی ہلکی سی روشنی ہے)

صباء:
"آپ تھک گئے ہیں نا؟
بس تھوڑا اور صبر...
یہ جدائی عارضی ہے،
پھر ہم ملیں گے... وہاں،
جہاں نہ وقت ہو گا،
نہ فاصلہ،
بس رب کا قرب اور ہماری دائمی محبت۔"

(ہوا ایک بار پھر چلنے لگتی ہے، اور اذلان کے چہرے پر ایک ہلکی مسکراہٹ آ جاتی ہے۔ وہ قبر کو ہاتھ لگا کر آہستہ سے کہتا ہے)

اذلان:

"...صباء
...میں زندہ رہوں گا
،آپ کے لیے
،آپ کے خوابوں کے لیے
...اور اس لمحے کے لیے
"جب ہم دوبارہ ایک ہوں گے... ہمیشہ کے لیے۔

:رات کے وقت
اذلان صباء کے کمرے میں آیا، اس کی چیزیں وہیں رکھی تھیں۔ ڈریسنگ پر اس کی چوڑیاں، الماری میں اس کے کپڑے، اور تکیے پر اب بھی اس کی خوشبو باقی تھی۔

:اذلان وہیں بستر پر بیٹھا، صباء کی تصویر تھامی، اور کہنے لگا
"مجھے جینے کا طریقہ نہیں آتا صباء... تم بتاتی تھیں کہ ہر درد کا علاج صبر ہے... لیکن اب صبر تمہارے بغیر کیسے آئے؟"

اور پھر خاموشی سے وہ تصویر سینے سے لگا کر آنکھیں موند گیا... جیسے وہ خود بھی مر گیا ہو، لیکن بغیر موت کے۔

ازکیٰ ان کی دنیا تھی۔ سارہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت ہو گئی تھی، لیکن صباء کی موت کا اُس پر گہرا اثر ہوا تھا۔ خیام نے اُسے قریب بلایا، سینے سے لگایا اور اُس کے سر پر بوسہ دیا۔۔۔

اُسے تین سال پہلے کا وہ دن یاد آیا ۔۔جب ڈاکٹر نے کہا تھا کہ سارہ مر چکی ہے۔ لیکن اللہ معجزات کا مالک ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد اُس کی سانسیں بحال ہو گئی تھیں۔ اللہ نے خیام کی دعاؤں کو سن لیا تھا۔ لیکن صباء کی موت کے صدمے کی وجہ سے سارہ ایک مہینے تک بیڈ سے اٹھ نا سکی ۔۔۔وہ دن اُسے آج بھی اچھی طرح یاد تھا۔

سارہ نے آہستہ سے کہا،
"آج پشمینہ اور کاشان آ رہے ہیں، خیام۔"
"ہاں، مجھے کاشان نے کال پر بتایا تھا،" خیام نے جواب دیا۔
"مجھے انتظار ہے... وہ کب آئیں گے، جب میں اپنے پیارے گولو مولو محمد کو اپنی باہوں میں اٹھاؤں گی!" سارہ خوشی سے چہک رہی تھی۔

"اور آج اذلان بھی واپس آ رہا ہے۔ میں اُسے لینے جا رہا ہوں۔" خیام نے سن گلاسز پہنتے ہوئے کہا، لیکن سارہ کے چہرے پر سنجیدگی دیکھ کر رُک گیا۔

"کیا ہوا ہے سارہ؟ کیوں پریشان ہو رہی ہو؟"

سارہ نے روتے ہوئے کہا، "خیام... میں اُن کا سامنا کیسے کروں گی؟ وہ سب میری وجہ سے ہوا تھا..."

خیام نے نرمی سے اُس کے آنسو صاف کیے،
"سارہ، میری زندگی... ایسے مت کہو۔ جو اللہ کو منظور ہوتا ہے،
وہی ہوتا ہے۔ اب رونا بند کرو۔ اگر اذلان نے آپ کو روتے دیکھا
تو میں اُسے کیسے سنبھالوں گا؟"

سارہ نے آنسو پونچھے، سر ہلایا۔ خیام جانے لگا ہی تھا کہ ازکیٰ آ
کر اُس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

"کیا ہوا ہے ازکیٰ؟" خیام نے جھک کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔"

بابا بابا آپ میلے پالے اذلان کو لینے دا لیے ہیں میں بھی تھاتھ تلو
گی---
(بابا بابا آپ میرے پیارے اذلان کو لینے جا رہے ہیں میں بھی ساتھ
چلو گی)

خیام جانتا تھا اس کے دوستوں کی جان بستی ہے ازکیٰ میں۔ اس
نے رونے والی شکل بنا کر کہا تو خیام نے سارہ کو دیکھ کر کہا
دیکھا آپ نے ،ہماری ڈرامے باز بیٹی کو کیسے رونے والی شکل
بنا لی ہے اور یہ اذلان کیا ہوتا ہے وہ آپ کے انکل ہے----خیام نے
ازکیٰ کو سمجھایا----

نہیں بابا وہ بہت پالے ہیں میں ان تو انتل نہیں بولو گی---
نہیں بابا وہ بہت پیارے ہیں میں ان کو انکل نہیں بولو گی--

لیکن میں آپ کو ایک شرط پر ساتھ لے جاؤ گا اگر آپ اذلان کو
انکل بولیں گی تو خیام نے مسکراہٹ چھپاتے ہو کہا۔۔۔

اوتے بابا پھل میلی مجبولی ہے ان کو انتل بولنا پلے دا۔۔۔
(اوکے بابا پھر میری مجبوری ہے ان کو انکل بولنا پڑے گا۔۔)
ازکیٰ نے معصوم سی شکل بنا کر کہا تو خیام اور سارہ ہنسنے
لگے ۔۔۔
پھر خیام نے اسے اٹھا کر کار میں ساتھ بٹھایا اور ایئرپورٹ کے
لیے نکل پڑا۔۔

جبکہ سارہ شہباز کو اٹھا کر انھیں ناشتہ دینے لگی۔آج اذلان تین
سال بعد آ رہا تھا۔۔۔
سارہ کے ذہن میں صباء کے الفاظ ہمیشہ گونجتے تھے۔۔۔

"سارہ تم میری دوست ہو،اگر مجھے تمھارے لیے جان بھی دینی)
(پڑی تو خوشی خوشی دے دوں گی۔۔۔
صباء-- دوست کو ایسے اکیلا کون چھوڑ جاتا ہے ؟؟؟"سارہ نے نم
"آنکھیں صاف کیا۔۔۔۔
آج خیام بہت خوش تھا جب وہ ایئر پورٹ پہنچا تو ازکیٰ نے اسے
سامنے سے آتے پہچان لیا تھا خیام نے اسے اذلان کی تصاویر
دیکھائی تھی تاکہ وہ جان سکے کہ اس کے پاس دو انکل بھی ہے

اذلان ---اذلان" ازکیٰ خیام سے ہاتھ چھڑوا کر اذلان کی طرف بھاگی جب کہ اذلان نے خیام کو دیکھا پھر اس ننھی شہزادی کو-- جو اس کی طرف آ رہی تھی ----اذلان وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دونوں ہاتھ پھیلا لیے،،

ازکیٰ ہنستی ہوئی اس کے گلے لگی جبکہ پیچھے کھڑے خیام نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا ---یا اللہ اس لڑکی کا کیا کروں گھر سے کتنا سمجھا کر آیا تھا کہ انکل کہنا ہے لیکن اس نے بیڑا غرق کر دیا،اپنی ماں کی طرح ضدی ہے--

اذلان کو اس شہزادی (ازکیٰ) سے مل کر بےحد خوشی ہوئی۔ اذلان نے اُسے اٹھایا اور خیام کی طرف بڑھا، تو اُس کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔ جیسے ہی خیام نے اُسے گلے لگایا، اذلان رونے لگا۔

"کیسا ہے اذلان میرے یار؟" خیام نے اُس کے آنسو صاف کرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

اذلان دل ہی دل میں سوچنے لگا،

"کچھ دکھ، کچھ درد، کچھ اُداسیاں... بہت ہی ذاتی ہوتی ہیں۔ جنہیں ہم چاہ کر بھی کسی پر عیاں نہیں کر پاتے۔ اور شاید ہمیں خود بھی نہیں پتا ہوتا کہ ہم ایسا کیوں کرتے ہیں۔"

پھر وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا،

"اب اپنی شہزادی سے مل لیا ہے، تو بالکل ٹھیک ہوں۔"

جبکہ ازکیٰ دونوں کو گھور کر دیکھنے لگی۔

"بابا کی جان، ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟" خیام نے ایک بھنویں اُٹھاتے ہوئے شرارت سے پوچھا۔

بابا دانی دلدی سے دھل تلیں اذلان کو بھوت لگی ہودی ۔۔
(بابا جانی جلدی سے گھر چلیں اذلان کو بھوک لگی ہوگی۔۔)

ازکیٰ کی بات سن کر اذلان کھلکھلا کر ہنس پڑا،،،
ہاں دیکھو نا میری شہزادی ،آپ کے بابا بہت برے ہیں مجھے کھانے کا پوچھا ہی نہیں۔۔شکر ہے آپ کو انکل کا خیال آ گیا۔۔۔
"الے آپ میلے انتل نہیں ہے آپ تو ادکیٰ کی جان ہیں۔۔اور جلدی تلیں پیت میں چوہے نات رہے ہیں۔۔۔"
(ارے آپ میرے انکل نہیں ہے آپ تو ازکیٰ کی جان ہے اور جلدی چلیں پیٹ میں چوہے ناچ رہے ہیں)

اذلان (ازکیٰ کو) اٹھا کر گاڑی کی طرف بڑھا، خیام سے باتیں کرتا ہوا اندر بیٹھ گیا۔ جب وہ لوگ گھر پہنچے تو دروازے پر کاشان کھڑا تھا۔ اذلان نے بھاگ کر اُسے گلے لگا لیا، لیکن اپنے آنسو اندر ہی پی گیا۔

"کیسا تُو، اذلان؟ ہم سب نے تجھے بہت یاد کیا!" کاشان اُس سے الگ ہوتے ہوئے بولا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں نے بھی آپ سب کو بہت یاد کیا۔"

"اچھا اب چلو، کھانا کھاتے ہیں، ورنہ ازکیٰ کو غصہ آ جائے گا!" اذلان نے مسکرا کر ازکیٰ کی طرف دیکھا، جو خیام کی انگلی پکڑ کر آ رہی تھی۔

"کاشان آپ آ گئے!" ازکیٰ خوشی سے اُس کے گلے لگ گئی۔

"میری گڑیا نے بلایا تھا، تو میں کیسے نہ آتا!" کاشان نے اُسے پیار سے اُٹھاتے ہوئے کہا۔

آج ان کی زندگی میں خوشیاں واپس آ گئی تھیں۔ کاشان اور پشمینہ کا ایک بیٹا تھا، محمد۔ ازکیٰ سب کی جان تھی، جبکہ اذلان... جو اب پاکستان صرف صباء کی قبر پر آتا تھا، جانتا تھا کہ صباء کی پہلی اور آخری ملاقات وہ کبھی نہیں بھول پائے گا۔ دونوں بار وہ اُسے خون میں لت پت ملی تھی۔ جیسے وہ آخری بار کہہ رہی ہو:

"تجھے جینا ہے، میرے بنا..."

اذلان نے اپنی زندگی کے سارے راستے اللہ کی طرف موڑ دیے تھے۔

وہ سب ایک ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ پھر اذلان، کاشان اور خیام نے ضروری کام کا کہہ کر باہر جانے کا ارادہ کیا، جبکہ سارہ، پشمینہ، ازکیٰ اور محمد کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئیں۔

رات کو جب خیام واپس آیا تو وہ تھکا ہوا تھا، آتے ہی سو گیا۔ صبح سارہ اور پشمینہ ناشتہ بنا رہی تھیں، جبکہ اذلان اور کاشان واک پر گئے ہوئے تھے۔ سارہ جب کمرے میں کافی ٹیبل رکھ کر خیام کو جگانے آئی تو اُسے دیکھ کر زور دار قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی۔

خیام اُس کی ہنسی سن کر گھبرا کر اٹھ بیٹھا،
"کیا ہوا ہے؟ ہنس کیوں رہی ہو؟" خیام نے پوچھا۔

"آئیں، آپ خود دیکھ لیں!" سارہ نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور آئینے کے سامنے لے گئی۔ جیسے ہی خیام نے خود کو دیکھا، چیخ نکل گئی۔

"!یہ سب کس نے کیا؟"

اُس کی نظر ازکیٰ پر پڑی، جو بیڈ پر میک اپ کا سامان لیے بیٹھی تھی اور بابا کو دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

"ازکیٰ میری جان، یہ آپ نے کیا کیا؟" خیام نے اُسے اُٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں بابا، آپ کو میک اپ کر رہی تھی!" ازکیٰ نے معصومیت سے کہا۔

"بیٹا، میک اپ عورتیں کرتی ہیں، مرد نہیں!" خیام نے اُسے پیار سے سمجھاتے ہوئے خود کو واش روم میں بند کر لیا۔

ازکیٰ بھاگ کر سارہ کے پاس آئی،
"چلیں ماما، کام ہو گیا!"

جس پر سارہ نے ہنستے ہوئے اُسے گود میں لے لیا۔

جب خیام منہ دھو کر نیچے آیا تو سارہ لان میں پودوں کو پانی دے رہی تھی۔ خیام اُس کے پاس آ کر بولا:

"سارہ، کیا آپ جانتی ہیں کہ سورج کو اللہ نے ہمارے لیے بجلی کا کتنا بڑا ذریعہ بنایا ہے؟"

"آفتاب و ماہتاب ایک معین دستور العمل کے مطابق سرگرم پرواز ہیں۔"
(الرحمٰن آیت 5)

روشنی کی قیمت"
ہم اپنے کارخانوں اور گھروں میں بجلی سے کام لیتے ہیں جس کا منبع اولین آفتاب ہے۔یورپ کے ایک ماہر طبیعیات نے اندازہ لگایا ہے کہ کہ تمام دنیا میں ہر سال صرف1/4 چھٹانک وزن کی بجلی خرچ ہوتی ہے جس کے پیدا کرنے پر 34کروڑ روپیے لاگت آتی ہے۔دوسری طرف جو روشنی سورج سے صرف ایک دن میں زمین پر آتی ہے--- اس کا وزن4480 من ہے-----بجلی کے حساب سے اس کی روشنی کی قیمت 5,00,00,00,00,00,000 ڈالر بنتی ہے ۔سبحان اللہ دیکھو کہ ہم ایک پائی تک صرف کئے بغیر طاقت کے اس بے پناہ خزانے سے متمتع ہو رہے ہیں۔"

(تم اپنے اللہ کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے)
(الرحمٰن آیت 11)

اور اس کے ساتھ یہ جو پودے آپ دیکھ رہی ہیں ان کے بارے میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنی کتاب"دو قرآن"میں فرماتے ہیں --- کہ پودوں کی جڑ میں خردبینی حیوانات (بکٹیریا)کی ایک دنیا آباد" ہے جن کا عمل کیمیائی ہے،یہ حیوانات زمین کی نائیٹروجن کھا کر ایک رس خارج کرتے ہیں ،جس میں نائیٹروجن کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے ۔نائیٹروجن حیاتِ نباتات کا جزو اعظم ہے۔اگر یہ بیکٹیریا نہ ہوتا تو کوئی پودا نہ اگ سکتا ---
مثلاً زمین کے ہر ایکڑ میں ان حیوانات(بیکٹیریا)کا کام روزانہ بارہ آدمیوں کے برابر ہوتا ہے بہ دیگر الفاظ اگر ایک سو ایکڑ کھیت میں دس کسان ہل چلا رہے ہوں تو بارہ سو مزدوروں کا ایک لشکر

بھی وہاں کام کر رہا ہوتا ہے ۔اب یہاں غور کریں کہ کھیتی باڑی میں کتنا حصہ کسان کا اور کتنا اللہ کا ہے ۔اللہ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

"اے کھیتی باڑی کرنے والو!کبھی غور بھی کیا ہے کہ اصلی کسان کون ہے؟تم یا ہم؟اگر ہم چاہیں تو بیکٹیریا کا عمل روک کر تمھاری لہلہاتی ہوئی کھیتوں کو برباد کرکے تمہارے حواس اڑا دیں۔
(الواقعہ آیت نمبر 23-25)

"بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے..." سارہ کہتے ہوئے خیام کے ساتھ کھانے کی میز پر آ بیٹھی۔
جب سارہ نے سب کو ازکیٰ کا قصہ سنایا تو اذلان اور کاشان ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔
"اچھا ہوا، سالے کے ساتھ،، آج تک وہ ہمیں نچاتا رہا، اب ہماری پیاری گڑیا اُسے نچائے گی!" کاشان نے شرارتی لہجے میں اذکیٰ سے کہا، تو خیام کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اُسے کچا چبا جائے۔

"کتنی بار تمہیں کہا ہے کہ مجھے سالا مت کہا کرو! اور تم دونوں نے تو میری بیٹی کو بھی بگاڑ دیا ہے!" خیام نے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"سالے کو ہم سالا نہیں کہیں گے تو کیا کہیں گے؟" کاشان نے مزید جلتی پر تیل ڈال دیا، جبکہ اذلان اور باقی سب ان کی نوک جھونک سے خوب لطف اندوز ہو رہے تھے

(اگلے دن : لاؤنج میں سب بیٹھے تھے، ازکیٰ ہاتھ میں مارکر لیے
دیوار پر "فنکاری" کر رہی تھی)

کاشان (چیخ کر):
"اوہ ہو! کسی نے مارکر واپس ازکیٰ کے ہاتھ میں دے دیا؟ دیوار کا
حال دیکھو، لگتا ہے یہ ننھی Picasso ہے!"

اذلان (ہنستے ہوئے):
"یہ تو فن کا سمندر ہے، اور ہم سب اس کے ڈوبنے والے مسافر!"

ازکیٰ (فخر سے):
"یہ میں نے بابا بنایا ہے، یہ والی بڑی ناک... اور یہ بال بال!"

خیام (صدمے سے):
"یہ میں ہوں؟ ناک کے ساتھ گاجریں کیوں بنی ہیں؟"

ازکیٰ (اکڑ کر):
"کیوں کہ آپ گاجر کھاتے ہو نا! اور آپ ناراض بھی تو ایسے ہی
لگتے ہو!"

سارہ (ہنستی ہوئی):

"ازکیٰ کو بس پین دو، باقی وہ خود ہی آرٹ اور حقیقت کو ملا دیتی ہے۔"

کاشان:
"کل تو اس نے میرے جوتوں میں پانی ڈال دیا، کہہ رہی تھی 'پانی والی چپل بناتے ہیں'!"

اذلان:
"اور مجھے تو آج چائے میں نمک ڈال کر پیش کی، اور کہا: 'سپیشل چاچا ٹی ہے'!"

خیام (سر پکڑ کر):
"تم سب نے اسے اتنا بگاڑ دیا ہے، اب روز نئی سزا دیتا ہوں اپنے آپ کو کہ آخر کیوں تم لوگوں کو اس کے پاس چھوڑا تھا!"

ازکیٰ (مسکین منہ بنا کر):
"باباااا... آپ ناراض ہو؟"

(سب خاموش، خیام نرم پڑ گیا)

خیام:
"نہیں میری جان... بس تمہارے لیے ایک الگ دیوار بنانے کا سوچ رہا ہوں، جہاں جو مرضی بنانا!"

ازکیٰ (تالیاں بجاتے ہوئے):
"واہ بابا، آپ دنیا کے سب سے اچھے بابا ہیں... اور تھوڑے سے
گاجر والے بھی!"

اور پھر سب کی ہنسی ایک بار پھر فضا میں گونج اٹھی — ایک
خوشحال، محبت بھرا اور شوخیوں سے لبریز لمحہ، جو ہمیشہ کے
لیے یادوں میں نقش ہو گیا۔

کچھ دیر بعد گارڈ نے آ کر بتایا کہ کچھ لڑکے اور لڑکیاں سارہ میم
سے ملنے آئے ہیں، تو سب حیران رہ گئے کہ یہ کون ہو سکتے
ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ اپنی ماں سے ملنا چاہتے ہیں۔ یہ بات
سننا تھا کہ سارہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ خیام نے
پوچھا: "کیا ہوا ہے؟ آپ رو کیوں رہی ہیں؟ اور یہ لوگ کون ہیں؟"
سارہ نے لرزتی آواز میں جواب دیا: "خیام، وہ... وہ میرے بچے
ہیں! مجھ سے ملنے آئے ہیں، وہی جنہیں آپ نے آگ سے بچایا
تھا!"
یہ کہتے ہوئے سارہ اور باقی سب جلدی سے باہر آ گئے، جہاں
سارہ ان لڑکیوں سے گلے مل کر رونے لگی۔
"اللہ تیرا شکر ہے! تم سب کیسے ہو؟" سارہ نے باری باری سب
سے مل کر پوچھا۔
"ہم سب بالکل ٹھیک ہیں۔ ہم نے آپ کو پاکستان میں بہت ڈھونڈا،
پھر اسماء آنٹی سے پتا چلا کہ آپ یہاں ہیں، تو سوچا آپ سے ملیں

اور شکریہ ادا کریں۔ اگر آپ نہ ہوتیں تو شاید ہم سب زندہ نہ ہوتے۔"
سارہ نے ان کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "اللہ نہ کرے میرے بچوں کو کچھ ہو۔ اور شکریے کی کیا بات ہے، تمہاری حفاظت کرنا میرا فرض تھا۔"
"یہ ہم آپ کی بیٹی کے لیے کچھ تحفے لائے ہیں۔ آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ اور یہ سب آپ کی محنت اور محبت کا ہی نتیجہ ہے کہ ہم آج اس مقام پر ہیں۔"
سارہ نے حیرت سے پوچھا: "مطلب؟"
ایک لڑکی نے مسکرا کر کہا: "مطلب یہ کہ میں ہوں ڈاکٹر زویا"،
دوسرے نے کہا: "میں ہوں انجینیئر احمد"،
تیسری بولی: "میں ہوں ٹیچر حفصہ"،
اور ایک اور نے کہا: "میں ہوں ایئر فورس کی کیپٹن مریم۔"
سب نے باری باری اپنا تعارف کروایا تو سب نے خوشی سے اللہ کا شکر ادا کیا۔

سب اپنی اپنی منزل تک پہنچ چکے تھے۔
سچ کہتے ہیں، انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔
ان سب نے اچھائی بوئی تھی، اس لیے آج زندگی خود ان پر ناز کر رہی تھی۔
جبکہ گلریز، باقر پاشا، دانیال اور ان جیسے کئی لوگ، جنہوں نے انسانوں پر قیامت ڈھائی تھی، آج ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

"جو لوگ دنیا کے لیے اللہ کو چھوڑ دیتے ہیں، پھر دنیا بھی انہیں کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ اور جو لوگ اللہ کے لیے دنیا چھوڑ دیتے ہیں، اللہ پوری دنیا ان کے قدموں میں رکھ دیتا ہے۔"

اذلان، خیام اور کاشان کے لیے وطن کی حفاظت اور اللہ کی یاد اب صرف فریضہ نہیں، ان کی پہچان بن چکی تھی۔ سارہ نے بچوں کو دین، محبت، اور قربانی کا درس دینا شروع کر دیا تھا، اور اس کارِ خیر میں ازکیٰ نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ خیام نے اسے سالگرہ پر ایک خوبصورت تحفہ دیا — سات رنگوں میں لکھا ہوا قرآنِ کریم، جس میں ترجمہ اور تشریح بھی تھی، تاکہ وہ نہ صرف تلاوت کرے بلکہ سمجھے بھی۔

صباء، جو ان کے ساتھ موجود نہ ہو کر بھی ہمیشہ ان کے دلوں میں زندہ رہی، صباء ان لوگوں میں سے تھی جو مر کر بھی مرتے نہیں ہیں۔
وہ زندہ رہتے ہیں — آپ کے الفاظوں میں، آپ کی دعاؤں میں، اور آپ کے چہروں پر مسکراہٹ بن کر۔

ان سب نے زندگی میں بے شمار مشکلات کا سامنا کیا، مگر صبر کو تھاما، اور اللہ نے ان کے راستے روشن کر دیے۔
اور یوں سب نے عشقِ خدا کا سفر طے کیا —
ایسا سفر جس میں منزلیں نہیں، فقط قربِ الٰہی ہوتا ہے۔
ایسا سفر جو انسان کو خود سے مِلا دیتا ہے، اور پھر خدا سے۔
خشک پتھر کی رگوں میں منتظر سیرابیاں

تشنگی کی آگ دل میں جلا کر دیکھئے
غم کے داغوں سے نہ ڈریئے،ان سے پھوٹے گی بہار
ان گلوں کو طاق ہستی پر سجا کر دیکھئیے
چاہیے آسی اگر لطف حیات جاوداں
اپنی ہستی ان کی چوکھٹ پر مٹا کر دیکھئیے

ختم شدہ

(سب سے پہلے اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں جس کی مدد سے میں نے اس کام کو پائے تکمیل تک پہنچایا ہے ۔آپ کو میرا ناول کیسا لگا ہے مجھے ضرور بتائیے گا اس کے لکھنے کا مقصد لوگوں کو اللہ کی طرف لانا تھا ۔ یہ میرا پہلا ناول تھا جس کو لکھنے کے لیے مجھے سوچنا نہیں پڑا ---- الفاظ خودبہ خود میرا ساتھ دیتے رہے ۔اس میں بیان کیئے گئے کچھ واقعات حقیقت پر مبنی ہے ۔اللہ ہم سب پر رحم کرے اور ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے،
(جہاں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے ان کی مدد فرمائے---
آمین ---

مصنف : مریم بنتِ حوّا